(سلسلہ چشتیہ نظامیہ)

تاریخ مشائخ چشت

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی سے حضرت خواجہ [illegible] تک

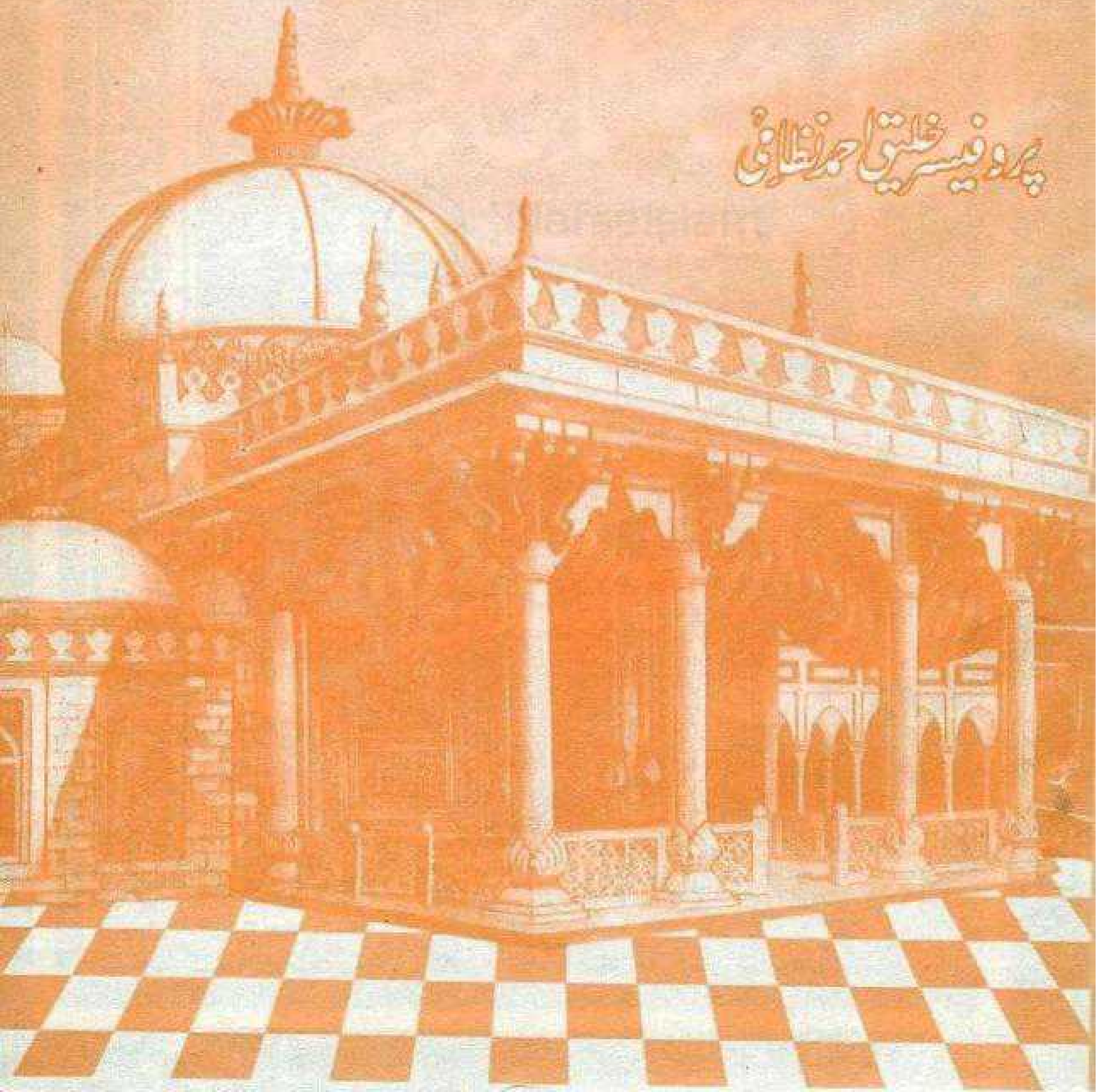

پروفیسر خلیق احمد نظامی

اِنتساب

اپنے دادا مرحوم

مولوی فرید احمد نظامیؒ

کے نام

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زارِ تو ام
وگر کشادہ جبینم، گُل بہارِ تو ام

NafseIslam

دائرۃ المصنفین اسلام آباد

تاریخ مشائخ چشت

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی سے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی تک

(سلسلہ چشتیہ نظامیہ)

از

پروفیسر خلیق احمد نظامی

دائرۃ المصنفین اسلام آباد

دیباچہ

"تاریخ مشائخ چشت" کی پہلی جلد ناظرین کے مطالعہ سے گزر چکی ہوگی۔ اس وقت اس سلسلہ کی پانچویں جلد پیش کی جارہی ہے۔ اس میں حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت خواجہ الہ بخش تونسویؒ تک سلسلہ چشتیہ (نظامیہ) کے مشائخ کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ اس میں بھی نئے مآخذ کی تلاش اور واقعات کی مزید تحقیق کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ تصحیح اور اضافے کی جہاں ضرورت محسوس ہوئی اس سے گریز نہیں کیا گیا۔ کوشش یہ رہی ہے کہ مشائخ کے حالات کی تحقیق میں صدق و دیانت کا دامن کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

جلد دوم جس میں حضرت خواجہ معین الدین سجزی چشتیؒ سے لے کر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ تک مشائخ متقدمین کے حالات و سوانح، اور اصلاحی اور تربیتی نظام کی تفصیلات درج ہیں، کتابت کے لئے دی جارہی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کو اس کے لئے زیادہ زحمتِ انتظار نہ اٹھانی پڑے گی۔

عصر حاضر میں تصوف اور صوفیہ میں جس عالمگیر دلچسپی کا اظہار ہو رہا ہے، وہ بعض اعتبار سے حیرت انگیز ہے۔ اس دلچسپی کے اسباب اور محرکات مختلف نوعیت کے ہیں۔ ایک طرف علمی حلقوں میں یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلام کا اثر و نفوذ صوفیہ کی مساعی کا نتیجہ تھا، جیسا کہ سر ہملٹن گب نے ایک بار کہا تھا

NafseIslam

کہ "اسلام کے نشوونما کی تاریخ، تحریک تصوف کے ساتھ ساتھ چلتی ہے"۔ اس وجہ سے تاریخ اسلام کے مورخ اور طالب علم تحریک تصوف کے مطالعہ اور اس کے نظام اصلاح و تربیت کے تجزیہ میں دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ دوسری طرف تصوف میں دلچسپی کا محرک مادیت کے خلاف فطرت انسانی کا ردعمل ہے۔ انسانی قلب کو جس سکون کی تلاش ہے وہ زر اور زور دونوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ انسان اپنے رب سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑے اور اپنی زندگی کو روحانی اور اخلاقی قدروں کی چاکری میں بسر کرنا سیکھے۔ اسی میں اس کی حیات سرمدی اور ابدی سکون کا راز مضمر ہے۔ ان دونوں محرکات کے پیش نظر صوفیہ کے حالات زندگی، انسانی فلاح و بہبود کے لئے اُن کی مساعی، روحانی اور اخلاقی تربیت کے لئے اُن کی جدوجہد کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس زمانہ میں بعض کام، جو شائع ہو کر سامنے آئے ہیں، گہرے مطالعہ اور پر خلوص انہماک کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن بعض کتابیں محض وقتی شہرت اور وقتی تقاضوں کے پیش نظر خام بلکہ گمراہ کن افکار و نظریات کے زیر اثر ترتیب دی گئی ہیں۔ اور بعض مشاہیر مشایخ کے متعلق غلط فہمیاں پھیلانے کا کام تاریخی تحقیق کے پردے میں انجام دیا جا رہا ہے۔ ان کو دیکھ کر متنبی کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آ جاتا ہے

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہ

اذا استوت عندہ الانوار والظلم

خلیق احمد نظامی

نظامی ولا

سرسید روڈ، علی گڑھ

۴ار نومبر ۱۹۸۲ء

فہرست مضامین

مقدمہ
ہندوستان اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں
سیاسی پس منظر ۱۰ - ۱۹
اٹھارہویں صدی کی خصوصیات ۱۹
سلطنت مغلیہ عالمگیر کے بعد ۲۰
سیاسی نظام کی ابتری ۲۱
سلاطین و امراء ۲۲
سکھ ۲۳
مرہٹے ۲۸
جاٹ ۳۲
روہیلے ۳۳
بیرونی حملے ۳۵
انگریزوں کا تسلط ۳۶
اس ماحول میں مسلمانوں کی حالت ۳۹
اقتصادی حالات ۴۲
معاشی ابتری ۴۳
سلاطین و امراء کی فضول خرچی ۴۴
اقتصادی تباہی کے اسباب ۴۴
معاشرہ اور تمدن ۴۷
دلی کی تمدنی حالت ۴۸
محلات شاہی ۵۰
امراء کی مجلسیں ۵۰
بازار ۵۱
مدرسے ۵۱
خانقاہیں ۵۲
میلے ۵۳
مشاعرے ۵۳
غدر کے اثرات دلی پر ۵۳
ہندو مسلم تعلقات میں شگفتگی ۵۵
اخلاق اور مذہب ۶۱
عام اخلاقی حالات ۶۱
سلاطین و امراء کی اخلاقی حالت ۶۲
صوفیۂ خام اور علماء سو کی حالت ۶۵
عام مسلمانوں کی دینی زندگی ۶۶
شیعہ سنی تنازعات ۶۸

باب اول:

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ ۷۱-۱۵۰
شاہ جہاں آباد ۷۱
شاہ کلیم اللہ کا مقام
چشتیہ سلسلہ کی تاریخ میں ۷۳
دلوں کا معمار ۷۵

فہرست مضامین

شاہ کلیم اللہ کا خاندان ۷۵
خاندان کلیمی کے تعمیری کارنامے ۸۰
خاندان کلیمی کے علمی کارنامے ۸۰
شاہ صاحبؒ کی ولادت ۸۸
تعلیم و تربیت ۸۸
شیخ ابو الرضا الہندیؒ ۸۸
مدینہ منورہ کو روانگی ۹۱
حضرت یحییٰ مدنیؒ ۹۲
حضرت مدنیؒ کے قدموں میں ۹۳
درس و تدریس ۹۵
توکل کی زندگی ۹۶
اخلاق ۹۸
تصانیف ۱۰۰
مکتوبات کلیمی ۱۰۳
دینی تحریک اور تبلیغی جدوجہد ۱۰۵
نظام تعلیم و تربیت ۱۱۱
اعلان موقف ۱۱۶
اشاعت سلسلہ ۱۲۳
نظام خلافت ۱۲۵
عورتوں کی بیعت کے متعلق
ہدایات ۱۲۶
اتباعِ شریعت کی تلقین ۱۲۷
اسرار کی اصلاح ۱۲۹
سماع ۱۳۲
فکر کلیمی کے بعض اہم پہلو ۱۳۳
وصال ۱۴۲
اولاد ۱۴۵
خلفاء ۱۴۸
خواجہ مصطفیٰ مرادآبادیؒ ۱۵۰

باب دوم:
حضرت شاہ نظام الدین
اورنگ آبادیؒ ۱۸۲-۱۵۱
دکن میں کام کی اہمیت ۱۵۱
ولادت و نسب ۱۵۲
وطن ۱۵۳
دہلی میں ۱۵۴
بیعت ۱۵۴
دکن کو روانگی ۱۵۶
لشکر شاہی سے تعلق ۱۵۷
مختلف مقامات پر قیام ۱۵۸
قیام خانقاہ ۱۵۹
صحبت کی کشش ۱۶۱

فہرست مضامین

تبلیغی جدوجہد ۱۶۱
اتباع سنت ۱۶۲
نظام اوقات ۱۶۲
لباس ۱۶۳
مرشد کی نظر میں ۱۶۴
مریدوں کی روحانی تربیت ۱۶۵
فتوح و خیرات ۱۶۷
سماع ۱۶۸
اخلاق ۱۶۸
اعظم شاہ ۱۷۰
شاہ وقت ۱۷۰
خاندانِ آصفیہ پر اثرات ۱۷۱
نظام القلوب کے مطالب
اور اہمیت ۱۷۳
ملفوظات و حالات ۱۷۵
وصال ۱۷۶
اولاد ۱۷۷
خلفاء ۱۷۸
خواجہ نور الدین ۱۷۹
خواجہ کامگار حسینی ۱۸۰

باب سوم:
حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ ۲۴۹-۱۸۳
ولادت ۱۸۵
سلسلہ نسب ۱۸۶
تعلیم ۱۸۷
بیعت ۱۸۹
لشکر میں ملازمت ۱۸۹
اورنگ آباد میں قیام ۱۹۰
دہلی کو روانگی ۱۹۱
پاک پٹن کا سفر ۱۹۳
درس و تدریس ۱۹۴
علمی ذوق ۱۹۷
تصانیف ۱۹۸
نظام اوقات ۲۰۱
لباس اور خوراک ۲۰۲
اخلاق ۲۰۳
صحبت کا اثر ۲۰۹
خاندان ولی اللہی اور
شاہ صاحبؒ ۲۱۱
اتباعِ سنت کی تلقین ۲۱۵

فہرست مضامین

سکھ اور شاہ صاحبؒ ۲۱۷
بادشاہ کو ہدایت ۲۱۸
شیعہ اور شاہ صاحبؒ ۲۲۰
امراء اور سلاطین سے تعلقات ۲۲۲
بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحبؒ ۲۲۵
اسلامی سوسائٹی کی اصلاح کی کوششیں ۲۲۷
نظام سلسلہ اور تبلیغی مساعی ۲۳۱
مرہٹوں کی عقیدت ۲۳۳
وفات ۲۳۴
اولاد ۲۳۶
میاں کالے صاحب ۲۳۸
غلام نظام الدین صاحبؒ ۲۴۰
خلفاء ۲۴۱
سید بدیع الدینؒ ۲۴۴
میر محمدی صاحبؒ ۲۴۴
مولانا ضیاء الدین صاحبؒ ۲۴۶
مولانا جمال الدین صاحبؒ ۲۴۷
مولانا حاجی لعل محمد صاحبؒ ۲۴۸
شاہ صادق علیؒ ۲۴۹

باب چہارم :
خواجہ نور محمد مہارویؒ ۲۵۱-۲۷۷
پیدائش اور خاندان ۲۵۲
ابتدائی تعلیم ۲۵۳
لاہور میں تحصیل علم ۲۵۵
دہلی میں آمد ۲۵۵
شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ۲۵۶
شاہ فخر صاحبؒ سے تحصیل علم ۲۵۷
بیعت ۲۵۸
پاک پٹن اور مہار میں قیام ۲۵۸
مہار میں قیام خانقاہ ۲۶۰
مریدوں کی اصلاح و تربیت ۲۶۳
مرشد کی نظر میں ۲۶۵
معاصرین کی نظر میں ۲۶۶
علالت اور وصال ۲۶۸
اولاد ۲۶۹
خلفاء و مریدین ۲۷۳
شیخ نور محمد نارووالہؒ ۲۷۳
حافظ غلام حسین ۲۷۷
نواب غازی الدین خاں ۲۷۷

فہرست مضامین

باب پنجم :
شاہ نیاز احمد صاحب بریلویؒ ۲۷۹-۲۹۳
ولادت اور ابتدائی حالات ۲۸۰
دہلی میں درس و تدریس ۲۸۱
مصحفی اور شاہ صاحبؒ ۲۸۱
بحیثیت شاعر ۲۸۲
وحدتِ وجود ۲۸۵
وحدتِ ادیان ۲۸۶
عشق حقیقی ۲۸۶
تبحر علمی اور تصانیف ۲۸۸
خلفاء و مریدین ۲۹۰
سجادہ نشین ۲۹۱
عزیز میاں صاحبؒ ۲۹۱
مسکین شاہ صاحبؒ ۲۹۲

باب ششم :
خواجہ محمد عاقلؒ ۲۹۵-۳۱۵
خاندان و نسب ۲۹۶
کوٹ مٹھن ۲۹۸
کوریجہ لقب ۲۹۹
تعلیم ۲۹۹
قیام مدارس ۳۰۰
خواجہ مہارویؒ کی خدمت میں ۳۰۰
شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں ۳۰۱
مجاہدات ۳۰۲
قید و بند کے مصائب ۳۰۳
مقبولیت ۳۰۴
فتوح اور لنگر ۳۰۵
اتباع سنت ۳۰۶
توزیعِ اوقات ۳۰۶
لباس و خوراک ۳۰۶
اخلاق ۳۰۷
اصلاح مریدین ۳۰۸
شاہانِ مغلیہ کی عقیدت ۳۰۸
وصال ۳۰۸
سجادہ نشین ۳۱۰
میاں احمد علی ۳۱۰
میاں خدا بخش ۳۱۰
میاں تاج محمود ۳۱۳
خلیفہ اکبر ۳۱۳
مولوی عبداللہ ۳۱۳

فہرست مضامین

مولوی محمد اعظم ۳۱۴
میاں شریف الدین ۳۱۴
مولوی گل حسن ۳۱۴
خواجہ گل محمد احمد پوری ۳۱۵

باب ہفتم :

حافظ محمد جمال ملتانیؒ ۳۱۷-۳۲۵
قبلۂ عالم کی خدمت میں ۳۱۸
علمی تبحر ۳۲۰
درس و تدریس ۳۲۰
اخلاق ۳۲۰
سکھوں سے مقابلہ ۳۲۱
اصلاح رسوم ۳۲۳
لباس ۳۲۴
ملفوظات ۳۲۴
وصال ۳۲۴
خلفاء ۳۲۵
مولوی خدا بخش ملتانیؒ ۳۲۵

باب ہشتم :

شاہ محمد سلیمان تونسویؒ ۳۲۷-۳۸۲
پنجاب میں شاہ محمد سلیمانؒ کا روحانی نظام ۳۲۷
پیدائش اور خاندان ۳۳۰
تعلیم و تربیت ۳۳۱
بیعت ۳۳۳
دہلی کا سفر ۳۳۳
والدہ کی تشویش ۳۳۴
مرشد سے عشق ۳۳۵
خلافت ۳۳۸
تونسہ میں قیام خانقاہ ۳۳۸
مدارس کا اجراء ۳۳۹
درس و تدریس ۳۴۱
علمی تبحر ۳۴۲
عسرت کی زندگی ۳۴۳
لنگر ۳۴۴
مقبولیت ۳۴۶
نظامِ اوقات ۳۴۷
تعلیم اخلاق ۳۴۸
ارکانِ اسلام کا تحفظ ۳۵۳
صوفیہ کی اصلاح ۳۵۵
علماء کو تنبیہ ۳۵۷
سماع ۳۵۹

NafseIslam

فہرست مضامین

اتباعِ شریعت کی تلقین ۳۶۳
متابعتِ رسول کی ہدایت ۳۶۳
مذہبی اور روحانی تعلیم ۳۶۴
عبادت ۳۶۵
توکل ۳۶۵
حبِ دنیا سے پرہیز ۳۶۶
حکومت سے متعلق نظریات ۳۶۶
غیر مسلموں سے تعلقات ۳۶۹
عیسائی اور شاہ صاحبؒ ۳۷۰
سرکاری ملازمت شاہ صاحبؒ کی نظر میں ۳۷۱
امراء سے بے تعلقی ۳۷۲
نواب بہاول خاں ۳۷۴
والیانِ ریاست ۳۷۶
شاہ شجاع ۳۷۷
امیر دوست محمد خاں ۳۷۸
وصال ۳۷۹
اولاد ۳۸۰
خلفاء ۳۸۰

باب نہم :

حافظ محمد علی خیرآبادیؒ ۴۰۰-۳۸۳
ولادت اور نسب ۳۸۳
ایامِ طفلی ۳۸۴
تعلیم ۳۸۴
مجاہدات ۳۸۴
بیعت ۳۸۵
پیرو مرشد سے عقیدت ۳۸۶
بری رسموں کو دور کرنے کی کوشش ۳۸۶
اخلاق ۳۸۸
اتباعِ سنت ۳۸۹
مریدوں کی تربیت ۳۹۰
تعویذ و عملیات سے اجتناب ۳۹۱
مثنوی مولانا روم ۳۹۱
درس و تدریس ۳۹۲
معاصرین کی نظر میں ۳۹۲
امراء سے اجتناب ۳۹۳
بہادر شاہ ظفر ۳۹۴
نواب بہاول خاں ۳۹۴
انگریزوں سے تنفر ۳۹۵
وحدتِ وجود ۳۹۵
سماع ۳۹۶

فہرست مضامین

ہندوؤں کو عقیدت ۳۹۶
واجد علی شاہ ۳۹۶
بہ حیثیت شاعر ۳۹۷
وصال ۳۹۷
خلفاء ۳۹۸
سجادہ نشین ۳۹۸

باب دہم:

حاجی نجم الدین صاحبؒ ۴۰۱–۴۱۶
ولادت ۴۰۱
تعلیم ۴۰۲
بیعت ۴۰۲
شیخاواٹی میں قیام ۴۰۴
اتباع سنت ۴۰۴
عشقِ حقیقی اور وحدتِ وجود ۴۰۵
تصانیف ۴۰۸
وصال ۴۱۱
اولاد ۴۱۱
خلفاء ۴۱۲
حکیم سید محمد حسن امروہویؒ ۴۱۳
مولانا محمد نصیر الدین صاحبؒ ۴۱۵
مولانا غلام سرور صاحب ۴۱۶

باب یازدہم:

خواجہ شمس الدین سیالویؒ ۴۱۷–۴۳۴
ولادت اور ابتدائی حالات ۴۱۷
خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں ۴۱۸
قیامِ خانقاہ ۴۲۰
اخلاق ۴۲۰
وصال ۴۲۰
اولاد ۴۲۱
خلفاء ۴۲۱
پیر سید غلام حیدر علی شاہؒ (جلالپور) ۴۲۳
پیر مہر علی شاہ (گولڑہ) ۴۲۸
خواجہ حسن نظامیؒ (دہلی) ۴۳۲
خانقاہ گولڑہ ۴۳۴

باب دوازدہم

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ ۴۳۵–۴۵۰
ولادت ۴۳۶
ابتدائی تعلیم و تربیت ۴۳۶
ہندوستان کا سفر ۴۳۷
تعمیر کا شوق ۴۳۷
اخلاق ۴۳۸

فہرست مضامین

اصلاحی کوششیں ۴۳۹
سفر حج ۴۳۹
وصال ۴۴۰
اولاد ۴۴۰
خلفاء ۴۴۱
خواجہ محمد اکبر بصیرپوری ۴۴۲
مولوی عبدالحق خیرآبادیؒ ۴۴۲
مولوی ارشاد علی امروہویؒ ۴۴۵
مولوی فرید احمد نظامی امروہوی ۴۴۷
فہرست ماخذ ۴۵۱
اشاریہ

عکسی تحریریں

(۱) آخری صفحہ قرآن پاک، کتابت کردہ شیخ نور اللہ والد حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ
(کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مقابل دیباچہ
(۲) آخری صفحہ "صور صوتی" بخط لطف اللہ مہندس پسر استاد احمدؒ "نادر العصر"
(کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مقابل صفحہ ۸۲
(۳) آخری صفحہ احسن الشمائل از قلم مصنف
(کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شیفتہ کلکشن) مقابل صفحہ ۱۷۶
(۴) مکتوب خواجہ اللہ بخش تونسویؒ بنام منشی ارشاد علی امروہویؒ مقابل صفحہ ۴۴۵
(۵) تحریر پیر حیدر علی شاہؒ مقابل صفحہ ۴۲۳
(۶) تاریخ وصال پیر حیدر علی شاہؒ از قلم علامہ اقبالؒ مقابل صفحہ ۴۲۷
(۷) تاریخ وصال پیر حیدر علی شاہؒ از قلم اکبر الہ آبادی مقابل صفحہ ۴۲۷

مقدمہ

ہندوستان اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں

(۱)

سیاسی پس منظر

اٹھارہویں صدی عیسوی، صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ تمام دنیا میں نہایت اہم سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ کچھ ملک غلامی کی زنجیریں توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی گردنوں میں غلامی کے طوق ڈالنے کی تیاری کی جارہی تھی۔ امریکہ کی جنگِ آزادی کامیاب طور پر لڑی جاچکی تھی۔ انقلابِ فرانس نے سارے یورپ میں آزادی کی تحریکوں کو اُبھار دیا تھا۔ پُرانا سیاسی اور سماجی نظام درہم برہم ہو رہا تھا، اور انگلستان کے مشہور شاعر ورڈسورتھ (WORDSWORTH) کو فرانس میں ایک نئی دُنیا جنم لیتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اسلامی ممالک کی حالت بالکل مختلف تھی۔ وہاں عام رجحان پستی اور تنزل کی جانب تھا۔ ایک طرف دولتِ عثمانیہ کا آفتابِ اقبال تیزی کے ساتھ گہن میں آرہا تھا، دوسری طرف ایران میں انتشار و ابتری کا دور دورہ تھا۔ اِدھر سلطنتِ مغلیہ دم توڑ رہی تھی۔ نئی نئی قوتیں اُبھر کر سیاسی فضا کو مکدر کر رہی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانو

کی سیاست اور سماج کی ساری بنیادیں ہمیشہ کے لئے ہل جائیں گی۔

۳ مارچ ۱۷۰۷ء کو اورنگ زیب نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ تقریباً نصف صدی تک وہ ہندوستان کے سیاسی حالات کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ آخری وقت میں اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ وہ صلح اور خوش دلی کے ساتھ سلطنت کو تین حصّوں میں تقسیم کر لیں۔ یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعے اور اپنے بیٹوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی۔ عالمگیر کی دُور بیں نگاہوں نے اُن طاقتوں کو اُبھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جن کا استیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا۔ لیکن اس کے تنگ نظر اور خود غرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہو کر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کی جا سکتی تھی، آپس میں لڑ کر ختم ہو گئی۔

۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء تک اگر ایک طرف جنگِ تخت نشینی نے سیاسی نظام کو متزلزل رکھا۔ تو دوسری طرف بادشاہوں کی کوتاہ اندیشی، عیش پرستی اور بے عملی نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا ملک کے گوشہ گوشہ میں باغیانہ قوتیں کام کرنے لگیں اور ہر طرف لُوٹ مار، قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ ان حالات میں کچھ بوریہ نشینوں نے بادشاہ کو اس کے گہوارۂ عشرت میں بیدار کرنے کی کوشش کی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے بادشاہ، وزیر اور امراء کے نام دس کلمات کا ایک اعلان جاری کیا:

"آنکہ بادشاہ اسلام و امراء کبار بہ عیش حرام مشغول نشوند، از گذشتہ توبۂ نصوح بجا آرند و آئندہ اجتناب نمایند۔"[1]

"یہ کہ بادشاہ اسلام اور امرائے عظام ناجائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں۔"

شاہ فخر الدین دہلوی ؒ نے بادشاہ کو ہدایت کی ——

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات (دوسرا ایڈیشن) ص ۵

"پس اول مقدم این است کہ آں صاحب بذات خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند"[1]

"سب سے مقدم یہ ہے کہ جناب والا خود بذات خاص محنت کشی اور ملک گیری پر کمر باندھیں۔"

لیکن "مے و رامش و رنگ و بو" کی اس دنیا میں مدرسوں اور خانقاہوں کی یہ آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ زوال و انحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی۔ مرکزی حکومت کا ڈھانچہ بے جان ہو کر گرنے لگا۔ صوبائی گورنروں، جاگیرداروں، امراء اور حکام نے سیاسی بدنظمی سے فائدہ اُٹھا کر اپنی طاقت بڑھانی شروع کر دی اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل و قندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا، سمٹ کر قلعہ معلی کی چار دیواری میں آ گئی۔

زماں رواؤں کی غفلت اور عیش پسندی سے سب سے پہلے اُمراء نے فائدہ اُٹھایا اور اپنے مقاصد کے حصُول کے لئے بیرونی طاقتوں سے ساز باز شروع کر دیا۔ اس طرح سماج اور سیاست کا ہر ہر گوشہ ان کی شاطرانہ چالوں سے متاثر ہونے لگا۔ نفاق اور گروہ بندی کے مسموم اثرات محلات سے نکل کر جھونپڑوں تک پہنچتے تھے، اور سماجی زندگی کی تلخیوں میں اضافہ کرتے تھے۔ دربار میں دو مستقل پارٹیاں (ایرانی اور تورانی) تھیں۔ ہندوستان کی سیاست ان ہی دو پارٹیوں کے گرد گھومتی تھی۔ تاریخ احمد شاہی کے مصنف نے ان حالات میں لکھا تھا:

"یہ تمام فتنہ و فساد، ایرانی اور تورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے"[2]

سیاسی حالات کا اتار چڑھاؤ ان ہی امراء کی ابروئے چشم کے تابع تھا۔ سر جادو ناتھ سرکار کا خیال ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور کی تاریخ صرف ان ہی دو پارٹیوں کی نبرد آزمائی کا نام ہے[3]

[1] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۳۶-۳۵؛ مطبوعہ ص ۱۸؛

[2] Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 439

[3] Ibid, Vol. I p. 13

مرکز کو کمزور پاکر صوبائی حکومتوں کا خود مختاری کی طرف مائل ہو جانا ناگزیر تھا۔

چنانچہ سعادت علی خاں نے اودھ میں، علی وردی خاں نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ کا سیاسی اقتدار اور اقتصادی ذرائع ختم ہو گئے۔[1]

جو علاقہ براہ راست شاہانِ مغلیہ کے قبضہ میں تھا وہاں جاگیرداری اور اجارہ داری کی رسمیں جاری تھیں اور ان کے مذموم اثرات کاشت کار سے لے کر حکومتِ وقت تک کے لئے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ بڑے جاگیردار ایک طرف حکومت کے ٹیکس ادا کرنے سے گریز کرتے تھے، دوسری طرف غریب کاشت کاروں کا خون چوستے تھے۔ اُن کا وجود حکومت کے لئے پریشان کن اور کاشت کاروں کے لئے ایک بلائے آسمانی کی مانند تھا۔ چھوٹے چھوٹے منصب داروں کی حالت مختلف تھی۔ انھیں کوئی لگان دینے پر ہی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ مرکزی حکومت نے اپنا کام آسان کرنے کے لئے سارا ملک جاگیرداروں میں بانٹ رکھا تھا۔ جو علاقہ باقی رہ گیا تھا وہاں اجارہ داری کی رسم جاری کردی تھی۔ ان حالات میں ہر طبقہ پریشان اور اقتصادی بدحالی میں مبتلا تھا۔ بادشاہ کے ایک لاکھ ملازمین تھے۔ جن میں سے کچھ اہلِ نقدی تھے اور کچھ اہلِ جاگیر۔ دونوں کی حالت بقول شاہ ولی اللہ "کاسہ گدائی در دست گرفتہ"[2] کی تھی۔

ان حالات میں ناگزیر تھا کہ ملک کے وہ تمام عناصر جو تھوڑی سی بھی قوت جمع کرسکتے ہوں، قسمت آزمائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ سکھ، مرہٹے، روہیلے، جاٹ سب نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا اور حالات اس درجہ بگڑ گئے کہ امن و سکون ملک سے مستقل طور پر رخصت ہو گیا۔ فتنہ و فساد، منافرت و عداوت، لوٹ مار اور غارت گری نے سماجی زندگی کی ہر اچھی

[1] اٹھارہویں صدی کے سیاسی حالات، بالخصوص عہد محمد شاہ کے جائزے کے لئے پروفیسر ظہیر الدین ملک کی کتاب The Reign of Muhammad Shah کا مطالعہ کرنا چاہیئے

[2] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۱۱

روایت کو نیست و نابود کردیا۔

سیاسی انتشار، اخلاقی زبوں حالی اور معاشی بحران کے اس دور میں ایک بیرونی طاقت نے اپنے پنجے جمانے شروع کئے اور رفتہ رفتہ پورے ملک پر قبضہ کرلیا۔ اس غیر ملکی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ کوششیں بھی کی گئیں لیکن اس بیرونی طاقت کے پیچھے یورپ کا صنعتی انقلاب تھا، اور شہنشاہیت کا بے پناہ خمار۔ یہ کوششیں فوری طور پر بار آور نہ ہو سکیں اور کچھ عرصہ کے لئے ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

جن مشایخ کے حالات یہاں پیش کئے جارہے ہیں وہ اسی ماحول میں پیدا ہوئے تھے اور ان ہی حالات گردوپیش میں ان کو کام کرنا پڑا تھا۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اس دور کی بعض اہم سیاسی تحریکوں کا جائزہ لے کر ہم آگے بڑھیں۔

سکھ

پندرہویں صدی کے مذہبی رہنماؤں میں گرونانک (۱۴۶۹-۱۵۳۸ء) کی شخصیت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وہ بڑے وسیع مشرب انسان تھے۔ وحدانیت، اخلاقی زندگی اور سماجی مساوات پر اُن کا ایمان تھا۔ مسلمان بزرگوں اور صوفیہ سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے سجادہ نشینوں کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔[1] ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا ہے:

"بابا نانک انسانی دل کو سیاسی آزادی نہیں بلکہ رُوحانی آزادی دلانا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد تھا کہ اُن کے پیرو، خود غرضی، مذہبی تعصب اور رُوحانی جمود سے آزاد ہوں"۔[2]

جب تک سکھوں کی تحریک خالصتاً مذہبی رہی، مسلمان بادشاہوں نے اس کے رہنماؤں کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا، لیکن جب اُس نے سیاسی رنگ اختیار کرلیا تو مغل بادشاہوں کے تعلقات کی نوعیت بھی بدل گئی۔ مشہور ہے کہ جب بابر ہندوستان آیا تو گرونانک کی

[1] Irvine, Later Mughals, Vol. I. p. 74

[2] Modern Review, April 1911.

خدمت میں بڑی عقیدت سے حاضر ہوا۔ گرونانک نے اسے ہندوستان کی فتح اور سات پشتوں تک اس کی نسل کی حکمرانی کی دعا دی۔[1] اکبر نے گروجی امرداس اور دوسرے سکھ اکابر کی بڑی عزت کی۔ گروارجن کے متعلق تو یہاں تک مشہور ہو گیا تھا کہ اُن کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ شہنشاہ تک اُن کے آگے جھکتا ہے۔[2] جب اکبر چتوڑ پر حملہ آور ہوا تو بھگوان داس کو گرو امرداس کے پاس دعا کے لئے بھیجا۔[3] کہتے ہیں کہ اکبر نے خود حاضر ہو کر اُن سے بارہ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔[4] گر نتھ پر ۵۱ اشرفیاں چڑھائی تھیں۔ گروارجن کی سفارش پر پنجاب کا ایک سال کا لگان معاف کر دیا تھا۔[5] امرتسر جس کا قدیم نام گروچاک ہے،[6] اکبر ہی نے سکھوں کو دیا تھا۔[7] سر جیمس ڈووئی Sir James Douie نے لکھا ہے کہ سکھوں کے ساتھ اکبر کے اس اچھے برتاؤ کا ایک سبب یہ تھا کہ اکبر کے آزادانہ مذہبی افکار بہت حد تک ان گروؤں کے اصولوں سے ہم آہنگ تھے۔[8]

مغل بادشاہوں کے یہ تعلقات اس وقت تک رہے جب تک سکھوں کے رہنماؤں نے سیاست میں مداخلت نہیں کی۔ جوں ہی اس تحریک نے رنگ بدلا، شاہانِ مغلیہ کے رویہ میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ مسلمان بادشاہوں کی مخالفت کا سبب کوئی مذہبی عناد نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ کلیتاً سیاسی تھی۔[9] گروارجن نے ایک سیاسی نظام تیار کیا، اور امرتسر کو عسکری مرکز

---

[1] شمشیر خالصہ، گیانی سنگھ گیانی و بابو راجندر سنگھ

[2] Macauliffe, III p. 28

[3] تاریخ ہند، مولوی ذکاء اللہ، جلد ۹ ص ۴۹

[4] 〃 〃 ص ۴۹

[5] 〃 〃 جلد ۹ ص ۵۲

[6] چاک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ گروچاک کے معنی ہوئے وہ ٹکڑا جو گرو کو پیش کیا جائے۔

[7] The Punjab, p. 175.

[8] Sarkar, History of Aurangzeb, Vol III p. 305

بنا کر کابل سے ڈھاکہ تک جہاں جہاں سکھ بستے تھے اُن سے محصول لینا شروع کر دیا۔ اس طرح بقول ڈاکٹر تاراچند ایک مذہبی برادری، ایک حکمراں طبقہ میں تبدیل ہو گئی۔[1] ظاہری مال و اسباب کی فراوانی کا یہ حال ہو گیا کہ کہا جانے لگا کہ دنیا کی دولت گرونانک سے بارہ کوس کے فاصلہ پر تھی۔ گرو وانگد سے ۶ کوس پر، گرو امرداس کے دروازہ پر، گرو رام داس کے قدموں میں اور گروارجن کے گھر میں۔[2]

مغل بادشاہوں میں سکھوں کا سب سے پہلا جھگڑا جہانگیر سے ہوا۔ گروارجن نے شہزادہ خسرو کو جس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی، پناہ دی۔ جہانگیر نے اس بات پر گرو کو دربار میں بلایا اور جرمانہ کیا۔ جب انھوں نے جرمانہ کی ادائگی سے انکار کیا تو ان کو سزا دی گئی۔ ڈاکٹر بینی پرشاد کا خیال ہے کہ سزا صرف سیاسی اسباب کی بنا پر دی گئی تھی۔ اگر گروارجن ایک باغی شہزادے کی مدد نہ کرتے تو وہ بلا کسی ضرر اور پورے اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے تھے۔[3] سر جادوناتھ سرکار کی بھی یہی رائے ہے کہ اس قتل میں کوئی مذہبی جذبہ شامل نہ تھا۔ یہ سزا وہی تھی جو معمولاً سیاسی مجرموں کو دی جاتی تھی۔[4] لیکن حقیقت یہ ہے کہ گروارجن کی نیت کسی باغی کو مدد دینے کی نہ تھی بلکہ انسانی ہمدردی کے جذبے سے مجبور ہو کر انھوں نے شہزادہ کو پناہ دی تھی۔ جہانگیر کے غیر دانشمندانہ عمل نے شاہانِ مغلیہ اور سکھوں کے درمیان منافرت کا بیج بو دیا۔ اس کے بعد جب گرو ہرگوبند سنگھ (۱۶۰۶ء-۱۶۴۵ء) نے سکھوں کی تنظیم بالکل سیاسی نہج پر شروع کر دی تو حکومت سے ان کا تصادم بھی یقینی ہو

---

[1] History of the Indian People, p. 269.

نیز ملاحظہ ہو اردو: ج ۱ ص ۶؛

[2] تاریخ ہند، مولوی ذکاء اللہ، جلد ۹ ص ۵۰؛

[3] History of Jahangir, p. 130

[4] تاریخ اورنگ زیب، جلد سوم ص ۳۰۸ (انگریزی)

گیا۔[1] ڈاکٹر سنہا نے گرو گوبند کو سکھ عسکریت کا بانی بتایا ہے۔[2]

گرو ہر رائے (۱۶۶۱ - ۱۶۴۵ء) نے جنگ تخت نشینی کے زمانہ میں داراشکوہ کو مدد دی[3] اور اورنگ زیب سے اُن کے تعلقات خراب ہوگئے۔ پھر تیغ بہادر (۱۶۷۵ - ۱۶۶۴ء) نے کشمیر کے ہندوؤں کو بغاوت پر آمادہ کیا تو اورنگ زیب نے ان کو قتل کرادیا۔[4] گرو گوبند سنگھ (۱۷۰۸ - ۱۶۷۵ء) سے بھی اس کے تعلقات خراب رہے۔ ۱۶۹۶ء میں جب بادشاہ جامع مسجد سے نکل رہا تھا تو ایک سکھ نے بادشاہ پر اینٹیں پھینکیں۔[5] اب سکھوں کی دشمنی صرف بادشاہوں تک ہی محدود نہ رہی، عام مسلمانوں سے بھی مخالفت شروع ہوگئی، سکھ رہنماؤں نے حکم دیا کہ کوئی سکھ مسلمان بزرگوں کی قبروں پر نہ جائے، اگر جائے گا تو اسے ۱۲۵ روپے جرمانہ کیا جائے گا۔[6]

اورنگ زیب نے جب اُن کے سیاسی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور سلطنت مغلیہ سے اُن کی دشمنی کا پورا یقین ہوگیا تو ان کے استیصال کی کوششیں شروع کردیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اجتماعی وحدت کا خاتمہ ہوگیا، نہ ان کا ایک مرکز رہا، نہ ایک رہنما۔ ان کی طاقت منتشر ہوگئی۔ سر جادوناتھ سرکار کا خیال ہے کہ اگر اورنگ زیب کے جانشین لائق ہوتے تو سکھوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو دھنو کی وانک اور تانیتہ ٹوپے کا برطانوی عہد میں ہوا تھا۔[7]

---

١ Douie, The Punjab p. 175.
ایک پیرانہ سال سکھ بھائی بدھا نے جب اُن کی سیاسی سرگرمیوں پر ان کو تنبیہہ کی تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے روحانی اور مادی دونوں تلواریں دی گئی ہیں۔
ملاحظہ ہو Macauliffe, Vol. IV p. 4, 5, 53.

٢ N. K. Sinha, Ranjit Singh, p. 175

٣ اروِن جلد اول۔ ص ۷۷ (انگریزی) ٤ تاریخ اورنگ زیب۔ سر جادوناتھ سرکار جلد سوم ص ۳۱۶

٥ مآثر عالمگیری۔ ص ۱۵۴ ٦ تاریخ اورنگ زیب۔ جلد سوم ص ۳۱۶

٧ تاریخ اورنگ زیب۔ جلد سوم ص ۳۲۰

اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں نے ان کے حوصلے اور بڑھا دیئے اور ان کی چیرہ دستیاں اس حد تک پہنچ گئیں کہ

"زنہائے حاملہ را شکم دریدہ و جنین را کشیدہ می کشتند"[1]

باندا کے مظالم سے تمام شمالی ہندوستان گھبرا اٹھا۔ ۱۷۱۰ء میں جب سرہند پر سکھوں کا حملہ ہوا تو بہت سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے گھروں میں بھیس بدل کر پناہ لی۔[2] ان کے مظالم زندوں تک محدود نہ رہے۔ شاہ قمیص قادری کا مزار خود ان کی اولاد سے جبراً کھدوایا گیا۔[3] عورتیں سکھوں کے ڈر سے کنوؤں میں ڈوب کر مر گئیں۔[4] بعض لوگوں نے قتل و غارت گری کے اس ہنگامہ میں اپنے نام تک بدل دیئے۔[5]

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طاقت اور ہمت میں اضافہ ہوگیا۔ ۱۷۳۹ء سے ۱۷۶۵ء تک متعدد بیرونی حملوں کی وجہ سے حالات اور بد سے بدتر ہوگئے اور سکھوں کو ہنگامہ آرائی کا موقع مل گیا۔ انھوں نے ۱۷۶۴ء میں لاہور پر قبضہ کیا اور پھر جہلم سے جمنا تک اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ ۱۷۶۵ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان ان کا اقتدار اور بڑھا۔ اٹک سے کرنال تک اور ملتان سے جموں تک سارا علاقہ اُن کے قبضہ میں آگیا۔ اور انھوں نے دوآب اور روہیل کھنڈ پر بھی حملے کرنے شروع کردیئے۔ انیسویں صدی کے شروع میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں اپنا اقتدار قائم کیا تو سکھوں کی طاقت اپنے پورے عروج پر پہنچ گئی۔

ایک روسی مصنف ای۔ایم۔ ریسنر (E. M. REISNER) نے اس خیال کا

---

١ سیر المتاخرین۔ ص ۴۰۲

٢ Irvine, Later Mughals, Vol. I p. 96

٣ مراۃ واردات۔ محمد شفیع وارد بحوالہ اروِن جلد اول۔ ص ۹۰

٤ اروِن جلد اول، ص ۱۰۱؛ تاریخ ہند (مولوی ذکاء اللہ) جلد ۹ ص ۶

٥ دستور الانشاء، یار محمد۔ ص ۸

اظہار کیا ہے کہ اٹھارہویں صدی میں سکھوں کی تحریک بہت ترقی پسند تھی اس لئے کہ وہ (ANTI-FEUDAL) تھے[1] لیکن اٹھارہویں صدی کی تاریخ اس خیال کی تائید نہیں کرتی۔ اٹھارہویں صدی میں سکھوں نے جو حالات پیدا کر دیئے تھے ان سے عوام کی پریشانیوں میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ ایک کل ہند سیاسی نظام قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

اٹھارہویں صدی کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ سکھوں کے حملوں کی وجہ سے لوگ کس قدر پریشان رہتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے چچا کو لکھتے ہیں:

ایام برد اتت فالقلب منجزع ـــــ من قوم سکھ دان الخوف معقول

سردیوں کا موسم آ گیا اور دل پریشان ہے ـــــ سکھ قوم سے، اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے

مرہٹے

اورنگ زیب نے اپنی زندگی کے آخری ۲۶ سال دکن میں مرہٹوں سے جنگ کرنے میں صرف کئے تھے۔ ۲۵ نومبر ۱۶۸۱ء کو وہ برہان پور پہنچا تھا۔ اس کے بعد "ختم سفر" ۳ مارچ ۱۷۰۷ء تک وہ مرہٹوں سے نبرد آزما رہا۔ جغرافیائی حالات کی بنا پر مرہٹوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ناممکن ہو گیا تھا۔ لیکن تمام مشکلات کے باوجود اس نے مرہٹوں کے متحدہ مرکز اور اجتماعی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی اجتماعی طاقت کے منتشر ہونے کے بعد اورنگ زیب کو ایک جنگ کے بجائے مختلف مقامات پر ان کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس طرح اس کا کام اور زیادہ مشکل ہو گیا، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر چند سال اورنگ زیب کے جانشین پوری طرح جدوجہد کرتے تو مرہٹوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہو جاتا۔

اورنگ زیب کے مرنے کے بعد مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ دکن اور گجرات کی صوبہ داری پر امراء آپس میں جھگڑتے تھے اور مرہٹوں کی طاقت بڑھتی تھی۔[2]

---

۱ *Medieval India Quarterly, October 1950, p. 71.*

۲ *Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 67.*

جب مرہٹوں کا طوفان شمال کی جانب امنڈ تا تھا تو اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے حکومت کی طرف سے ان کو مراعات دی جاتی تھیں، تاکہ وقتی طور پر وہ طوفان رک جائے۔ ان مراعات نے مرہٹوں کی ہمت میں اضافہ کر دیا۔ جب فرخ سیر اور سید برادران میں کشمکش ہو رہی تھی تو سید حسین علی نے دکن میں مرہٹوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بنانے کی نیت سے بالاجی وشوا ناتھ کو تمام دکن سے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا حق دے دیا۔[1] بادشاہ نے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو حسین علی فروری ۱۷۱۹ء میں مرہٹوں کی فوج کے ساتھ دہلی پر حملہ آور ہوا! ـــــ یہ واقعہ گو اس ماحول میں جو اورنگ زیب کے بعد پیدا ہو گیا تھا، تعجب خیز نہ تھا، لیکن جس دن حسین علی مرہٹوں کو اپنا مددگار بنا کر مغلوں کے دارالسلطنت میں لایا تھا، اسی دن مغلیہ سلطنت کے اقبال کا جنازہ اٹھ گیا تھا! ڈاکٹر سنہا نے لکھا ہے کہ مرہٹوں کا اس وقت دہلی آنا ان کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا۔ وہ اس وقت ملازمین کی حیثیت سے نہیں بلکہ مددگار کی حیثیت سے آئے تھے۔[2]

بالاجی وشوا ناتھ کے بعد اس کے بیٹے باجی راؤ (۱۷۲۰–۱۷۴۰ء) نے مالوہ اور گجرات سے خراج وصول کیا اور بندھیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۳۳ء میں مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ گوالیار سے اجمیر تک ۲۲۰ میل کے علاقے میں پھیل گئے تھے۔ راجہ جے سنگھ جو دہلی دروازہ سے نربدا کے کنارے تک کا حاکم تھا، باوجود تیس ہزار فوج رکھنے کے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ خود محمد شاہ کا حال یہ تھا کہ مرہٹوں کے حملے کی خبر سن کر جے سنگھ کو بیس تیس لاکھ روپیہ دے کر مرہٹوں سے صلح خریدنے کے لئے بھیج دیتا تھا۔ بادشاہ کی ان حرکتوں سے مرہٹوں کو سلطنتِ مغلیہ کی کمزوری کا خوب اندازہ ہو گیا اور ان کی دست درازیاں بڑھنے لگیں۔ بے حس

---

۱ *Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 67.*

۲ *H. N. Sinha, Rise of the Peshwas.*

اور خود غرض امراء کا یہ حال تھا کہ جب گجرات یا مالوہ پر مرہٹوں کے حملہ کی خبر بادشاہ کو پہنچتی تو اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے شکار پر لے جاتے تھے[1] ۱۷۳۶ء میں مرہٹے دہلی پر حملہ آور ہوئے تو مغل بادشاہ نے دریا میں کشتیاں ڈلوا دیں تاکہ محل شاہی کی دیڑھی سے نکل کر بھاگنے میں سہولت ہو[2] طارق کی روح نے پکار پکار کر کہا کہ اس کارزارِ ہستی میں عمل سے زندگی بنتی ہے۔ لیکن ہنگامہ ہائے عیش و نشاط میں خلل انداز ہونے والی یہ صدائیں کون سنتا تھا!

بادشاہوں کی کمزوری اور امراء کی خود غرضی[3] کے باعث مرہٹوں کو قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا موقع مل گیا۔ اُن کے مظالم نے شاہ ولی اللہ دہلوی رح[4]، مرزا مظہر جان جاناں رح[5] شاہ عبدالعزیز رح[6]، سلیم اللہ، گنگا رام[7]، وینشور ودیا لنکر[8] اور بہت سے پرتگالیوں کے دل ہلا دیئے۔ بنگال کے مشہور شاعر گنگا رام نے لکھا ہے[9]

"برگیوں (مرہٹوں) نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا ...... کچھ لوگوں کے انھوں نے ہاتھ، ناک اور کان کاٹ لئے۔ خوب صورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھ کر لے گئے۔ جب ایک بارگی زنا کر چکتا تھا تو دوسرا کرتا تھا۔ عورتیں

---

[1] اردن۔ جلد دوم۔ ص ۲۷۸

[2] اردن۔ جلد دوم۔ ص ۲۹۱

[3] اورنگ زیب تک کو ان امراء نے آخری عمر میں پریشان کیا تھا، سیر المتاخرین میں لکھا ہے:
"اما از تہاون بعض امراء رکاب کہ برائے اغراض خود انفصال ہنگامہ مرہٹہ نمی خواستند، استیصال مرہٹہ صورت نہ گرفت"۔ ص ۹۲۳

[4] "شاہ ولی اللہ دہلوی رح کے سیاسی مکتوبات"۔ ص ۸-۷

[5] کلمات طیبات۔ ۵۸

[6] دیکھئے شاہ صاحب کے عربی منظوم خط بنام شاہ اہل اللہ رح وغیرہ۔

[7-9] Sarkar, Fall of the Mughal Empire, Vol I
pp 26-28

چیخیں مارتی تھیں ...... انھوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لُوٹ مار کرتے ہوئے گھومے"۔

وینشور ودیا لنکر کا بیان ہے کہ شاہو راجہ کی فوجیں، حاملہ عورتوں، بچوں، برہمنوں اور غریبوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرتی تھیں۔ وہ ہر طرح کے گناہ کا ارتکاب کرتے تھے اور جدھر سے گذر جاتے ایک قیامت برپا ہو جاتی تھی۔

ان حالات میں لوگوں کو اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔[1] شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے مجبور ہو کر احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آ کر مرہٹوں کے تسلط سے نجات دلائے۔[2] احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا اور پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی طاقت سے ٹکرایا۔ اس جنگ نے مرہٹوں کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا اور بقول سرکار، مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں صفِ ماتم نہ بچھ گئی ہو۔ دس سال تک مرہٹوں نے شمال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کے بعد دو تین بار انھوں نے اپنی طاقت کو مجتمع کر کے شمالی ہندوستان پر تسلط جمانے کی کوشش کی اور اس میں کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے مقابلہ میں اُن کو کوئی مستقل کامیابی حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔

اس دور کے بیشتر مصنفین نے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، دلی میں رہتے ہوں یا ہندوستان کے کسی اور علاقے میں، ان ہنگاموں پر اپنی تکلیف اور بے چینی کا اظہار کیا ہے۔
آنند رام مخلص نے شاعرانہ انداز میں بات کہی ہے ؎

بر دلِ ما تیرہ روزاں زاں صفِ مژگاں گذشت
آنچہ از فوجِ دکن بر مُلکِ ہندستاں گذشت
در چمن بر برگِ گلہا نگذرد صبح از نسیم
بر گریباں آنچہ از دستِ شبِ ہجراں گذشت

(تصانیف آنند رام مخلص، قلمی نسخہ انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ)

[1,2] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ (دوسرا ایڈیشن) ص ۱۷-۶

جاٹ اورنگ زیب کے آخری عہد میں جاٹوں کو عروج حاصل ہوا۔ انھوں نے دہلی اور آگرہ کے گرد و نواح میں اپنی گڑھیاں بنائیں اور تمام علاقہ میں لوٹ مار شروع کردی۔ حد یہ ہے کہ اکبر کے مقبرے میں سے اس کی ہڈیوں کو نکال کر جلایا۔[1] یہ برتاؤ اس اکبر کے ساتھ تھا جس نے بندرہ بن اور متھرا میں جگل کشور، گوپی ناتھ، گوبند دیو وغیرہ مندر اپنے صرفہ سے جاٹوں کے لئے بنوائے تھے۔[2]

جاٹوں کی گڑھیاں، دارالسلطنت سے اتنی قریب تھیں کہ حکومت کو ان سے مستقل خطرہ رہتا تھا۔ مغل فوجوں کی آمد و رفت اکثر اسی علاقے سے ہوتی تھی اور ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بقول سرکار "دہلی اور آگرہ کی سڑک پر ایسا کانٹا برداشت نہیں کیا جاسکتا تھی"۔[3]

جاٹوں کے مظالم سے دہلی اور اردگرد کے باشندے سخت پریشان ہوگئے تھے ــــ ہرچرن داس، مصنف چہار گلشن شجاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ "جب جاٹوں نے لوٹ مار شروع کی تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ دربدر، گلی بہ گلی مارے پھرتے تھے، بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو۔ پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا"۔[4] شاہ

---

[1] وقائع عالم گیری۔ چودھری نبی احمد سندیلوی۔ ص ۹۵۔ ۹۶

Smith: Akbar, the Great Moghul p. 328 f.n.

Mannucci, Vol. II, p. 320

Sarkar. Aurangzeb, Vol. V p. 299

[3] Smith pp. 445-446

[4] Sarkar, Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 369

[5] قلمی نسخہ 410/b

ولی اللہ دہلویؒ اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مکتوبات سے دہلی کے باشندوں کی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب ایک خط میں حافظ جار اللہ رہ کو لکھتے ہیں:

وقد وقعت بالدهلی داهیة	دہلی میں ایک حادثہ عظیم واقع ہوا۔
عظیمة فنهب الکفار من قوم	قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا
جت البلدة القدیمة من	اور حکومت اس فساد و شرارت کو
الدهلی وعجزت الدولة عن	دفع کرنے سے عاجز رہی۔ انھوں
دفعهم فنهبت الاموال انتهکت	نے مال لوٹے، عزت و ناموس کو
وحرقت البیوت وکانت الواقعة	برباد کیا اور مکانات کو آگ لگائی
فی اوائل رجب سنة ۱۱۶۱ھ واستمر	اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب
الی اواخر شعبان[1]	۱۱۶۱ھ میں ہوا اور آخر شعبان
	تک باقی رہا۔

روہیلے سترہویں صدی میں افغانوں کے کچھ جتھے ہندوستان آکر مختلف مقامات پر بس گئے۔ بریلی، شاہ جہاں پور، فرخ آباد میں خاص طور سے اُن کی نوآبادیات قائم ہوئیں۔ فرخ آباد کے افغانوں نے محمد خان بنگش کی قیادت میں بڑا عروج حاصل کیا۔ بریلی کے افغان قبائل روہیلوں کے نام سے مشہور ہوئے اور انھوں نے اتنی تیزی کے ساتھ تنظیم کی کہ اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں اپنے لئے ایک جگہ پیدا کرلی۔

اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی طبقہ اگر عیش و عشرت کی زندگی سے محفوظ تھا تو وہ صرف روہیلے تھے۔ ان میں عسکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ وہ مہلک امراض جنھوں نے سلطنتِ مغلیہ کے جسم کو کھوکھلا کردیا تھا ان کو چھو کر بھی نہ گزرے تھے۔ حکمران کی حیثیت سے بھی اُن کی شان امتیازی تھی۔ سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں وہ مرہٹوں کے بالکل برعکس تھے۔ مرہٹے

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی رہ کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۳،۲

چوتھ وصول کرنے کے بعد کبھی یہ نہ سوچتے تھے کہ ان علاقوں کی نگہداشت کی اخلاقی ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے یا نہیں[1]۔ روہیلوں نے جن علاقوں پر حکومت کی، اُن کے باشندوں کو اپنی انصاف پسندی سے فتح کر لیا۔ جارج فارسٹر ۱۷۸۳ء میں روہیلوں کے علاقہ سے گذرا تو اُن کے نظامِ حکومت سے بڑا متاثر ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ روہیلوں کے نام کی بھی اس علاقہ میں عزت کی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں فارغ البالی اور خوشحالی پھیلا دی ہے۔ گاؤں سرسبز و شاداب ہیں اور ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہے[2]۔

روہیلوں میں مذہبی جذبہ بدرجۂ اتم تھا[3]۔ لیکن مذہبی تعصب نام کو نہ تھا۔ اکثر روہیلے مرزا مظہر جانِ جاناں[4] کے مرید تھے اور اُن سے بڑی عقیدت رکھتے تھے[5]۔ شاہ ولی اللہؒ کے نجیب الدولہ سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ شاہ صاحبؒ اس کو رئیس الغزاۃ اور راس المجاہدین کے لقب سے پکارتے تھے[6]۔ روہیلوں نے ہندو دیوان کثرت سے ملازم رکھے تھے۔ نجیب الدولہ ہندوؤں کے تہواروں کے موقعوں پر اُن کا خاص طور پر خیال رکھتا تھا[7]۔

---

[1] Fall of the Mughal Empire, Vol. I p. 56.

[2] George Forster: A Journey from Bengal to England, Vol. I pp 98-99.

[3] ملاحظہ ہوں، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات بنام نجیب الدولہ ص ۲۸ - ۱۹؛
شاہ عبدالعزیزؒ کا بیان ہے: "نزدِ نجیب الدولہ ؒ صد عالم بود، ادنیٰ پنج روپیہ و اعلیٰ پان صد"۔ ملفوظات (۱۳۱۴ھ ایڈیشن) ص ۸۱؛

[4] ملاحظہ ہو کلمات طیبات۔ ص ۶۶، ۶۸ وغیرہ۔

[5] شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۱۹، ۲۰، ۲۱ وغیرہ

[6] Sarkar, Fall of the Mughal Empire, Vol. II pp. 304-305

لیکن آخری دور میں غلام قادر روہیلہ نے مغل بادشاہ کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے سلطنتِ مغلیہ کی رہی سہی عزت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس نے شاہ عالم کی آنکھیں نوکِ خنجر سے نکالیں اور مغل شہزادیوں کو بر سرِ عام رُسوا کیا۔ شاہ عالم نے ایک پُر درد مرثیہ میں لکھا تھا ؎

داد افغان بچہ شوکتِ شاہی بر باد
کیست جز ذاتِ مرہٹہ کہ کند یاری ما

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات نے مرہٹوں کی مدد طلب کرنے پر کس طرح مجبور کر دیا تھا!

بیرونی حملے | اٹھارہویں صدی میں ہندوستان پر متعدد بیرونی حملے ہوئے۔ ان حملوں نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کو بدتر کر دیا اور باغیانہ قوتیں ہر طرف اُبھر آئیں۔

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ شمالی ہند کے باشندوں کو عموماً اور دہلی کے باشندوں کو خصوصاً جن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اس کا اندازہ اس زمانے کے لٹریچر سے کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں میں خوف و ہراس، قنوطیت اور پست ہمتی کا یہ حال ہو گیا کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہو گئے۔ مغلوں کے خلاف ملک میں جتنی طاقتیں تھیں ان کو اپنی قوت اور ذرائع بڑھانے کا موقع مل گیا، سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں نے پورے اعتماد کے ساتھ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کی دلی پر حملے شروع کر دیئے۔ شاہانِ مغلیہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ بے حساب دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ اقتصادی طمانیت ختم ہو گئی۔ اور بقول شاکر خاں اس حملے کے بعد "ہیچ رونق در سلطنت نماند"۔[1]

پھر ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر نو حملے کئے۔ ان حملوں

---

[1] تاریخ شاکر خانی۔ ص ۴۰؛

کی تفصیل "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" میں بیان کی گئی ہے۔ اس کا چھٹا حملہ (۱۷۶۰-۶۱ء) ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ہندوستان کی سیاست کا رُخ بدل دیا اور مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو ختم کر دیا۔ لیکن ان حملوں نے بھی عام لوگوں کے مصائب میں اضافہ کر دیا۔ ابدالیوں کی لوٹ مار کا ذکر میر نے خاصی تفصیل سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی ظالمانہ غارت گری اور تباہ کاری نے محلے کے محلے ویران کر دیئے۔ بقول قائم چاند پوری ؎

نہ فقیروں کی چھوڑتے تھے کلاہ
نہ امیروں کا جامۂ زربفت

مجموعی طور پر اگر اٹھارہویں صدی کے ان حملوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے ملک کی سیاسی اور سماجی فضا کو اس درجہ خراب اور ہندوستانیوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا کہ جب یہاں برطانوی سامراج کا سیلاب امنڈنا شروع ہوا تو ملک کے کسی گوشے میں بھی اس کے خلاف مضبوط بند نہ باندھے جا سکے!

انگریزوں کا تسلط ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط کس طرح قائم ہوا؟ اس کی تفصیل دلچسپ اور عبرت انگیز ضرور ہے، لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہندوستان کی غلامی کے اسباب مختلف نوعیت کے تھے، اقتصادی، سیاسی اور سماجی۔ ایک طرف اگر ہندوستان کا اقتصادی نظام ابتر ہو چکا تھا دوسری طرف انگریزوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے اس حصے پر قدم جمائے تھے اس ملک کا سب سے زیادہ خوش حال علاقہ تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان اقتصادی مرکز ثقل Centre of gravity بنگال کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ رنگ زیب تک کے اخراجات آخری زمانہ میں بنگال کے محاصل سے چلتے تھے انگریزوں بنگال پر مسلط ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اقتصادی شہ رگ اُن کے قبضہ میں چلی شاہوں اور امراء کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے باعث انگریزوں کو اپنا اقتدار جانے کے مواقع ملے۔ ۱۷۱۳ء میں فرخ سیر نے کمپنی کو بغیر محاصل اور چنگی کے ملک میں

تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جعفر اور صادق جیسے ننگِ وطن لوگوں نے اُن کو اپنی طاقت بڑھانے میں مدد دی اور برطانوی سامراج کے پنجے اس ملک میں مضبوطی سے جم گئے۔

پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء) کے بعد، کچھ بیدار مغز لوگوں نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو محسوس کر لیا تھا۔ اس زمانے میں احمد شاہ ابدالی اور اس کے ہم خیال امراء کی جو خط و کتابت وینسی ٹارٹ (VANSITTART) سے ہوئی ہے، وہ سیاسی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے انگریزوں کی نیت اور ارادوں کا پتہ لگا لیا تھا۔ اس بنا پر وہ چاہتا تھا کہ اپنی واپسی سے قبل شاہ عالم کی طاقت کا استحکام کر جائے لیکن شاہ عالم اس وقت دہلی نہ آیا اور حالات انگریزوں کے موافق ہو گئے۔ فروری ۱۷۶۱ء میں نواب شجاع الدولہ نے جنرل بارکر کو اطلاع دی تھی کہ مرہٹے، روہیلے اور افغان ایک محاذ کرنے والے ہیں[1] گمان غالب یہ ہے کہ جب ہندوستان کے لوگوں نے غیر ملکی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے اختلاف کو دور کر کے اس پر آمادہ ہو گئے کہ سب متحد ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کریں۔ حد یہ ہے کہ مولانا سید احمد شہیدؒ جن کی تحریک عموماً لیکن غلط طور پر صرف سکھوں کی مخالفت کے پس منظر میں دیکھی جاتی ہے[2] غیر ملکی اقتدار ختم کرنے کے لئے ہندوؤں سے تعاون اور اشتراکِ عمل کے کوشاں ہوئے۔ راجہ ہندو رائے کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

بر رائے عالی روشن و مبرہن است	جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی سمندر
کہ بیگانگان بعید الوطن ملوک	پار کے رہنے والے دنیا جہان کے تاجدار

---

[1] Calendar of Persian Correspondence, Vol. III 155-156; No. 581

[2] مولانا غلام رسول مہر نے اپنی عظیم الشان تصنیف "سید احمد شہید" میں تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ ان کی تحریک حقیقت میں انگریزوں کے خلاف تھی۔

زمین وزمن گردیده وتاجران متاع فروش بپایۂ سلطنت رسیده امرائے کبار و ریاست روسائے عالی مقدار برباد نموده اند وعزت اعتبار ایشان بالکل ربوده چوں اہل ریاست وسیاست در زاویۂ خمول نشسته اند ناچار چندے از اہل فقر ومسکنت کمر ہمت بسته ایں جماعت ضعفا محض بربنا خدمت دین رب العالمین برجسته اند ہرگز ہرگز از دنیا داران جاه نیستند محض بنابر خدمت دین رب ذوالجلال برخاسته اند نہ بنابر طمع مال ومنال رفتے که میدان ہندوستان از بیگانگان دشمنان خالی گردیده و نیز سعی ایشان بر ہدف مراد رسیده آینده مناصب ریاست وسیاست بطالبین آن مسلم باد"۔ ¹

اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت وحرمت کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے، جو حکومت وسیاست کے مرد میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، اس لئے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوگئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیا دار اور جاہ طلب نہیں ہیں۔ محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اُٹھے ہیں مال و دولت کی ذرہ برابر اُن کو طمع نہیں جس وقت ہندوستان ان غیر ملکیوں سے خالی ہوجائے گا اور ہماری کوششیں بارآور ہوں گی حکومت کے عہدے اور منصب اُن

¹ ملاحظہ ہو "مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ ص ۲۷۳ - ۲۷۳

لوگوں کو ملیں گے جن کو ان کی طلب ہوگی۔

انگریزوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے ہندوستان کی ہر ایسی تحریک کا جو اُن کے مفاد کے خلاف کام کرسکتی تھی، رُخ بدل دیا۔ ۱۸۵۷ء میں پھر ایک بار غیر ملکی حکومت کو ختم کرنے کے لیے ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر کوشش کی، لیکن تنظیم کی کمی، غداروں کی کثرت اور اقتصادی مشکلات کے باعث وہ تحریک بھی ناکام رہی۔

اس سیاسی ماحول میں مسلمانوں کی حالت

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کے درد و الم کی ایک طویل داستان ہے ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا، اور مسلمانوں کی پریشانیوں کا ایک ایسا باب کھل گیا جو ۱۸۵۷ء کے بعد تک جاری رہا۔ ہر صبح ان کے لئے ایک نئے فتنے کا پیغام لاتی تھی¹ اور ہر رات کی خاموشی میں اُنھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ

کان نجوماً ومضت فی الغیاھب
عیون الافاعی او رؤس العقارب

(تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوؤں کے سر ہیں)

ان حالات میں صبر واستقلال کا قائم رکھنا آسان کام نہ تھا جب نادر شاہ نے آگ اور خون کا ہنگامہ برپا کیا تو دہلی کے وہ باشندے جنھوں نے شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں امن اور چین کے ساتھ زندگی بسر کی تھی، بدحواس ہوگئے۔ مایوسی، وحشت، کم ہمتی اور

¹ "اما اختلال حال شہر کہ ہر روز فتنہ تازه گل می کند"
شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۳۰۔
"از تشویشات ہر روزه دہلی تنگ آمده"
جان جاناں رح۔ مکتوبات۔ ص ۶۶

خودفراموشی نے اُن کے قوائے عمل کو ایسا شل کردیا کہ خودکشی کے علاوہ اُنھیں کوئی راہ ہی نظر نہ آئی، اور انھوں نے آگ میں جل مرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے جب قوم کی پستی کا یہ عالم دیکھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور مصائب کے واقعات بیان کرکے اُن کی ڈھارس بندھائی اور ان کی قنوطیت کو دور کیا[۱] ــــ لیکن نادر شاہ کا قتلِ عام مسلمانوں کے مصائب کی انتہا نہ تھی، ابتدا تھی۔ ابھی موجِ خون سر سے نہ گزری تھی۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد تو ملک میں وہ ابتری اور انتشار پیدا ہوگیا کہ بقول ہرچرن داس لوگوں پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

مرہٹے، جاٹ، سکھ ــــ تینوں کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک مصیبت بنادیا۔ پھر افغانوں کے حملوں نے تو جان ہی نکال لی۔ شاہ ولی اللہؒ نے کرب و بے چینی کے عالم میں نجیب الدولہ کو خط لکھا:

مقدمہ مہم تر آں است کہ مسلمانان ہندوستان چہ دہلی و چہ غیر آں چندیں صدمات دیدہ اند و چند بار نہب و غارت آزمودہ، کارد بہ استخواں رسیدہ است، جائے ترحم است برائے خدا و برائے رسول خدا تاکید بلیغ باید کرد کہ متعرض مالِ مسلماناں نشود[۲]	ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانانِ ہندوستان نے خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے بہت سے صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں۔ چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے۔ رحم کا مقام ہے، خدا کا اور اس کے رسول کا واسطہ ہے کہ تاکید کی جائے کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں۔

---

۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ (مطبوعہ میرٹھ)

۲ شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۲۳

ایک اور خط میں (ص ۲۱) شاہ صاحبؒ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے مال و ناموس کی حفاظت کی تاکید کرتے ہیں: "قدغن بلیغ باید نمود کہ کسے با مسلماناں و ذمیان دہلی کار نداشتہ باشند"۔

ان حالات میں شاہ جہاں آباد ایسا اُجڑا کہ دُور دُور خاک اُڑنے لگی۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہوگئے۔ میر تقی میر نے اسی زمانے میں لکھا تھا ؎

جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں
واں ہم نے ان ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں
یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ
یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

سرسری تم جہان سے گزرے — ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا
اب خرابہ ہوا جہان آباد — ورنہ ہر اک قدم پہ یاں گھر تھا
بے زری کا نہ کر گلہ غافل — رہ تسلی کر یوں مقدر رہتا

سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں کے حملوں سے جب نجات ملی تو غیر ملکی حکومت کا تسلط سر پر پایا۔ مسلمان پانچ سو سال سے زیادہ تک حکمرانی کرچکے تھے اور ان ہی سے سیاسی اقتدار چھینا بھی گیا تھا۔ اس بنا پر انگریزی حکومت نے ان پر سختی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو سب پر مصیبت آئی اور پوری قوم پر نکبت اور افسردگی کا عالم طاری ہوگیا۔

---

(۲)

اقتصادی حالات

اورنگ زیب نے تقریباً ۲۶ سال تک اپنی سلطنت کے سب ذرائع کا رخ دکن کی جانب کر دیا تھا۔ ان لڑائیوں میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا لیکن عالمگیر کے تدبر، معاملہ فہمی، انتظامی قابلیت اور سیاسی بصیرت نے ملک کی اقتصادی حالت کو بگڑنے سے بچا لیا تھا۔ اس نے ان تمام اخراجات کے باوجود چوبیس کروڑ روپیہ آگرہ کے قلعہ میں چھوڑا تھا۔[1] اس کے نااہل جانشینوں نے یہ روپیہ آنکھ بند کر کے لٹایا۔ اُدھر ملک کے ذرائع محدود ہوتے چلے گئے، اور رفتہ رفتہ سارا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا۔ اور یہ سیاسی اور سماجی نظام کے گر جانے کا پیش خیمہ تھا۔

اورنگ زیب کا جانشین بہادر شاہ حد سے زیادہ فیاض تھا۔[2] اس کی فیاضی نے سلطنت کی مالی حالت کو تباہ کر دیا۔ پھر جہاں دار شاہ نے اپنی عیاشی میں بے دریغ دولت کو لٹایا۔ اس کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔[3] دربار میں عیش و طرب کی محفلیں سجتی

---

[1] Irvine, Later Mughals, Vol. I p. 21.

[2] Later Mughals, Vol. I p. 139.

[3] Later Mughals, Vol. I p. 194.

تھیں۔ اُن میں اس کثرت سے چراغاں کیا جاتا تھا کہ دہلی میں تیل کی قلت ہو گئی تھی اور تیل کا نرخ بڑھ گیا تھا۔ گیہوں سات سیر فی روپیہ بکنے لگا تھا۔ فرخ سیر تخت پر بیٹھا تو حالات اور خراب ہو گئے۔ اس کو گھوڑوں کا شوق تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے اس کے اصطبل میں بے کار بندھے رہتے تھے، اور ہزاروں روپیہ روزانہ اُن پر خرچ ہوتا تھا۔[1]

اس گرتے ہوئے مالی نظام پر نادر شاہ کے حملے نے ضربِ آخر کا کام کیا۔ وہ ستر کروڑ سے زیادہ روپیہ ہندوستان سے باہر لے گیا۔ اس کے بعد شاہی خزانے اور امراء کے محلات بالکل خالی نظر آنے لگے۔[2]

احمد شاہ کے زمانے میں شاہی خزانے کی یہ حالت تھی کہ دو دو ڈھائی ڈھائی سال تک محلات کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بادشاہ کی ساکھ اس قدر گر گئی تھی کہ مہاجن اور ساہوکار بھی قرض دینے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں شہزادیوں کو تین تین دن کے فاقے کرنے پڑے ہیں۔[3] سر سید احمد خاں لکھتے ہیں:

> اکبر شاہ اگرچہ تخت نشین ہوئے، مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا جو شاہ عالم کے وقت میں تھا، شاہ عالم کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی۔ تمام کارخانے ابتر ہو گئے تھے۔ شاہزادوں کو جو قلعے کے نوشکے میں رہتے تھے — ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا اور جھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں بھوکے مرتے ہیں!"[4]

پروفیسر اسپیر (P. SPEAR) نے TWILIGHT OF THE MUGHALS میں

---

[1] Later Mughals, Vol. I pp. 194; 397.

[2] Later Mughals, Vol. II pp. 370-71.

[3] تاریخ عالمگیر ثانی (قلمی) ص ۱۹۰ نیز
Fall of the Mughal Empire, Vol. II pp. 36-37

[4] سیرت فریدیہ ص ۲۲-۲۳

مغل شہزادوں کے دردناک مصائب کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ ان شہزادوں کو بھوک سے مرنے دیا جاتا تھا، لیکن کوئی مزدوری یا ملازمت کرنے کی اجازت محض اس وجہ سے نہ دی جاتی تھی کہ یہ ان کے دونِ مرتبت تھا۔ اُن کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔

فضول خرچی کے مرض میں امراء بھی مبتلا تھے۔ راجہ جگل کشور کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا عبرت آموز ہے۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کنور آنند کشور کی شادی دہلی میں اس طرح کی کہ سارے شہر کو کھانے پر بلایا۔ جس کے متعلق یہ خیال ہوا کہ شاید "صلائے عام" کو اپنے لئے باعثِ ننگ سمجھ کر نہ آئے گا، اس کے گھر پر خود گیا اور ان الفاظ میں مدعو کیا: "آپ کے بھتیجے کی شادی ہے۔ اگر آپ شریک نہ ہوئے تو محفل بے رونق رہے گی۔"[1] کچھ ہی عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ میر تقی میرؔ اپنی عسرت اور پریشان حالی سے مجبور ہو کر اس کے پاس گئے اور اظہار مدعا کیا تو اس نے نہایت عجز اور شرمساری کے ساتھ جواب دیا: "میرے پاس ایک پرانی شال ہے، کچھ اور مقدرت ہوتی تو اس سے دریغ نہ کرتا۔"[2] یہ حال صرف جگل کشور ہی کا نہ تھا۔ ملک کے اکثر و بیشتر امراء اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے مفلسی اور تنگدستی کا شکار ہو گئے تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب میں اقتصادی تباہی کو سب سے اہم قرار دیا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

"اس زمانے میں ملک کی تباہی اور ویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں۔ ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانے پر تنگی۔ وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانے سے روپیہ اس دعوے سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں یا عالم ہیں جن کا حق اس خزانے کی آمدنی میں ہے، یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بادشاہ خود انعام و اکرام دیا کرتے ہیں جیسے زہد پیشہ صوفی

---

[1] مجموعہ نغز۔ میر قدرت اللہ۔ ص ۲۴۳ ڈکری پریس لاہور ۱۹۳۳ء

[2] ذکر میر۔ ص ۷۸

اور شاعر اور دوسرے گروہوں میں سے جو ملک و سلطنت کے کسی کام کے بغیر کسی نہ کسی ایسے طریقہ سے روزی حاصل کرتے ہیں جو محنت کے بغیر ان کو ملتی ہے۔ یہ لوگ اُن کے اور دوسروں کے ذرائع آمدنی کو کم کر دیتے ہیں، اور ملک پر بوجھ ہیں۔

دوسرا سبب کاشتکاروں، بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اور ان پر اس بارے میں سختی کرنا ہے۔ یہاں تک کہ جو بے چارے حکومت کے مطیع اور اس کا حکم مانتے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش اور نادہند ہیں وہ اور سرکش ہو رہے ہیں اور حکومت کے محصول ادا نہیں کرتے حالانکہ ملک اور سلطنت کی آبادی سستے محصول اور فوج اور عہدہ داروں کے بقدر ضرورت تقرر پر ہے۔ چاہیئے کہ اس زمانے کے لوگ ہوشیار ہو کر سیاست کے اس راز کو سمجھیں۔"[1]

شاہ صاحب رحؒ نے اپنے مکتوبات میں معاشی زندگی کے اور گوشوں پر بھی بحث کی ہے۔ ان کی نظر میں جاگیرداری اور اجارہ داری کی رسمیں ہی سب معاشی مصائب کا بنیادی سبب تھیں ان کی وجہ سے معاشی زندگی کا توازن بگڑ گیا تھا۔ مغل شہنشاہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"موجب ضعف امور سلطنت کمی خالصہ و قلتِ خزانہ است۔"[2]

سوداگروں اور صنعت پیشہ لوگوں کی حالت سب سے زیادہ تباہ تھی۔ شاہ ولی اللہ رحؒ اہل حرفت کو ملک کی اقتصادیات کا مرکزی نقطہ سمجھتے تھے، اور ان کی تباہ حالی پر سخت پریشان تھے۔

جب انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا تو ہندوستان کے معاشی حالات بد سے بدتر ہو گئے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ باب سیاست المدینہ ص ۴۴ (مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ)

[2] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۴

اب تک ہندوستان کی دولت بجا یا بے جا طور پر ہندوستان ہی میں صرف ہوتی رہی تھی۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد اس کا رُخ انگلستان کی طرف ہو گیا۔ علاوہ ازیں انگریزوں نے عمداً ہندوستان کی دیسی صنعتوں کو ختم کیا۔ تاکہ انگلستان کے مال کی کھپت ہندوستان میں ہو سکے۔

---

(۳)

معاشرہ اور تمدّن

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان کے معاشرہ اور تمدن کی خصوصیات کا جائزہ لینے کے لئے دہلی کی تہذیبی حالات پر ایک نظر ڈال لینی کافی ہو گی۔

دہلی ، اسلامی ہند کی ابتدا سے تہذیب و تمدن کا ایک بڑا مرکز رہی ہے۔ دجلہ و فرات سے علم و عرفان کی جو موجیں اُٹھی ہیں وہ جمنا ہی کے کناروں سے آکر ٹکرائی ہیں، بغداد و بخارا سے جو علمی و روحانی قافلے چلے ہیں وہ یہیں آکر ٹھہرے ہیں۔ کبھی اس کی رونق کا یہ عالم تھا کہ چپہ چپہ پر خانقاہیں تھیں، قدم قدم پر مدرسے تھے[1] کوچہ کوچہ میں مسجدیں تھیں۔ تشنگانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور یہاں پہنچتے تھے۔ ہندوستان کا یہ دارالسلطنت "رشکِ بغداد و غیرتِ مصر" بنا ہوا تھا۔[2]

اٹھارہویں صدی میں جب سلطنتِ مغلیہ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو یہ شہر "بمنزلہ لعبِ صبیان" ہو گیا۔ دکن سے جو طوفان اٹھا وہ لال قلعہ سے آکر ٹکرا تا پنجاب سے جو

---

[1] ملاحظہ ہو مسالک الابصار (انگریزی ترجمہ) ص ۲۹۔

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۲۳۱۔

آندھی اٹھتی، اس کے زلزلے دہلی میں محسوس ہوتے، جاٹوں کا جو ہنگامہ برپا ہوتا اس کی جولانگاہ یہی بدبخت شہر بنتا۔ لیکن ان تمام مصیبتوں کے باوجود بھی دہلی انتہائی بارونق تھی، ابھی کچھ نقوش باقی تھے جن سے "کاروانِ رفتہ" کی عظمت و شوکت کا اندازہ ہوتا تھا اس زمانے بھی اگر کسی نے یہاں کے علماء سے دہلی کی حالت کے متعلق سوال کر لیا تو بے اختیار کہہ اٹھے ؎

ان البلاد اماءٌ وھی سیدۃ
وانھا درۃ والکل کالصدف [1]

(دوسرے شہر لونڈیاں ہیں اور دلی ملکہ، یہ موتی ہے اور باقی سب سیپیاں)

اور اس میں واقعی کوئی مبالغہ بھی نہ تھا۔ یہاں اب بھی علم و عرفان کے ایسے چشمے اُبل رہے تھے جن سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند بھی مستفیض ہو رہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ اسلامی ہند نے اپنے زوال اور انحطاط کے زمانے میں دنیا کے مسلمانوں کو مشعلِ راہ دکھائی۔ ایک ایسے نازک دور میں جب کہ دنیائے اسلام حدیث و سنت کو بھول چکی تھی، دہلی ہی نے اس کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا جس کا اعتراف مصر کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا نے اس طرح کیا تھا:۔

ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند	ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو
بعلوم الحدیث فی ھذا العصر	علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کی طرف
لقضی علیھا بالزوال من امصار	اُن کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک
الشرق فقد ضعفت فی مصر	سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیونکہ مصر
والشام والعراق والحجاز منذ	شام، عراق، حجاز میں دسویں ہجری
القرن العاشر للھجرۃ حتیٰ	سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا
بلغت منتھی الضعف فی اوائل	اور چودھویں صدی کے اوائل تک

---

[1] شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا یہ شعر سرسیدؒ نے آثار الصنادید (ص ۴۴) میں نقل کیا ہے۔

ھذا القرن الرابع عشر۔۔۔"	ضعف کے آخری منزل تک پہنچ گیا تھا

چند نفوسِ قدسیہ کی موجودگی نے تو دہلی کو تمام ممالکِ اسلامیہ کی توجہ کا مرکز بنا دیا تھا۔ شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ میں شام، مصر، چین اور حبش کے لوگوں کے جمگھٹے لگے رہتے تھے تو دوسری طرف شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چین ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے تھے اور علوم دینی کا چرچا کر رہے تھے [2] سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ سیاسی زوال و پستی کی آخری منزلیں طے ہو رہی تھیں، لیکن ذہنی شعور ابھی مُردہ نہ ہوا تھا۔ کچھ بیدار مغز انسان تجدید و احیاء کے نئے راستے تلاش کر رہے تھے، وہ اس سیاسی زوال کو مذہبی اور ذہنی زوال کا پیش خیمہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود دہلی دھوپ اور چھاؤں کا شہر تھی۔ یہاں خانقاہیں بھی تھیں، شراب خانے بھی۔ مدرسے بھی تھے اور قماربازی کے اڈے بھی۔ دہلی کی یہ متضاد خصوصیات اس زمانے کے بہت سے لوگوں کی زندگی میں بھی پائی جاتی تھیں۔ لوگ بڑی عقیدت اور ارادت کے ساتھ خانقاہوں اور مزارات پر حاضر ہوتے تھے، پھر اسی جوش اور ولولہ کے ساتھ طوائفوں کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ ان کی رندی اور مذہبیت ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے احمد شاہ ابدالی کو لکھا تھا اگر حالات نہ بدلے تو مسلمان

"اندکے از زماں بگذرد کہ قومے شوند کہ نہ اسلام را دانند نہ کفر را" [3]

اس زمانے کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ نہ رندی سے واقف تھے، نہ مذہبیت سے۔ وہ متضاد چیزوں کو ایک ساتھ لے کر چلتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ نہ رندی ہاتھ سے جائے نہ مذہبیت کا دامن چھوٹے۔ لیکن یہ ایک خود فریبی تھی ؎

---

[1] آثار الصنادید۔ ص ۱۸ (باب چہارم)

[2] "شاگردان وے در اقالیم دور و دراز رسیدہ باب علوم دینی بروئے خلق کشادند"
خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۸۸)

[3] سیاسی مکتوبات۔ ص ۱۲؛

نیک و بد در آدمی پنہاں نمی ماند چنانکہ
نافہ در جیب ملوک و بادہ در جام بلور
(خسروؒ)

یہ مذہبیت جو رندی کے پہلو بہ پہلو چلتی تھی فسق و فجور سے زیادہ متعفن تھی۔ یہ ضمیر کی آواز کو کچلنے کا ایک ظالمانہ انداز تھا!

آیئے دہلی کے محلات، مدرسوں، خانقاہوں، بازاروں اور ادبی محفلوں پر ایک نظر ڈال لیں تاکہ حالات کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

محلاتِ شاہی: "بزمِ آخر" میں منشی فیاض الدین نے دہلی کے آخری دو بادشاہوں، اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے طریقِ معاشرت کی تصویر پیش کی ہے۔ اس پوری تصویر میں صرف آسائش اور عیش کا رنگ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن جشن میں گزرتے تھے۔ کبھی تورے بندی ہے، کبھی رتجگہ، کبھی نوروز، کبھی آخری چہار شنبہ، کبھی خواجہ صاحب کی چھڑیاں، کبھی سلونو، کبھی پھول والوں کی سیر —— غرض بزم ہی بزم ہے، رزم کا کہیں نام نہیں۔ قلعہ معلّٰی کے باہر جو طوفان برپا ہے اس سے بے خبر، فکرِ فردا سے بے نیاز —— ایسا معلوم ہوتا ہے "رقصِ پری پیکراں" اور "غوغائے رامشگراں" میں دنیا سمٹ کر آ گئی ہے۔

امراء کی مجلسیں: مرزا سنو محمد شاہ کے زمانے میں دہلی کے ایک امیرزادے ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے:-

"خانہ اش بہشت شداد است، و کاشانہ اش آشیانہ مجمع پریزاد، ہر نو خطے رنگیں کہ بایں محفل ربط ندارد فردِ باطل است، و ہر ملیحے کہ بایں مجمع مربوط نیست در حلیہ اعتبار عاطل، مجلسش دار العیار شاہداں است و بزمش محک امتحان گلرخاں۔ نقد قراضہ حسن تا بدار الضرب بزمش رجوع نکند، کامل عیار نیست چہ شد مثل طلائے دست افشار است و سیم جال ادر

۱؎ مطبوعہ رحمانی پریس، دہلی ۱۹۲۰ء

کوزہ مجمش گذار نیابد چاندی نیست چہ شد کہ زر نقرۂ خالص است"۔

بازار:

میرؔ نے لکھا تھا ؎

دلّی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصوّر تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

لیکن دو بازار تھے، چوک سعد اللہ خاں اور چاندنی چوک جو سارے شہر کی جان تھے۔ چوک سعد اللہ خاں کی رونق کا یہ عالم تھا کہ اس کو دیکھ کر

"نظر از ملاحظ محسوسات رنگا رنگ دست و پا گم می کند"

کسی طرف "مرقعِ امارۂ خوش رو قیامت آباد" تھا تو دوسری طرف "کرسی ہائے چوبیں از قبیل منابر" نصب تھیں تاکہ نماز اور روزہ کی تلقین کی جائے۔ کسی گوشہ میں اہلِ تنجیم و رمّال نظر آتے تھے، تو کسی طرف آتشک و سوزاک کی دوا بیچنے والے۔ ایک جانب "اسلحہ فروش" تھے، دوسری طرف "میوہ فروش"۔

چاندنی چوک سب جگہوں سے زیادہ دلفریب تھا۔ کپڑا، جواہرات، عطریات وغیرہ کی وہاں دوکانیں تھیں۔ ہر وقت رؤسا کے جھگٹے رہتے تھے۔ ایک یتیم رئیس زادہ چاندنی چوک کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ بیوہ ماں تہی دستی کا عذر کرنے کے بعد اس کو ایک لاکھ روپیہ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ چوک کے نوادر اور نفائس اس قلیل رقم سے نہیں خریدے جا سکتے ہیں، مگر اس قلیل رقم کو اپنے ضروری مصارف کے لئے لے جاؤ۔

مدارس: مدرسہ رحیمیہ، بازار خانم کا مدرسہ اور اجمیری دروازہ کا مدرسہ۔ اورنگ زیب کی وفات سے لے کر غدر ۱۸۵۷ء تک ان مدرسوں سے علم و عرفان کے چشمے

۲؎ مرقع دہلی - از نواب سالار جنگ مرتبہ حکیم سید مظفر حسین ص ۲۸ - ۲۷

۳؎ تماشہ مرقع دہلی - ص ۱۴ - ۱۵

۴؎ مرقع دہلی - مقدمہ - ص ۲۶

اُبلے تھے ۔ یوں تو دہلی میں سینکڑوں درس گاہیں تھیں ۔لیکن ان تینوں مدرسوں کی امتیازی شان تھی ۔ مدرسہ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہؒ مسندِ درس پر متمکن نظر آتے تھے تو بازار خانم کے مدرسے میں شاہ کلیم اللہؒ کے جانشین ۔ اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں شاہ فخرالدینؒ کا چشمۂ فیض جاری رہتا تھا ۔ مدرسہ رحیمیہ سے علوم اسلامی کو زندہ کرنے کی عظیم الشان تحریک اُٹھی ۔ آج ہندوستان میں علوم دینی کی جتنی درس گاہیں ہیں وہ سب مدرسہ رحیمیہ کے چشمۂ فیض کا نتیجہ ہیں ۔ جب مسلمانوں کی دینی زندگی بے روح ہو رہی تھی تو اسی مدرسہ کے معلموں نے اُن کے دینی احساس کو بیدار کرنے کی سعی کی ۔ شاہ عبدالعزیزؒ ، شاہ رفیع الدین ، شاہ محمد اسمٰعیلؒ کے وعظ اور درس اسی مدرسے میں ہوتے تھے ۔

خانقاہیں : اس زمانے میں دہلی میں بہت سے سلسلوں کے عظیم المرتبت مشائخ موجود تھے ۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا بیان ہے :

محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ	محمد شاہ کے زمانے میں بائیس بزرگ
صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در	صاحب ارشاد ہر سلسلہ اور ہر طریقے کے
دہلی بودند ایں چنیں اتفاق کم می شود[1]	دلی میں تھے ۔ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے

شاہ فخرالدین صاحبؒ ، مرزا مظہر جان جاناںؒ اور دیگر مشائخ کی خانقاہیں رشد و ہدایت کا منبع تھیں ۔ غدر سے کچھ پہلے تک خانقاہوں کی یہ رونق باقی رہی ۔ شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ "دین دار لوگوں کا ملجا و ماویٰ تھی"[2] ۔ اُن کی صحبت کا اثر یہ ہوتا تھا کہ بقول خالد کردیؒ ع

دہد سنگِ سیہ خاصیتِ لعلِ بدخشانی

پھر شاہ ابو سعیدؒ ، شاہ عبدالغنیؒ ، شاہ محمد آفاقؒ ، خواجہ نصیرؒ وغیرہم[3] کی خانقاہیں تھیں

---

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ۔ ص ۱۰۶

[2] حیات جاوید ۔ حالی (رعدا ایڈیشن ۱۹۰۱ء) جلد دوم صفحہ ۹

[3] ان بزرگوں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "۱۸۵۷ء سے پہلے کی دلّی" (علماء و مشائخ کا اجتماع) مطبوعہ رسالہ "برہان" جون ۱۹۶۱ء)

جہاں تزکیۂ باطن اور تہذیبِ نفس کے درس دیئے جاتے تھے اور باطنی زندگی کو سنوارنے کے لئے رات دن کوشش کی جاتی تھی ۔

میلے : دہلی کے میلے کیا تھے ، عیش و نشاط کے ہنگامے تھے جہاں اوباش اور شہوت پرستوں کی محفلیں سجتی تھیں اور کوئی اخلاقی جرم ایسا نہ تھا جو وہاں نہ ہوتا ہو ۔ ہر مہینے کی ۲۷ کو ایک ناگل کا میلہ ہوتا تھا ۔ جہاں شوقین مزاج ، تماشہ بیں عورتیں بن سنور کر پہنچتی تھیں اور ہر طرح کی عیاشی میں حصہ لیتی تھیں[1]

ایک محمد شاہی امیر کسل سنگھ نے ایک محلہ کسل پوری آباد کیا تھا ۔ جہاں فواحشان روزگار ، اور زنہائے بازاری کو بسایا تھا ۔ محتسب کی مجال نہ تھی کہ وہاں قدم رکھ سکے ۔ ہر وقت وہاں چنگ و رباب کی آواز سنائی دیتی تھی[2]

مشاعرے : مشاعرے غدر سے پہلے کی دلّی کی ادبی محفلوں کی جان تھے ۔ قلعۂ معلّٰی میں اکثر مشاعروں کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں ، امراء و رؤسا کو بھی اس سے دل چسپی تھی ۔ شعراء کی آپس کی صحبتیں بڑی دلچسپ اور رنگین ہوتی تھیں ، مومن و غالب کی علمی مجالس اور مشاعرے اپنی نظیر آپ تھے ۔

غدر کے اثرات دہلی پر : ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے یک دم دلّی کی بساط الٹ دی ۔ پرانی مجالس درہم برہم ہو گئیں ۔ علمی و مذہبی محفلیں سرد پڑ گئیں ۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہو گئے ؎

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و شور ، نہ جوش و خروش ہے

---

[1] مرقع دہلی مقدمہ ص ۳۴

[2] مرقع دہلی مقدمہ ص ۳۲ - ۳۳

مسجدیں مسمار ہوگئیں، خانقاہیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ مدرسوں میں کھیتی ہونے لگی۔ مسجد اکبر آبادی "جس کی رفعت و شان کے آگے گنبد خضرا پست[1]" معلوم ہوتا تھا ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ مدرسہ رحیمیہ جہاں سے ولی اللّٰہی حکمت کا چشمہ اُبلا تھا اور جہاں شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ محمد اسحاقؒ نے قرآن و حدیث کے درس دیئے تھے، وہاں "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لٹک گیا[2]۔" میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا جیسے جھاڑو دیدی[3]"۔

اچھے اچھے گھرانے تباہ و برباد ہوگئے۔ عزت و ناموس کا بچنا محال نظر آنے لگا جب مصائب ناقابل برداشت ہوگئے تو بڑے بڑے بزرگ اور عالم دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ میاں کالے صاحبؒ کے بیٹے میاں نظام الدین نے حیدر آباد کا رُخ کیا[4] اور شاہ فخرالدینؒ کی خانقاہ سونی پڑگئی۔ شاہ احمد سعیدؒ نے حرمین شریفین کی راہ لی۔ اور شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ کا چراغ گل ہوگیا۔ ہر طرف حسرت اور مایوسی چھاگئی جو اس ہنگامۂ دار و گیر سے بچا وہ کافور و کفن[5] کی تمنا کرنے لگا۔ زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ آزردہ نے اسی زمانے میں ایک مرثیہ لکھا تھا ؎

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے
سر ہے اور جوشِ جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے

ٹکڑے ہوتا ہے جگر جان پہ بن آتی ہے
مصطفیٰ خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے

---

[1] آثار الصنادید۔ ص ۲۷۔

[2] واقعات دار الحکومت دہلی، مولوی بشیرالدین ج ۲ ص ۱۶۷۔

[3] غالب کا خط سید احمد حسن مودودی کے نام (اردوئے معلّٰے آگرہ ۱۹۱۲ء) ص ۱۸۴۔ ۱۸۳۔

[4] اردوئے معلّٰے۔ ص ۲۳۱۔

[5] اردوئے معلّٰے۔ ص ۲۱۳۔

کیوں نہ آزردہ نکل جائے، نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

ہزاروں علمی ذخیرے اسی تباہی کی نذر ہوگئے۔ ظہیر نے درد بھرے انداز میں کہا ؎

اس دور میں ہر اک تہ چرخِ کہن لُٹا
اوروں کا زر لُٹا، مرا نقدِ سخن لُٹا

بلبل کو کیسی کیسی ہوئیں آفتیں نصیب
گلچیں کے دستِ ظلم سے کیا کیا چمن لُٹا

غدر ۱۸۵۷ء کے ساتھ ہماری معاشرت کا ایک دور ختم ہوگیا۔

ہندو مسلم تعلقات

ہندو مسلم تعلقات کی کشیدگی برطانوی عہد سے شروع ہوتی ہے۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" برطانوی سامراج کا تقاضا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مختلف قسم کے نفاق اور اختلافات عمداً پیدا کئے گئے تھے۔ سرہنری ایلیٹ نے اس زہر کو تاریخ ہند کی رگوں میں پہنچایا کہ اس طرح تاریخی مطمح نظر کو خراب کیا کہ اس کے خلاف آج جو بات کہی جاتی ہے وہ شک آمیز تعجب سے سُنی جاتی ہے۔

برطانوی عہد سے قبل ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات انتہائی شگفتہ تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خلوص و محبت، اتحاد و یگانگی کے اثرات کارفرما نظر آتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک مشترکہ علمی اور ادبی ذوق پیدا کرلیا تھا۔ ہندی اور فارسی کا مطالعہ ہندو اور مسلمان دونوں کرتے تھے اور ان دونوں زبانوں کے امتزاج سے ایک نئی زبان کی تشکیل کا سامان بہم پہنچا رہے تھے۔ غلام علی آزاد بلگرامی، ٹیک چند، آنند رام مخلص وغیرہ کے علمی کارناموں کو ہندو اور مسلمان سب ہی نے پسند کیا تھا۔

اردو ہندو اور مسلمان دونوں کی محبوب زبان تھی۔ گلشن بے خار[1] میں شیفتہ

---

[1] مطبوعہ نول کشور۔ ۱۹۱۰ء

نے ۹۱ ہندو شاعروں کا ذکر کیا ہے۔ "نغمۂ عندلیب" [1] میں حکیم میر قطب الدین باطن نے ۸۰ ہندو شعرائے اردو کا تذکرہ لکھا ہے۔ اگر اس دور کے تذکروں سے اردو کے ہندو شعراء کی فہرست تیار کی جائے تو تعداد یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔

(۲) مغلیہ دور کا ایک مشترکہ کلچر تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں طور پر رنگے ہوئے تھے۔ کنور پریم کشور فراقی، اپنا "بھی" روزنامچہ اس طرح شروع کرتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا فتاح

"حمد و ثنا پادشاہے راسزا کہ سلطنت کونین بوجود اوست و شاہان روئے زمین و خداوندان چتر و نگین را افتخار بہ فضل او و درود و تحیات و سلام زاکیات برآں سرور کہ در شان او "لولاک لما خلقت الافلاک" نازل شدہ، و صلوات بیغایات و نیاز بے نہایات بر ابن عم و وصی اعظم او کہ مظہر العجائب و اسد اللہ الغالب و صاحب ذوالفقار و قسیم الجنت و النار است صلوات اللہ علیہما و علیٰ آلہ اجمعین"۔ [2]

(۳) مذاہب کے اختلافات کے متعلق درگا داس کی یہ رائے سننے کے قابل ہے:

آفریدگار جمیع مذاہب و مشارب ہماں ذات یکتا است کہ آفرینندہ عالم و پروردگار ہر طبقات است وایں ہم حکمت بالغہ و مصلحت کاملہ	تمام مذاہب اور مشارب کا آفریدگار وہی ایک ذات ہے جو عالم کو پیدا کرنے والا ہے اور ہر طبقہ کا پروردگار ہے اس میں اس کی حکمتِ بالغہ اور مصلحتِ

---

[1] مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ء

[2] وقائع عالم شاہی، مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی (رامپور ۱۹۴۹ء) ص ۲

اوست کہ برائے ہر مذہبے بہ تناسب حالات او طریقے جداگانہ فرمودہ برائے ہر یکے ہدایتے خاص نمودہ۔ وچنانکہ گلشن روزگار را از اشجار نو بنو و گلہائے رنگارنگ بر آراستہ ہم چناں از مذاہب گوناگوں و مشارب بوقلموں ہنگامۂ شناسائی خود گرم کردہ شورے و شغفے در دل ہا انداخت، اگر مسجد است بیاد او بانگ می زند، و اگر بت خانہ است بیاد او جرس می جنبانند در حریم کہ دشمنی کفر و دیں چرا است از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است	کاملہ ہے کہ اس نے ہر مذہب کے لئے اس کے حالات کی مناسبت سے جداگانہ طریقہ مقرر فرمایا ہے اور ہر ایک کے لئے خاص طرح کی ہدایت کی ہے۔ جس طرح کہ دنیا کے باغوں میں طرح طرح کے پیڑوں اور رنگ برنگ کے پھولوں سے رونق ہے اسی طرح مختلف قسم کے مذاہب اور مشارب کے ذریعہ اس نے مختلف انداز میں دلوں میں اپنی شناسائی کا شور برپا کیا ہے۔ اگر مسجد ہے تو اس کی یاد میں اذان دی جاتی ہے اگر بت خانہ ہے تو اسی کی یاد میں جرس بجایا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کفر و دین کا جھگڑا کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک ہی چراغ سے کعبہ اور بت خانہ روشن ہیں)
دریں صورت انسان را لازم است کہ آئینۂ خاطر خود را از زنگ کدورت مصفا ساختہ با اہل ہر ملت و کیش سلوک برادرانہ نماید و از خارزار مخالفت خود را برکراں داشتہ در بوستانِ جنت نشانِ اتفاق قیام فرماید کہ گفتہ اند:	اس حالت میں انسان کو لازم ہے کہ اپنے دل کو کدورت کے زنگ سے صاف کرکے اور ہر مذہب اور ملت کے لوگوں کے ساتھ بھائیوں کا سا برتاؤ کرے۔ مخالفت کے خارزار سے اپنے آپ کو علیحدہ کرکے اتفاق کے بوستانِ جنت نشان میں قیام کرے جیسا کہ کہا گیا ہے

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است	(دونوں جہاں کی آسائش کا انحصار ان
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا	دونوں حرفوں پر ہے۔ دوستوں کے ساتھ
	تلطف دشمنوں کے ساتھ مدارا۔)
ونیز در معبد گاہ ہر ملتے کہ برسد بحرمت	اور جب کسی مذہب کی عبادت گاہ
او کوشد و پیش بزرگان ہر مذہبے	میں پہنچے تو اس کی عزت و احترام کرے
کہ در آید بتعظیم و تکریم او مبالغہ نماید	اور جب کسی مذہب کے بزرگوں
و در معاملات با کسے مباحثہ	کی خدمت میں جاوے تو ان کی تعظیم
نہ سازد و ازیں افکار بے کار حجت ہائے	و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت
بیگانگی بجا شاک بیگانگی نہ انباشتہ	نہ کرے۔ دینی معاملات میں کسی سے
۱؎	مباحثہ نہ کرے اور ان بے کار جھگڑوں
	سے بیگانگی کے تعلقات میں بیگانگی
	نہ پیدا کرے۔

(۴) اٹھارہویں صدی کے مسلمانوں کے ہندو مذہب کے متعلق خیالات معلوم کرنے ہوں تو حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا مکتوب چہاردہم غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ انھوں نے ہندوؤں کو "مشرکانِ عرب" کے مشابہ تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کیا ہے بلکہ وید کو الہامی کتاب مانتے ہوئے، ہندوؤں کو اہل کتاب کا مرتبہ دیا ہے۔ ۲؎

(۵) ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں دلچسپی لیتے تھے۔ مذہبی رواداری کا یہ حال تھا کہ خود شاہانِ مغلیہ ہولی اور دسہرہ کا تہوار مناتے تھے۔

۱؎ مخزن الاخلاق۔ ص ۶۰ - ۵۹۔

۲؎ کلمات طیبات ص ۳۷ تا ۴۰۔

(۶) ہندوؤں اور مسلمانوں کے سماجی تعلقات کا یہ عالم تھا کہ ہندو مسلمان امیروں کے یہاں اور مسلمان، ہندو امیروں کے یہاں ملازمت کرتے تھے۔ میر تقی میر جب عسرت و تنگی کا شکار تھے تو ہندوؤں ہی نے اُن کی مدد کی۔ خان آرزو، سرور، مصحفی، غالب وغیرہ کے محسنوں کی فہرست میں کتنے ہی ہندوؤں کے نام ملتے ہیں۔

غلام محمدؐ مشہور بہ میاں سمجھو کے متعلق مخزن الشعراء میں لکھا ہے:۔

"اُستاذی برذاتش مسلم اگر عہدی وقت گویم سزا است،

و اگر فردوسیٔ عہد خوانم رواست"۔ ۱؎

اس کے محسن کا نام راجہ چندو لال تھا!

مرزا مظہر جان جاناںؒ لالہ برج لال کی پر زور سفارش ایک امیر سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ذکر کسے بایں اہتمام باشما نکردہ	(کسی کا ذکر میں نے اس انداز میں
ایم و عادت بمبالغہ نداریم" ۲؎	نہیں کیا ہے میری مبالغہ کی عادت نہیں ہے۔)

سرسید احمد خاں کے نانا نواب دبیر الدولہ فرید الدین خاں نے اپنے انتقال سے قبل جو جائداد تقسیم کی تو اپنے ایک قدیم ہندو دیوان لالہ تلوک چند کو برابر کا حصہ دیا۔ ۳؎

(۷) پھر ہندو مسلمان کھیلوں میں شریک ہوتے تھے، ساتھ رہتے تھے، اور ایک دوسرے سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ غدر سے پہلے کا ذکر ہے کہ

۱؎ مخزن الشعراء قاضی نور الدین فائق۔
مرتبہ مولوی عبدالحق (جامع پریس، دہلی ۱۹۳۳ء) ص ۴۴

۲؎ کلمات طیبات ص ۶۵ - ۶۴

۳؎ سیرت فریدیہ۔ ص ۳۸

دہلی میں تیراندازی کا ایک کلب تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے۔ سرسید نے ایک ذی عزت ہندو کا قصہ لکھا ہے کہ وہ تیر لگاتے وقت "اللہ غنی" کہتا تھا، اس لئے اس کا نام 'اللہ غنی' ہی پڑ گیا تھا۔ [1]

[1] سیرت فریدیہ، ص ۴۴۔

(۴)

اخلاق اور مذہب

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی۔ فکر و عمل، اخلاق و عادات، کردار و اطوار سب پر انحطاطی رنگ چھایا ہوا تھا۔ زندگی شکر دوام میں تبدیل ہو رہی تھی اور ہر قوم کو سیاسی زوال سے پہلے اور اس کے بعد جو اخلاقی زوال کی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں وہ نہایت سرعت کے ساتھ طے کی جا رہی تھیں اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور سماجی نظام کا سارا ڈھانچہ بگڑ رہا تھا۔ عالمگیر نے "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین کرا کر جس گرتے ہوئے اخلاقی اور سماجی نظام کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی وہ اس کے کمزور اور نااہل جانشینوں کے عہد میں منہدم ہو رہا تھا۔

کسی بزرگ نے کہا ہے:۔

وهل افسد الدين الا الملوك	دین کو محض بادشاہوں، برے علماء
واحبار سوء ورهبانها	اور پیروں نے خراب کیا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمانوں کے زوال کا ذمہ دار علامہ اقبال نے ان ہی تینوں [1] کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی زندگی کے ساتھ ساتھ خصوصیت

[1] ISLAM AND AHMADISM P. 23-24

سے بادشاہوں، علماء سوء اور صوفیۂ خام کی حالت کا جائزہ لیں گے۔

سلاطین و امراء کی اخلاقی اور مذہبی حالت

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے:۔

”سلطان کالروح است و سائر انسان کالجسد۔ اگر روح صالح است بدن صالح است۔ اگر روح فاسد است بدن فاسد“ [1]

سلطان روح کی مانند ہے اور رعایا جسم کی مانند۔ اگر روح صالح ہوتی ہے تو جسم بھی صالح رہتا ہے۔ اگر روح فاسد ہو جاتی ہے تو بدن میں بھی فساد پڑ جاتا ہے۔

اورنگ زیب کے جانشینوں کی اخلاقی حالت اور عوام پر اس کے اثرات دیکھ کر اس کلیہ کی حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ مُغل بادشاہوں کی بے راہ روی کا اثر عوام کی زندگی پر پڑتا تھا اور عیش و طرب کی جو محفلیں دربار میں سجتی تھیں، اُن کے مہلک جراثیم جھونپڑوں تک اپنا کام کرتے تھے۔

بہادر شاہ، اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا۔ اس کے مذہبی رجحانات کے خلاف ملک میں متعدد بلوے بھی ہوئے۔ گو ارادت خاں نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس کا مذہبی عقیدہ درست تھا، اور جو کچھ اس کی مخالفت ہوئی وہ متعصب لوگوں کی غلط فہمی کا نتیجہ تھی[2] لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی طرف اس کا رجحان ہو گیا تھا۔ اور اس کی ترویج کی طرف اس کا خاص زور تھا۔ چنانچہ سیر المتاخرین میں لکھا ہے:۔

”بہادر شاہ بدستور در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می کوشید“ [3]

بہادر شاہ، بدستور شیعہ مذہب کو رواج دینے اور تقویت پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔

---

[1] مکتوبات۔ جلد دوم۔ مکتوب ۶۷، ۱۳۵۔

[2] تاریخ ارادت خاں ELLIOT AND DOWSON VOL. VII P. 55/-2

[3] سیر المتاخرین۔ ص ۷

اس نے خطبہ میں اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ شامل کرایا تھا[1]۔ علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے نام کے ساتھ خطبوں میں وصی مصطفےٰ کا اضافہ کیا تھا[2]۔ اسی اضافہ پر لاہور، احمد آباد اور دیگر مقامات پر سخت قسم کے فسادات ہوئے۔ حاجی یار محمد نے نہایت جرأت اور ہمت سے بادشاہ کی مخالفت کی۔ اور جب وہ ناراض ہوا تو کہا: ”حق تعالیٰ کی چار نعمتیں ہیں۔ علم، حفظ قرآن، حج اور شہادت۔ بفضل الٰہی تین نعمتیں مجھے حاصل ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کے ذریعے سے چوتھی بھی حاصل ہو جائے“

بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ (۱۷۱۳ء) تخت پر آیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور ایک ناچنے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کی ابروئے چشم کے اشارہ پر لوگوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ کوئی ایسا اخلاقی، سماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔ لعل کنور نے ایک دن اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی۔ حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش بھی پوری کر کے دکھا دی جائے[3]! خود بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ لعل کنور کے ساتھ بازاروں میں پھرتا تھا اور اس کے ساتھ شراب خانوں میں شراب پیتا تھا۔ کبھی راوں کے قطعے بنوا کر آگ لگاتا تھا[4]۔ عیش و عشرت کے اس ماحول نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا، اور حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ ”قاضی قرابہ کش اور مفتی پیالہ نوش“ ہوں۔ [5]

جہاندار شاہ کے جانشین فرخ سیر (۱۷۱۲-۱۷۱۹ء) میں سب سے بڑی برائی اس کی کمزوری تھی[6] جس کے باعث ملک میں متعدد فتنے کھڑے ہو گئے۔ یہ حضرت شاہ عبد الرحیم

---

[1] KEENE: THE TURKS IN INDIA P. 199 FN

[2] منتخب اللباب۔ خافی خاں۔ جلد دوم۔ ص ۶۸۱۔ ۶۶۱۔ ۶۰۳

[3] عبرت نامہ کامراج بحوالہ LATER MUGHALS I P. 192.

[4] مراۃ واردات (قلمی) و تذکرۃ الملوک یحیٰ (قلمی)

[5] تاریخ ہند۔ مولوی ذکاء اللہ۔ جلد نہم ص ۸۹

[6] LATER MUGHALS, I P. 396

صاحب دہلوی کا اثر تھا کہ وہ اتنے دنوں تخت پر رہ سکا۔[1] اُن کے وصال کے ۵۰ دن بعد وہ قید ہو گیا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے صرف اس غرض سے کہ مغلوں کا سیاسی اقتدار کہیں ان جلد جلد تبدیلیوں کی نذر نہ ہو جائے، اس کو قائم رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن کم زوری ایک ایسا مرض تھا جس نے اسے کبھی حالات پر قابو نہ پانے دیا۔

فرخ سیر کے زمانے میں ایک شخص نمودوا نمود نے نبوت کا دعوے کیا، اپنا علیحدہ مسلک، قواعد اور زبان ایجاد کی۔ آتوسہ مقدسہ نامی کتاب کو الہامی کتاب بتایا۔ اور دعویٰ کیا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک لاہوتی عہدہ بیگوکت ہوتا ہے اور وہ اسی پر قائم ہے۔ فرخ سیر اس شخص سے اتنا متاثر ہوا کہ تنہائی میں اس سے ملاقات کی۔ بادشاہ کی اس دلچسپی اور احترام سے اس مفسد دینی کو اپنے کام میں بڑی مدد مل گئی۔

محمد شاہ افیون کا شوقین اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ دن رات حرم میں پڑا رہتا تھا۔ ۲۸ سالہ دورِ حکومت میں اگر وہ کبھی محل سے باہر نکلا ہے تو صرف لونی پارک میں گھومنے کے لئے یا گڑھ کا میلہ دیکھنے کے لئے۔[2] اس کے جانشین احمد شاہ کا بھی یہی عالم تھا۔ ایک میل تک اس کا زنانہ محل تھا، ہفتوں تک کسی مرد کی شکل اس کے سامنے نہ پڑتی تھی۔

شاہ عالم ثانی کے دربار کا حال پولیر نے لکھا ہے۔[3] جو مطالعہ کے قابل ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے مشاغل، ذہنی اور فکری صلاحیتیں کیا تھیں اور وہ کس حد تک اس زمانے کے سیاسی نظام کو سنبھالنے کی قابلیت رکھتے تھے۔

سلاطین کی عادتوں اور دلچسپیوں کی نقل امراء کرتے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں امراء

۱ے انفاس العارفین۔ ص ۹۲

۲ے FALL OF THE MUGHAL EMPIRE, VOL I, P. 6

۳ے SHAHALAM II AND HIS COURT BY ANOTOINE HENRI POLIER EDITED BY P. GUPTA (CALCTTA 1947)

کے گھر عیاشی کے اڈے تھے۔ مخربِ اخلاق عادتیں ان کا معمول تھیں اور ان کے ضمیر کی آواز اتنی دھیمی پڑ چکی تھی کہ کبھی انھیں بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ ان کی حرکات اخلاق و مذہب کی توہین ہیں۔

صوفیۂ خام اور علماءِ سوء کی حالت "اگر احبارِ یہود کی حالت دیکھنا چاہو تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو"۔[1] —— ان الفاظ میں اٹھارہویں صدی کے سب سے بڑے عالم نے اپنے ہم عصر علماء کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے صوفیۂ خام اور علما [illegible] ہر قسم کی گمراہیوں کا شکار تھے اور ان کی گمراہی کا اثر ہر گروہ پر پڑتا تھا۔

دنیا پرستی سے زیادہ بری کوئی لعنت علماء سوء کے لئے نہیں ہو سکتی۔ اس دور کے علماء اسی میں گرفتار تھے اور مختلف امراء اور رؤسا سے منسلک ہو کر سیاست میں حصہ لے رہے تھے —— ایسی سیاست جس کا مقصد دوسروں کی فلاح و بہبود نہ تھا بلکہ اپنے لئے جاہ و منزلت حاصل کرنا تھا۔ اکبر کے زمانے میں علماء کی اس دنیا پرستی کے خلاف حضرت مجدد صاحب نے آواز اٹھائی تھی۔ اس دور میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کے خاندان نیز شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، اور اُن کے منسلکین نے اس رجحان کے خلاف جنگ کی اور علماء کو اُن کے فرائض یاد دلائے۔

اس دور کے علماء نیم یونانی علوم میں پھنسے ہوئے تھے۔ اُن کا سارا وقت دوراز کار بحثوں میں صرف ہوتا تھا۔ قرآن و حدیث سے اُن کا رابطہ تقریباً ٹوٹ چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے اس ماحول میں للکارا اور اعلان کیا:

"یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیتِ محکم کا نام ہے یا سنتِ ثابتہ قائمہ کا"

یہ خاندانِ ولی اللّٰہی کا وہ اعلان تھا جس سے علم کے متعلق سارے ہندوستان کے نظریے

۱ے الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ دہلوی۔

بدل گئے حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تایا شیخ ابوالرضا الہندیؒ کے شاگرد تھے۔ اس لئے علم کے متعلق اُن کا نظریہ بھی وہی تھا جو خود حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے بزرگوں کا تھا۔ علومِ دینی کے متعلق اس دور کے مشائخ چشت کے خیالات کی اساس و بنیاد اسی پر تھی۔ اور انھوں نے زمانے کے عام رجحانات کے خلاف اس سلسلہ میں سخت جنگ بھی کی۔

صوفیۂ خام کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ اُنھوں نے نہ صرف مشائخ متقدمین کی روایات کو فراموش کر دیا تھا بلکہ غیر اسلامی فکر و کردار اُن کا سرمایۂ زندگی بن گیا تھا۔ تصوف کے سرچشمے قرآن وحدیث سے ہٹ کر ویدانت اور اپنیشد کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ عملیات اور تعویذ گنڈوں میں حد سے زیادہ اعتقاد بڑھ گیا تھا۔ پیر کی غیر شرعی حرکات حجت سمجھی جاتی تھیں شاہ ولی اللہؒ نے ان لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا۔

"میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب ویابس کو لے بیٹھے تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا۔ تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا۔ حالانکہ تم فراخی کے لئے مامور تھے، نہ کہ تنگی کے لئے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے، حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں۔"

اس قسم کے صوفیہ نے مذہبی تعلیم کو مسخ کرنے کے ساتھ ساتھ، ملت کے قوائے عمل کو شل کر دیا تھا۔ اس دور کے مشائخ چشت نے اس قسم کے صوفیہ کے خلاف آواز بلند کی اور تصوف کی خالص اسلامی صورت نکھار کر پیش کی۔

عام مسلمانوں کی دینی زندگی جب بادشاہ، علماء اور صوفیہ ہی صدہا اخلاقی عیوب اور دینی گمراہیوں میں مبتلا تھے، تو عام مسلمانوں کی زندگی کا ذکر ہی بے کار ہے۔ "الناس علیٰ دین ملوکھم"۔ قرونِ وسطیٰ کا ایک ناقابل تردید اصول تھا۔

اس دور میں عام مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لینے کے لئے شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس حکیم الامت نے ملت کی بیماریوں کا تجزیہ

بڑی بالغ نظری کے ساتھ کیا ہے اور اس کی ایک ایک دکھتی ہوئی رگ کو پکڑا ہے۔ اس زمانے کے صوفیۂ کرام کی کوششوں کی اصلی نوعیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حضرت محدث دہلویؒ نے جن خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن ہی کے ازالہ کی کوششیں ہیں:

(۱) شرک :-

"تم غیر اللہ کے لئے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو، یہ تمھارے بدترین افعال ہیں۔" (تفہیمات)

"تم نے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔" (تفہیمات)

(۲) ارکانِ دین سے غفلت :-

(ا) "تم نمازوں سے غافل ہو، کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لئے وقت نہیں پاتا، اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔" (تفہیمات)

(ب) "تم زکوٰۃ سے بھی غافل ہو، تم میں کوئی مالدار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں۔ وہ اُن کو کھلاتا اور پہناتا ہے مگر زکوٰۃ و عبادت کی نیت نہیں کرتا۔" (تفہیمات)

(س) "تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو اور اس کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو۔" (تفہیمات)

(۳) فسق و فجور :-

"چاہیئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعے پورا کرو، خواہ تمھیں ایک سے زیادہ ہی نکاح کیوں نہ کرنا پڑے۔ تمھاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اُٹھاتے رہو۔" (تفہیمات)

(۴) بُری رسُوم :-

"اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کرلی ہیں جن سے دین متغیر ہو گیا ہے۔ مثلاً یوم عاشورہ کو تم باطل حرکات کرتے ہو۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے، کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنا لیا ہے، اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے۔ پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیے۔

(تفہیمات)

(۵) غیر شرعی حرکات

"پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمھاری زندگی تنگ ہو رہی ہے مثلاً شادیوں میں فضول خرچی، طلاق کا ممنوع بنا لینا، بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے۔"

(تفہیمات)

کاہلی اور فضول خرچی

"اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمھاری ضرورتیں پوری ہوں۔ دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ کر کھایا کرو۔ تم اُن سے مانگو اور وہ نہ دیں۔ اس طرح بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ۔ تمھارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمھیں معاش کی راہ بھی سجھائے گا۔"

(تفہیمات)

"اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو۔"

(تفہیمات)

شیعہ سنی تنازعات اٹھارہویں صدی کا ایک اہم مسئلہ شیعہ سنی تعلقات کا بھی تھا۔ اورنگ زیب کے بعد شیعوں کا سیاسی اثر بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا تھا۔ اتنا کہ اورنگ زیب کا جانشین بہادر شاہ تک شیعوں کے اثر میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد سادات بارہہ کے اقتدار سے شیعوں کو بہت تقویت حاصل ہو گئی اور ایرانی اور تورانی پارٹیوں کے اختلافات کی بنیاد

صرف سیاست نہ تھی، بلکہ مذہبی اختلافات کو بھی اس میں کافی دخل تھا مرزا مظہر جان جاناںؒ کی شہادت میں مذہبی اور سیاسی دونوں عوامل کو دخل تھا۔ اُن کا سُنی عقیدہ اور روہیلوں میں اُن کا اثر شیعہ حلقوں میں کافی خطرناک سمجھا جاتا تھا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کے زمانے میں بھی شیعوں کے اقتدار کا مسئلہ نورجہاں کی وجہ سے بہت اہم ہو گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک رسالہ "ردِ روافض" کے نام سے لکھا تھا! اس زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی فاضلانہ کتاب "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا" کے ذریعے خلافتِ راشدہ سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا خیال ہے کہ پورے اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر ایسی کتاب موجود نہیں ہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے بھی ایک کتاب ردِ روافض کے نام سے تصنیف فرمائی تھی۔

چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے شیعوں کے عقائد کی اصلاح کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو ہدایت کی کہ وہ "معتقدات رفض" کو روکنے کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ شاہ فخر الدین صاحبؒ نے شیعوں کی مخالفت کا مقابلہ سختی سے نہیں بلکہ محبت سے کیا۔ جس شخص نے مرزا مظہر جان جاناںؒ کو شہید کیا تھا اس نے اُن کو بھی شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اُن کی مجلس میں پہنچ کر ایسا متاثر ہوا کہ اپنے ارادہ سے توبہ کرلی۔ شاہ فخر الدین صاحبؒ نے بہت سے شیعوں کو بھی مرید کیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایک بار اس پر اعتراض کیا تو فرمایا: "مرید ہو کر وہ تبرّے سے باز آجاتے ہیں!" آخری زمانے میں شاہ سلیمان تونسویؒ نے یہ راہ اختیار کی کہ سُنی مسلمانوں کو شیعوں کی صحبت اور اثر سے بچنے کی تلقین کی۔

شیعوں سے مذہبی عقائد کے اختلاف کے باوجود ان بزرگوں نے اپنے عادلانہ اور منصفانہ رویے میں فرق نہ آنے دیا۔ وہ ہر چیز کو اس کی حقیقی صورت میں دیکھتے تھے، اور وقتی مخالفت کی رو میں بہہ کر عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شیعوں کو کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ دریافت کیا تو شاہ صاحبؒ نے اختلاف کیا۔ وہ شخص یہ کہہ کر کہ "ایں شیخ ہم شیعی است"[۱] چلا گیا۔ ایک روہیلہ

[۱] ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ، ص ۳۲!

پٹھان آفتاب نامی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک دن شاہ صاحبؒ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے تو اس کو اس قدر غصہ آیا کہ خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا بیان ہے!

"بندہ را شیعہ فہمیدہ، آمدن درس موقوف کرد" ۱؎	بندہ کو شیعہ سمجھ کر درس میں شریک ہونا بند کر دیا۔

جن بزرگوں کا کام انتشار و ابتری کے زمانے میں قوم کے ذہنی توازن کی نگہبانی کرنا تھا وہ خود عوام کے جذبات کا شکار کیسے ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف انھوں نے رفض کی تردید میں اپنی زبان اور اپنے قلم کو جنبش دی، تو دوسری طرف سنی مسلمانوں میں شیعوں کے خلاف تشدد کو روکا اور اپنے افکار اور معاملات میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا۔

آئیے، اب حالات کے اس پس منظر میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے مشائخ سلسلۂ چشت کے حالات کا مطالعہ کریں!

۱؎ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ ص ۳۲!

باب اول

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ

شہر لو کیلو کھڑی، سیری، تغلق آباد، جہاں آباد، فیروز آباد کی آبادیاں اپنے عروج و کمال کی داستانیں صفحۂ روزگار پر لکھ کر ہمیشہ کے لئے پژمردہ ہو چکی ہیں۔ دلی شاہجہاں آباد کا لباس زیب تن کرنے حسن و جمال کے ساتھ اُبھر رہی ہے۔ ایک طرف جامع مسجد کی شاندار عمارت اور اس کے عظیم الشان گنبد اور مینار فلک سے سرگوشیاں کر رہے ہیں، دوسری طرف قلعہ ایک پھول کی طرح اپنی پنکھڑیاں کھولے مسکرا رہا ہے، جمنا خاموشی سے اس کی تصویر کو سینے سے لگائے دبے پاؤں بہہ رہی ہے۔ ہر طرف نئے بازار ہیں، نئی دکانیں اور نئے مکانات۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہنگامۂ رنگ و بو ہمیشہ قائم رہے گا۔ قلعہ کی فصیل کے برابر، ٹھنڈی سڑک سے ملا ہوا، خانم کا بازار ہے ۱؎ جو بساطیوں، جڑاؤ کام کرنے والوں مرصع کاروں کی دکانوں ۲؎ سے جنت نگاہ بنا ہوا ہے۔ اسی بازار میں شاہجہاں نے معماروں کے اس خاندان کو جس نے سنگ سرخ پر اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے کرشمے دکھائے ہیں،

۱؎ واقعات دار الحکومت دہلی ج۱- ص ۱۲۳

۲؎ سیر المنازل، سنگین بیگ (قلمی نسخہ)

NafseIslam

ایک عالی شان مکان انعام میں دیا ہے۔ ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۸ء میں شاہ جہاں آباد کی یہ عمارتیں تکمیل کو پہونچتی ہیں۔ اور دو سال بعد (یعنی ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء) میں اس معمار خاندان میں ایک لڑکا کلیم اللہ پیدا ہوتا ہے ؎

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

اس کے بزرگ معماری کا پیشہ کرتے تھے، لیکن مشیت ایزدی کا تقاضا ہوا کہ خود اس سے "دلوں کی معماری" کا کام لیا جائے اور جب قلعہ پر نکبت و ادبار کی گھٹائیں امنڈ کر آئیں اور یہ ہنگامۂ رنگ و بو بکھرنے لگے تو وہ اپنی شعلہ نوائی سے اجالا کر دے، اور جب شاہ جہاں آباد کی بستی ویران ہونے لگے تو وہ دلوں کی ایک نئی بستی آباد کرنے میں مصروف ہو جائے۔ اس کی سحر کار آواز نربدہ اور تاپتی کے کناروں سے ٹکرائے اور احیائے دین کی نئی تحریکیں اس کے زیر اثر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں۔ یہ تھے شاہ کلیم اللہؒ جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ دہلی میں رشد و ہدایت کے چراغ جلائے اور جن کا نظام اصلاح و تربیت دکن تک پھیلا ہوا تھا۔ انھوں نے چشتیہ سلسلہ میں ایک نئی روح پھونکی اور تجدید و احیاء کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہو گیا تھا، اور صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ، حضرت نور قطب عالمؒ، علامہ کمال الدینؒ اور دیگر مشاہیر نے

---

۱ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"اسلافش بہ کسب معماری اشتغال داشتند
حق تعالیٰ اورا بہ معماری قلوب اختصاص بخشید
و عالم عالم دلہا را بہ تردستی ہمت معمور گردانید"

مآثر الکرام ص ۴۲

سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی جد و جہد کی تھی لیکن سلسلہ کو ایک "کل ہند ادارہ" کی حیثیت سے زندہ نہ کر سکے تھے۔ مرکزیت کے فنا ہو جانے سے سلسلہ کے نظام کی اساس و بنیاد ہی بدل گئی تھی۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کا یہ کارنامہ تھا کہ انھوں نے چشتیہ سلسلہ کے بے ترتیب نظام میں پھر ایک بار باقاعدگی پیدا کی اور متقدمین صوفیہ کی نہج پر تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کر دیا۔ انھوں نے ملک کے دور دراز علاقوں میں اپنے خلفاء بھیجے اور ان کے ذریعے ایک گرتی ہوئی سوسائٹی کو انتشار و ابتری سے بچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ ان ہی کی کوششوں کی رہین منت تھی۔

شاہ صاحبؒ نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی تھی جب ہندوستان کے مسلمان نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے۔ سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا۔ معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا، زندگی تسکرِ دوام میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ہر شخص ایک گونہ بے خودی کے عالم میں مست و خراب تھا۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی اور اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو اوہام کا تار و پود۔ شاہ صاحبؒ نے تنزل اور انحطاط کے اس دور میں احیاء ملت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جو کوششیں کیں وہ اسلامی ہند کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ وہ حالات کی ناسازگاری کو پہچانتے تھے، زمانے کی رفتار کو دیکھتے تھے، لیکن ہمت نہ ہارتے تھے اور اپنے خلفاء سے پکار پکار کر کہتے تھے:

"در اعلائے کلمۃ الحق باشید و — اعلاء کلمۃ الحق میں مصروف رہو
جان و مال خود صرف ایں کار — اور اپنے جان اور مال کو اسی میں
کنید" ۱ — صرف کر دو۔

دہلی کے مشہور بازار خانم[۲] میں اُن کی خانقاہ تھی۔ خانقاہ کیا تھی علم و معرفت

---

۱ مکتوبات کلیمی، مکتوب ۲۱ ص ۳۶۔ ۲ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے

رموزِ حکمت، احسان و سلوک کا سرچشمہ تھی۔ ہزاروں تشنگانِ معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے وہاں آتے تھے۔ شائقین علم و فضل اُن کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونا باعثِ فخر و مباہات تصور کرتے تھے۔ آزاد بلگرامی کا بیان ہے:

امراء و فقراء حلقۂ اعتقاد در	امیر اور فقیر (سب ہی) اُن کے
گوش داشتند، و بہ مطالب دینی	حلقہ بگوش تھے اور دینی اور دنیوی
و دنیوی کامیابی اندوختند[1]	مقاصد میں کامیابی حاصل کرتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کا علمی مرتبہ بلند اور ان کے روحانی کمالات عظیم الشان تھے۔ مآثر الکرام میں لکھا ہے:

در علوم عقلی و نقلی پایۂ بلند و در	علوم عقلی اور نقلی میں اُن کا پایہ
حقائق و معارف رتبۂ ارجمند	بلند اور حقائق و معارف میں ان
داشت[2]	کا رتبہ ارجمند تھا۔

علم و عشق کے اس اجتماع نے شاہ کلیم اللہ کی شخصیت میں بڑی دلنوازی اور غیر معمولی کشش پیدا کر دی تھی۔ عالم ان کے علم کا لوہا مانتے تھے اور راہ سلوک کے چلنے والے اُن کے آستانہ پر اپنا مطلوب دلی حاصل کرتے تھے۔ ہر طرف سے مخلوق کھنچ کھنچ کر اُن کے یہاں پہونچتی تھی اور علمی اور روحانی سعادتوں سے مالا مال ہو کر لوٹتی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وہ خانم کا بازار بھی ایک بہت بڑا اور پُر رونق بازار تھا جو قلعے کی فصیل کے برابر مسراو گیوں کے مندر تک چلا گیا تھا۔ جہاں اب ٹھنڈی سڑک ہے۔ یہ سارا میدان بھی صاف ہو گیا۔ غرض یہ کہ جامع مسجد کے دروازہ شرقی کے محاذ میں جو صاف اور چٹیل میدان نظر آتا ہے یہ حصہ فوجی اغراض اور دور اندیشی سے عمارات سے صاف کر دیا گیا۔ اس میں اب ایڈورڈ پارک بنایا ہے، اور پریڈ گراؤنڈ ہے۔"

واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم۔ ص ۱۲۳۔

[1] و [2] مآثر الکرام ص ۴۲

دلوں کا معمار | شاہ صاحبؒ کے اسلاف معماری کا پیشہ کرتے تھے، لیکن خود ان کو بقول آزاد "اللہ تعالیٰ نے دلوں کی معماری کے لئے مخصوص کیا تھا۔" خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

ما و شمارا کار فراہم آوردن تنگہ	ہمارا اور تمہارا کام تنگہ، نقد اور
و نقد و جنس نیست، فراہم	جنس جمع کرنا نہیں ہے بلکہ دلوں
آوردن دلہا مطلوب است	کا اکٹھا کرنا مقصود ہے۔ تاکہ
تا دلہائے عاشقان صادقان	عاشقان صادقان کے دل اکناف
از اطراف عالم جمع آریم[1]	و اطراف عالم سے کھینچ کر ایک جگہ
	جمع کریں۔

یہی وہ کام ہے جو تصوف کی روح اور اخلاق کی جان ہے اور جس کی اہمیت حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے مولانا فخر الدین مروزیؒ کو ایک مکتوب میں سمجھائی تھی[2]۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی پوری زندگی عشق خالق اور دلنوازی خلق میں بسر ہوئی تھی۔ اُن کو اگر "معمار قلب" کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

خاندان | مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

"نام پدر ایشاں حاجی نور اللہ	ان کے والد کا نام حاجی نور اللہ بن
بن شیخ احمد بن شیخ حامد[3] صدیقی	شیخ احمد بن شیخ حامد صدیقی تھا
از اولاد حضرت ابا بکر صدیق	وہ حضرت ابو بکرؓ کی اولاد سے تھے۔
رضی اللہ عنہ اند۔ آباء و اجداد	ان کے آباء و اجداد خجند کے رہنے

[1] مکتوبات کلیمی م ۳۴، ص ۳۶۔

[2] ملاحظہ ہو، سیر الاولیاء، ص ۳۵۵ - ۳۵۳۔

[3] شیخ حامد کے متعلق بعض مضامین میں مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ احمد معمار کے بھائی تھے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اُن کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایشاں ساکنان شہر خجند بودند، پدر ایشاں در زمان سلطنت سلطان شہاب الدین شاہجہاں بادشاہ دہلی در شاہجہان آباد یعنی دہلی نو آمدہ بود و پدر ایشاں در علم نجوم و ہیئت کمالیت تمام داشت، بنا بر آں بادشاہ مذکور وقت تعمیر لال قلعہ ایشاں را از

والے تھے۔ ان کے باپ شاہ جہاں کے زمانے میں شاہ جہاں آباد میں آئے، وہ علم نجوم اور ہیئت میں انتہائی کمال رکھتے تھے۔ اسی بناء پر شاہ جہاں نے لال قلعہ کی تعمیر کے وقت ان کو شہر خجند سے طلب کیا تھا۔

محض دوستی اور ہم وطنی کا تعلق تھا۔ مناقب المحبوبین نے اس سلسلہ میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ لیکن کوئی معاصر شجرہ ایسا نہیں ملتا جس سے اس امر کی تصدیق ہو سکے میرے خیال میں استاد حامد کے نام پر اس علاقہ میں کوچہ کا نام پڑنا اُن کے بزرگ خاندان ہونے کی دلیل ہے اور کوئی وجہ بظاہر ایسی نہیں کہ مناقب المحبوبین کے بیان کو ناقابل اعتبار سمجھا جائے۔ مولوی انوار الحق دہلوی قادری نے شیخ نور اللہ کے متعلق لکھا ہے: "صدیقی نژاد بود از اولاد امجاد حضرت امیر المومنین ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کما یلوح من تعشیر الکلیمی" (ص ۴۸ احوال شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ" قلمی سر شاہ سلیمان کلکشن)

حلیب اللہ اکبر آبادی (۱۰۸۳-۱۱۶۰ھ / ۱۶۷۲-۱۷۴۷ء) صاحب ذکر جمیع اولیائی دہلی ان کے حال میں لکھتے ہیں ——

حاجی کلیم اللہ بن شیخ حامد محدث مرید شیخ یحییٰ مدنیؒ ولی کامل، فاضل اکمل، صاحب تقویٰ و ریاضت بود۔ مدت پنجاہ سال در شاہجہان آباد در بازار خانم درس حدیث و تعشیر و تکمیل مریداں اشتغال داشت (الف، نسخہ برٹش میوزیم)

ایسا خیال ہوتا ہے کہ شاید دو نام کاتب کی غلطی سے چھوٹ گئے ہیں۔

شہر خجند طلبیدہ بود[1]

شاہ کلیم اللہ کے دادا احمد معمار عہد شاہ جہانی کے مشہور ماہرین فن میں تھے شاہان مغلیہ کی طرف سے نادر العصر کا خطاب ملا تھا۔ اقلیدس، ہیئت، نجوم، ریاضی وغیرہ پر کامل عبور رکھتے تھے، یونانی ریاضیات کی سب سے اونچی کتاب مجسطی اور خواجہ نصیر طوسی کی تحریر اقلیدس کے عالم تھے۔ ان کے بیٹے لطف اللہ مہندس نے جو شاہ کلیم اللہؒ کے تایا تھے [2] ایک مثنوی میں اُن کے کارناموں کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

شاہ جہاں داورِ گیتی ستان — روشنی دودۂ صاحب قران
عرش بریں قبۂ خرگاہ اوست — رشک فلک شدہ درگاہِ اوست
احمد معمار کہ در فن خویش — صد قدم از اہلِ ہنر بود بیش
واقفِ تحریر و مقاماتِ آں — آگہ آں اشکال و حوالاتِ آں
از طرفِ داور گردوں جناب — "نادر عصر" آمدہ اورا خطاب
بود عمارت گرِ آں بادشاہ — داشت در آں حضرت فرخندہ راہ

تاج محل اور لال قلعہ کو اُن ہی نے تعمیر کیا تھا۔ مثنوی میں لکھتے ہیں ؎

کرد بحکم شہِ کشور کشا — روضۂ ممتاز محل را بنا
باز بحکم شہِ انجم سپاہ — شاہ جہاں داورِ گیتی پناہ
قلعہ دہلی کہ ندارد نظیر — کرد بنا احمدِ روشن ضمیر

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۵

[2] احمد معمار اور ان کی اولاد کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی اور پروفیسر نذیر احمد نے چند مضامین میں کافی مفید معلومات جمع کر دی ہیں (روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ، اجلاس اول ۱۹۳۳ء ص ۵۰۔۱؛ معارف فروری، مارچ ۱۹۳۶ء نیز مئی ۱۹۳۶ء؛ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۵۶ء، جنوری ۱۹۵۷ء وغیرہ، نیز ایچ آئی، ایس کنور کا مضمون "استاد احمد لاہوری" (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احمد معمار کا ذکر ایک مختصر رسالہ "احمد معمار" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ سبحان اللہ (ص ۲۱ نمبر ۳) میں موجود ہے۔ انھوں نے ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں انتقال کیا۔ ان کے تین بیٹے تھے، عطاء اللہ، لطف اللہ، اور نور اللہ، تینوں اپنی جگہ استاد سمجھے جاتے تھے۔ عطاء اللہ کے متعلق مثنوی میں لکھا ہے ؎

نادرِ عصر خود و مشہور شہر — عالم و علامہ و دانائے دہر
مردِ ہنر پرور و استادِ فن — فاضل و دانشور و حبرِ زمن
مخزن علم آمدہ تالیفِ اُو — گنج ہنر ہاست تصانیف اُو
نثر او از آب رواں پاک تر — نظم خوشش غیرتِ سلکِ گہر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم اور نثر دونوں میں عطاء اللہ کو کمال حاصل تھا لطف اللہ نے اپنے بڑے بھائی سے تعلیم حاصل کی تھی، کہتے ہیں ؎

منکہ سخن پرور و دانش ورم — بندۂ آں حبرِ سخن پرورم
منکہ ربودم ز جہاں گوئے علم — از چمنش یافتہ ام بوئے علم
منکہ شدم آگہ سرِ نہاں — از دم او یافتہ ام قوت جان

لطف اللہ علم ہندسہ کے ماہر تھے۔ مہندس خطاب شاہی تھا۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ اس مثنوی میں جس کے اقتباسات اوپر پیش کئے گئے ہیں انھوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مطبوعہ اسلامک کلچر جنوری ۱۹۴۷ء) ان مضامین سے یہاں استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان مضمون نگاروں میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ احمد معمار کے خاندان کی سب سے بڑی شخصیت شاہ کلیم اللہ رح دہلوی تھے۔

۱؎ لکھا ہے ؎ درزمان سعید شاہ جہاں — شاہ عالم پناہ جم مقدار
نادر العصر رفت و گفت خرد — شد بفردوس احمدِ معمار

۱۰۵۹ھ

۲؎ ماہر معمار و عمارت گریم
ماہمہ استاد و سخن پروریم

اپنے شاعرانہ کمالات کے جوہر دکھائے ہیں۔

احمد معمار کے سب سے چھوٹے بیٹے نور اللہ تھے، جو شاہ کلیم اللہ کے والد بزرگوار تھے۔ عمر میں لطف اللہ سے چھوٹے، لیکن کمالات میں اُن سے بڑھ کر تھے۔ بقول لطف اللہ ؎

لیک بود قصر کلامش عجب — زاں شدہ معمار مراورا لقب
گرچہ کم است بسالِ وے از سالِ من — بیش بود حال وے از حالِ من
نثر وے از نظم گہر بار تر — نظم ز نثر آمدہ ہموار تر
دیدہ ز نورِ سخنش پُر ضیا — طبع ز لطفِ سخنش پُر صفا
گنج ہنر آمدہ در مشتِ اُو — ہفت قلم راندہ سرانگشتِ او
گرچہ منم بے سخن استادِ فن — آں یک و ایں یک بود استادِ من

نور اللہ اپنے زمانہ کے بے مثال خطاط تھے۔ ساتوں قلموں میں ماہر تھے۔ لطف اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے ؎

گنج ہنر آمدہ در مشتِ او — ہفت قلم راندہ سرانگشت او

دہلی کی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ہیں وہ نور اللہ ہی کی باکمال انگلیوں کا کرشمہ ہیں۔ آخر میں بسمت شمال لکھا ہوا ہے ——————— کتبہ نور اللہ احمد

شجرہ

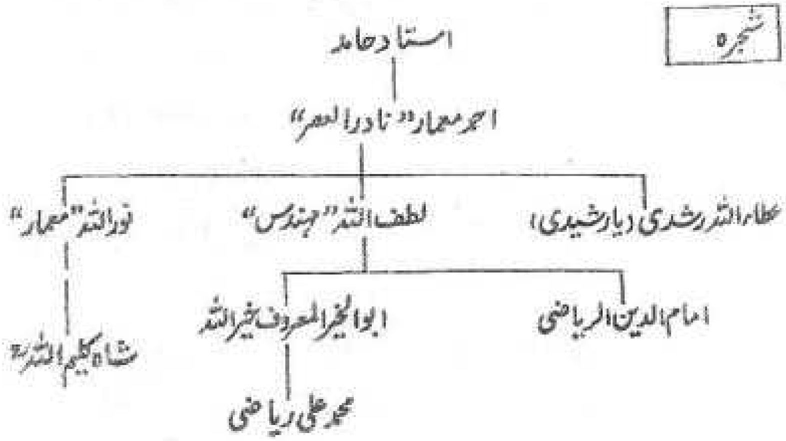

خاندانِ کلیمی کے تعمیری کارنامے

خاندانِ کلیمی کے تعمیری کارنامے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تاج محل - آگرہ
(۲) لال قلعہ - دہلی
(۳) جامع مسجد - دہلی
(۴) محل نواب آصف خاں - لاہور
(۵) قلعہ جات شمشیر گڈھ اور حسن ابدال
(۶) مقبرہ دلراس بانو بیگم، اورنگ آباد

خاندانِ کلیمی کے علمی کارنامے

اس خاندان نے صرف سنگ وستون ہی پر اپنا نقشِ دوام نہیں چھوڑا - اس کی یادگار چند کتابیں بھی ہیں جو اپنی جگہ اہم ہیں اور جن سے اِس خاندان کی علمی دلچسپیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

عطاء اللہ، رُشدی تخلص[۱] کرتے تھے اور نظم و نثر میں متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ لطف اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے ؎

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او   گنجِ ہنر ہاست تصانیفِ او

ریاضی پر اُن کی جن تین کتابوں کا علم ہوسکا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) بیج گنت
(۲) خلاصہ راز
(۳) خزینۃ الاعداد

بیج گنت بھاسکر اچار کی سنسکرت تصنیف ویجا گنیتا کا فارسی ترجمہ ہے۔ ویجا گنیتا

۱؎ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُن کا تخلص رشیدی تھا۔ لیکن بقول سی اے اسٹوری، رشیدی سے بعض اشعار کا وزن گرتا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے معنی علم جبر و مقابلہ کے ہیں۔ عطاء اللہ نے یہ ترجمہ شاہ جہاں کے آٹھویں سنہ جلوس یعنی ۱۰۴۴ھ ۱۶۳۴ء میں مکمل کرلیا تھا۔ اُسی کے نام معنون کیا گیا ہے۔ عطاء اللہ[۲] کے فارسی ترجمہ کو انگریزی کا جامہ ۱۸۱۳ء میں Strachey .E نے پہنایا اور لندن سے شایع کیا۔

خلاصہ راز[۱] میں حساب، مساحت اور جبر و مقابلہ سے متعلق مضامین ہیں۔ پورا رسالہ نظم میں ہے۔ رسالہ شاہزادہ دارا شکوہ کے نام معنون کیا گیا ہے۔ شروع میں شاہ جہاں کی مدح میں قصائد ہیں۔

خزینۃ الاعداد[۲] علم حساب، الجبرا اور اقلیدس میں ہے۔ یہ کتاب مبتدیوں، تاجروں اور سرکاری ملازموں کے لئے لکھی گئی تھی۔

لطف اللہ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہم تک پہنچی ہیں:

(۱) صورِ صوفی
(۲) رسالہ خواص اعداد
(۳) شرح خلاصۃ الحساب
(۴) منتخب الحساب
(۵) تذکرہ آسمان سخن
(۶) دیوانِ مہندس
(۷) سحرِ حلال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۲؎ قلمی نسخے برٹش میوزیم اور میونخ یونیورسٹی کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے C. A. Storey, Persian Literature Vol. II. p. 5.

۱؎ قلمی نسخے برٹش میوزیم [Rieu ii, 451 a] اور بانکی پور [جلد ۱۱، ۱۰۳۰] میں موجود ہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صورِ صوفی، عبدالرحمٰن صوفی (المتوفی ۳۷۶ھ / ۹۸۶ء) کی مشہور کتاب صور الکواکب کا فارسی ترجمہ ہے۔ لطف اللہ نے (۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء) میں اپنے باپ کے حکم سے اس کام کو انجام دیا، اور ان ہی کے نام سے اس کو معنون کیا۔ اس کا اصل نسخہ بخطِ مصنف مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ایک نسخہ برلن کے کتب خانہ میں بھی ہے (نمبر ۳۳۲ (۳))

رسالہ خواصِ اعداد، سات صفحات پر مشتمل ہے۔ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ کے اندر شامل ہے۔

لطف اللہ نے بہاء الدین عاملی کی کتاب خلاصۃ الحساب کا خلاصہ عربی ہی میں کیا تھا۔ (قلمی نسخہ رامپور جلد ۱، ص ۴۱۶) پھر خلاصۃ الحساب کا فارسی میں بھی ترجمہ کیا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں اور دوسرا رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

منتخب الحساب: بہاء الدین عاملی کی کتاب کا فارسی خلاصہ ہے۔ اس کے دو نسخے انڈیا آفس کے کتب خانے میں، ایک برٹش میوزیم، ایک کتب خانہ آصفیہ اور ایک مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ایک قدیم نسخہ خاکسار کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

آسمانِ سخن: دولت شاہ سمرقندی کے فارسی تذکرے کو اکبر کے زمانے میں ایک شاعر فائضی کرمانی نے دس طبقوں میں مکمل کیا تھا۔ لطف اللہ نے دو طبقات کا اس میں اضافہ کر کے اس کا نام آسمانِ سخن رکھ دیا۔ اس کا ذکر ڈاکٹر اسپرنگر نے شاہانِ اودھ کے کتب خانے کی فہرست میں کیا ہے۔

دیوانِ مہندس: ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، ایک قصیدہ میں دارا شکوہ کی تعریف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ے اس کا قلمی نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے (نمبر ۱۰۷)

ملاحظہ ہو: فہرست کتب عربی و فارسی و اردو کتب خانہ جامعہ بمبئی مترجمہ شیخ عبدالقادر

کی ہے۔

سحرِ حلال: علمِ اخلاق میں مختصر رسالہ ہے ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء میں تصنیف کیا گیا تھا۔ زبان فارسی ہے۔ اورنگ زیب کی تعریف کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لطف اللہ کے دارا شکوہ سے تعلقات کے باعث اورنگ زیب کو ان سے بدظنی پیدا ہوگئی تھی۔ ایک جگہ لکھا ہے ؎

شہا گوش بر داد خواہی نداری　　بحالِ گدایاں نگاہے نداری
رقیباں بقتلم نوشتند فتوے　　وگرنہ تو ہرگز گناہے نداری

غالباً تعلقات کو درست کرنے کے لئے لطف اللہ نے سحرِ حلال تصنیف کی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے (ص ۴۲، نمبر ۲) دوسرا مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ میں (نمبر ۲۶۸۶)۔

لطف اللہ کے دو بیٹے تھے۔ امام الدین الریاضی اور خیر اللہ۔

امام الدین کا ذکر شاہ کلیم اللہؒ نے اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ چاہتے تھے کہ امام الدین کی ایک لڑکی کا نکاح اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ سے کرا دیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"سخن صریح آنکہ میاں امام الدین
کہ برادر عموزادہ فقیر اند، دخترے
در سن چہاردہ سالہ فی الحال
بصلاح نماز و روزہ و تلاوت
قرآن آراستہ دارند......"

صاف بات یہ ہے کہ میاں امام الدین
کی جو فقیر کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ایک
لڑکی ہے جو ۱۴ سال کی ہے، نماز روزہ
تلاوت قرآن سے آراستہ ہے۔

امام الدین کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے: "ریاضیات کے اس ریاض علم کا یہی وہ نونہال ہے جس کے تذکرے کی خوشبو بارہویں صدی کے اہل تذکرہ کی محفل

ے مکتوباتِ کلیمی۔ م، ص ۱۵

تک پھیلی ہے۔"[1] اُن کے حالات خوش گو، حسین قلی خاں عظیم آبادی، کشن چند اخلاص اور احمد علی خاں سندیلوی وغیرہم نے لکھے ہیں۔ خوش گو کا بیان ہے:

"در جمیع علوم رسمی یگانہ و منفرد بود" — تمام علوم رسمیہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے

پھر آگے لکھا ہے:

"دریں جزو زماں از مغتنمات بودہ"

امام الدین نے ریاضی کی تعلیم اپنے والد سے، حدیث و فقہ کا درس ملا شیر محمد اور ملا جیون سے اور منطق و کلام میں شیخ بہلول سے استفادہ کیا تھا۔ تذکرہ باغستان میں اپنے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تصانیف کی فہرست بھی دی ہے۔ اس میں چھوٹی بڑی ۲۵ کتابیں شامل ہیں۔ فقہ، اخلاق، ہندسہ، اقلیدس، ہیئت، اشعار، اور موسیقی پر ایک رسالہ "در علم موسیقی بر قانون اہل ہند"—

اس فہرست سے ان کے تبحر علمی اور ادبی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱) تصویب (شرح تہذیب)

(۲) تقریب (شرح تہذیب)

یہ دونوں شرحیں تفتازانی کی مشہور کتاب تہذیب المنطق والکلام سے متعلق ہیں تقریب مختصر ہے اور مبتدیوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ تصویب اعلیٰ طالب علموں اور علماء فن کے لئے ہے۔

(۳) نہایت الحکمہ (میبذی کی شرح ہدایت الحکمت کی شرح ہے)

(۴) حاشیہ شرح مطالع (مطالع الانوار کی شرح پر حاشیہ ہے۔ فلسفہ منطق، جواہر، علم الٰہی وغیرہ سے متعلق ہے۔)

(۵) حاشیہ فارسی ہیئت (الرسالۃ الفتحیہ کی شرح ہے)

[1] معارف۔ اپریل ۱۹۳۶ء ص ۲۴۵

(۶) رسالہ در علم موسیقی

(۷) حاشیہ بر شرح خلاصہ (بہاء الدین عاملی کے خلاصۃ الحساب کی شرح ہے)

(۸) حاشیہ اخلاق ناصری

(۹) ترجمہ منظوم کیدانی

(۱۰) حاشیہ بر شرح چغمنی

(۱۱) رسالہ بیانیہ، (طالب علمی کے زمانہ کا کام تھا جس کو زیب النساء بیگم بنت اورنگ زیب کی خواہش پر ۱۱۰۲ھ میں مرتب کیا)

(۱۲) رسالہ تحقیق آیات وضو

(۱۳) رسالہ بدیعیہ

(۱۴) رسالہ منظوم النجوم

(۱۵) رسالہ مرآۃ المواقف

(۱۶) رسالہ نسبت مثناۃ و مثلث بالتکریر

(۱۷) تصریح (بہاء الدین عاملی کی تشریح الافلاک کی شرح ہے)

(۱۸) ترشیح (اپنی کتاب تصریح پر حاشیہ ہے)

(۱۹) مفاتیح (سورہ فاتحہ کی تفسیر)

(۲۰) رسالہ مجمع البحرین

(۲۱) شرح مناظر اقلیدس

(۲۲) شرح شرح خلاصۃ الحساب

(۲۳) کتاب الکرہ والمخروط والاسطوانہ

(۲۴) دیوان اشعار

(۲۵) باغستان (قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی)

ہر چند کہ ان کتابوں کی نوعیت حاشیوں اور شرحوں کی ہے، لیکن ان سے مصنف

کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کا اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔

اپنے علمی مرتبے، اقتدار اور مقبولیت کے باوجود امام الدین کا مزاج بالکل درویشانہ تھا۔ اس کا اندازہ صوفیہ کے متعلق اُن کے بیانات سے جو باغستان میں بکھرے ہوئے ہیں ہوتا ہے۔ استغنا اور اہل دول سے بے تعلقی اُن کی سیرت کی خصوصیات تھیں۔ کشن چند اخلاص ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اگر بادشاہ زمانہ قصد رصد بستن می کرد بایشاں تکلیف رصد بندی می کرد..... شب و روز بمطالعہ کتب و تدریس و تصنیف مشغول اند، ہر چند والد شریف در فن ریاضی شہرۂ آفاق بود لیکن پایۂ ایشاں بمراتب بالا بر رسیدہ کہ رصد بستن دون مرتبۂ ایشاں شدہ..... بہر حال در علمائے عصر کسے کہ علم را عزت دادہ باشد بصحبت ملوک و امرا ذلیل نگردد ہمیں ایشاں خواہند بود"[1]

(اگر بادشاہ وقت (بھی) رصد خانہ (کے اعلیٰ انتظام کا) قصد کرتا تو ان ہی سے اس سلسلہ میں رجوع کرتا۔ رات دن کتابوں کے مطالعہ اور تدریس و تصنیف میں مشغول رہتے ہیں۔ ہر چند کہ ان کے والد ماجد فن ریاضی میں شہرۂ آفاق تھے لیکن ان کا پایہ (علمی) اتنا بلند ہو گیا ہے (کہ) رصد خانوں سے متعلق کام ان کے مرتبہ سے فروتر سمجھا جانے لگا ہے۔ اس زمانہ کے علماء میں جس شخص کی ذات سے علم کو عزت حاصل ہوئی اور جس نے صحبت ملوک و امراء میں اس کو (علم کو) ذلیل نہ کیا وہی ہیں)

امام الدین الریاضی کا انتقال ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں ہوا۔

---

[1] ہمیشہ بہار، مصنفہ کشن چند اخلاص مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی اردو سہ ماہی، اکتوبر ۱۹۷۳ء ص ۸۹-۸۸؛

ابوالخیر معروف بہ خیر اللہ، محمد شاہ کے زمانے میں مشہور ہوئے۔ راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کے حکم سے دہلی، جے پور، بنارس، اجین میں جو رصد خانے قائم کئے تھے، اُن کی نگرانی خیر اللہ ہی نے کی تھی۔ وہ دہلی میں درس بھی دیتے تھے۔ محمد علی اُن کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ وہ بھی اپنے فن میں بڑے مشہور تھے۔ اُن کے بعد کسی شخص کو اتنی شہرت اس خاندان میں حاصل نہیں ہوئی۔ خیر اللہ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تقریر التحریر[1]
(۲) تقریب التحریر[2]
(۳) حاشیہ بر شرح بلیست باب در معرفت اسطرلاب[3]
(۴) شرح زیج جدید محمد شاہی[4]
(۵) شرح زلالی[5]
(۶) شرح حافظ[5]
(۷) شرح سکندر نامہ[5]

---

[1] قلمی نسخہ کتب خانہ نواب سالار جنگ (حیدرآباد) اور انڈیا آفس (نمبر ۲۳۶۰)
[2] قلمی نسخہ بانکی پور (۱۰۵۰) اور علی گڈھ فہرست میں اس کا نام ترجمہ مجسطی لکھا ہے۔ (نمبر ۷ علوم فارسی)
[3] یہ حواشی بانکی پور لائبریری کی شرح بست باب کے نسخے نمبر ۲۵ء کے کناروں پر درج ہیں
[4] اس شرح کا حوالہ علامہ حسین جون پوری نے اپنی مشہور تصنیف جامع بہادر خانی میں دیا ہے۔
[5] ان شرحوں کا ذکر تقریب التحریر کے دیباچہ میں ان کے بیٹے نے کیا ہے
[6] مطبع شرف المطابع دہلی سے ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی۔

کامل عبور تھا۔ طبیعت کا زیادہ رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اکثر اوقات اشغال و اذکار میں انہماک رہتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ درس و تدریس کا بھی شوق تھا، اور جو شائقینِ علم حاضر ہوتے تھے، ان کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے اس طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ آخری زمانے میں تفسیر بیضاوی اور مشکوٰۃ شریف کے علاوہ کسی کتاب کا درس دینا پسند نہ کرتے تھے[1]۔ وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ نماز جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ کہتے تھے۔ جن میں ہزاروں کی تعداد میں سامعین موجود ہوتے تھے۔ احادیث پڑھ کر اُن کا 'فارسی' اور 'ہندی' میں ترجمہ کرتے جاتے تھے[2]۔ اور ایسے پُر درد لہجے میں خطاب کرتے تھے کہ سننے والوں کے دل ہل جاتے تھے۔

شیخ ابوالرضاؒ وحدتِ وجود کے قائل تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بیان ہے:

”اکثر حال در توجہ الی اللہ یا بیان معارف با خواص اصحاب می گذشت، بوحدت وجود قائل بودند و دراں باب تحقیقے عظیم داشتند، و در مجالس صحبت مغلقات کلام صوفیہ را بسیار حل می فرمودند“	ان کا بیشتر وقت توجہ الی اللہ یا خاص اصحاب کے ساتھ حقائق و معارف پر گفتگو میں صرف ہوتا تھا۔ وہ وحدت وجود کے قائل تھے۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے زبردست تحقیق کی تھی۔ اپنی مجالس خاص میں صوفیہ کے کلام کی پیچیدگیوں (دقائق) کا حل بیان فرمایا کرتے تھے۔

استغنا کا یہ عالم تھا کہ اورنگ زیب نے متعدد بار اُن سے ملنے کی خواہش

---

[1] ”در آخر بجز دو سبق یکے از تفسیر بیضاوی و دیگر از مشکوٰۃ درس ایشاں نبود“۔ انفاس العارفین۔ ص۔ ۹۰۔

[2] انفاس العارفین۔ ص۔ ۹۰؛ مذہبی کتب کو عوامی زبان میں منتقل کرنے کی اہمیت کو سب سے پہلے انھوں ہی نے محسوس کیا تھا۔ [3] انفاس العارفین۔ ص۔ ۹۰

ظاہر کی، لیکن قبول نہ ہوئی۔ شیخ ابوالرضاؒ کے تفصیلی حالات، شوارق المعرفت اور انفاس العارفین میں مطالعہ کرنے چاہئیں۔

مدینہ منورہ کو روانگی

تکمیلِ علوم کے بعد، شاہ کلیم اللہؒ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ یک لخت مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ حافظ محمد جمال ملتانی سے روایت ہے کہ اوائل عمر میں ان کو ایک کھتری لڑکے سے گرویدگی پیدا ہو گئی تھی اور عشق اس درجے تک پہنچ گیا تھا کہ ایک لمحہ بھی اس کے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ دلی میں ایک مجذوب تھے۔ جن کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف اسی شخص کی نذر قبول کرتے تھے جس کا کام ہونا ہوتا تھا۔ شاہ صاحبؒ کچھ شیرینی لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے یہ نذر قبول کر لی۔ دوسرے دن شاہ صاحبؒ اس لڑکے کے پاس گئے۔ اس نے نہایت ہی لطف اور توجہ سے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی محبت سے پیش آیا۔ لڑکے کی اس ملاطفت سے شاہ صاحبؒ کی طبیعت بھر گئی، اور اُن کے مذہبی احساس نے پکار کر کہا ؎

ہمتِ عشق نہ ہو حُسن خط و خال میں بند
صیدِ ہر مور و مگس ہوتے ہیں شہباز کہیں

اب شاہ صاحبؒ کی طبیعت اس مجذوب کی طرف راغب ہو گئی۔ مجذوب کی صحبت سے شاہ صاحبؒ میں جذب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ احترام شرع کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی حالت کو چھپانے کی حد سے زیادہ کوشش کرتے تھے۔ لیکن جب ضبط نہ ہو سکا اور بالکل مجبور ہو گئے تو مجذوب سے اپنی حالت بیان کی اور امداد کے طالب ہوئے۔ اُنھوں نے جواب دیا:

”اگر آتش ازیں قسم خواہند نزد من بسیار است و آب نزد حضرت شیخ یحییٰ مدنی است آنجا بروید“	اگر اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو میرے پاس بہت ہے (لیکن) پانی حضرت شیخ یحییٰ مدنی کے پاس ہے وہاں جاؤ۔

شاہ صاحبؒ جن کا قلب و جگر اس آگ سے پہلے ہی جل چکا تھا اور جن کی تشنگی کسی ابرِ کرم کی منتظر تھی۔ شیخ یحییٰ مدنیؒ کا نام سُن کر بے اختیار مدینہ منورہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اُن کی والدہ ماجدہ حیات تھیں، لیکن جذبۂ شوق نے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ اُن سے جا کر اجازت لے لیں[1]۔ اس طویل مسافت کو نہ معلوم کن کن مشکلوں سے طے کیا اور بالآخر شیخ یحییٰ مدنیؒ کے قدموں میں جا پہنچے۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ

حضرت شیخ محی الدین ابو یوسف یحییٰ الچشتیؒ شیخ کمال الدین علامہؒ کی اولاد سے تھے۔ اپنے زمانے کے مشاہیرِ صوفیہ میں اُن کا شمار تھا۔ صاحب مرآۃ احمدی نے لکھا ہے:

"ذاتِ مبارکِ ایشاں حجت بود	اُن کی ذاتِ اقدس مشائخ سلف کے لئے
بر مشائخ سلف بلکہ در متقدمین	حجت کا درجہ رکھتی تھی (نمونہ کی حیثیت رکھتی تھی)
ہم مثلِ ایشاں کم بودہ باشند"[2]	بلکہ متقدمین میں بھی اُن کے ہم پایہ کم لوگ تھے۔

۲۰ رمضان سنہ ۱۰۰۱ھ کو احمد آباد (گجرات) میں پیدا ہوئے تھے۔ بیس سال کی عمر میں علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کر لیا۔ پھر ارشاد و تلقین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور تزکیۂ باطن میں مصروف رہنے لگے۔ شاہ و گدا سب ہی اُن سے عقیدت رکھتے تھے۔ اورنگ زیب جب گجرات کی صوبہ داری پر مامور تھا تو شیخ نظام کو ان کی خدمت میں بھیج کر ملاقات کی استدعا کی تھی۔ شیخ یحییٰؒ نے معذرت چاہی، لیکن پھر بھی اورنگ زیب اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے پیش گوئی کی کہ تم تخت پر متمکن ہوگے اور تم سے "دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم" کو تقویت پہنچے گی۔ لکھا ہے کہ شاہزادگی کے زمانے میں اورنگ زیب دو سو روپے سال اُن کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا تخت[3]

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۷۹۔

[2] خاتمہ مرآۃ احمدی۔ ص ۷۹۔

[3] خاتمہ مرآۃ احمدی۔ ص ۸۰۔

بیٹھنے کے بعد ہر سال ایک ہزار روپیہ بھیجنے لگا۔ سماع پر جب مرزا باقر محتسب نے شیخ کے مچلکے لئے تو اورنگ زیب نے معذرت کا خط لکھا اور محتسب کو تنبیہ کی کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرے۔ مکتوباتِ کلیمی میں ان کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے اورنگ زیب کے نام لکھا تھا:

از جانب شیخ یحییٰ سلام برسد	شیخ یحییٰ کی جانب سے سلام پہنچے
از آنجا کہ سماع قوتِ صلحا است	سماع نیک لوگوں کی غذا ہے۔
منع کردن را ہم وجہے ندارد۔	اس سے روکنے کی کوئی معقول وجہ
والسلام۔[2]	نہیں۔ والسلام۔

غالباً اس عقیدت اور تعلق خاطر ہی کی بنا پر اورنگ زیب اُن کی نقل و حرکت کے متعلق باخبر رہتا تھا۔ مجالس کلیمی سے[3] معلوم ہوتا ہے کہ ایک واقعہ نگار نے شیخ کی حجاز روانگی کی تاریخ ایک دن بعد یا پہلے لکھ دی تو اورنگ زیب نے اس کی گرفت کی۔ حضرت یحییٰ مدنیؒ ایک روحانی اشارے پر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں ۲۸ صفر سنہ ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء کو وصال فرمایا، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبرے کے متصل سپردِ خاک کئے گئے۔ اُن کے تفصیلی حالات کے لئے معارج الولایت فی مدارج الہدایت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اُن کے ملفوظات مفتاح الکرامات کے نام سے محمد فاضل بن شیخ فیروز نے ترتیب دیے تھے۔

شیخ یحییٰ مدنیؒ کے قدموں میں

مدینہ منورہ پہنچ کر شاہ کلیم اللہ صاحبؒ اپنا زیادہ وقت شیخ مدنیؒ کی خدمت میں گزارنے لگے۔ ایک دن شیخ مدنیؒ اپنے کسی شاگرد کو شرح وقایہ پڑھا رہے تھے۔ شاہ کلیم اللہؒ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ شیخ تو

---

[1] مرآۃ احمدی۔ ص ۸۱۔ [2] مکتوبات کلیمی۔ ص ۸۲، مکتوب ۱۰۳۔

[3] مجالس کلیمی (مطبع برہانیہ حیدرآباد ۱۳۳۵ھ) ص ۶؛ مجالس کلیمی کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے۔ (نمبر ۶۹۳/۱۵۶)

علوم ظاہری ہی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ شیخ مدنی رح نے اس خطرہ کو محسوس کر لیا اور وہ کتاب شاہ کلیم اللہ رح کے ہاتھ میں دے دی۔ شاہ صاحب رح کا یہ حال ہو گیا کہ کتاب کی عبارت تک سمجھ میں نہ آئی۔ اپنے خیال سے توبہ کی۔ پھر شیخ کے تقدس اور علم و فضل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی اور اپنے حسب حال یہ قطعہ پڑھا ؎

ای تو کہ از نام تو می بارد عشق
و ز نامہ و پیغام تو می بارد عشق
عاشق شود آنکس کہ بکویت گزرد
گویا ز در و بام تو می بارد عشق [1]

کچھ عرصہ شاہ کلیم اللہ رح حجاز میں مقیم رہے۔ شیخ مدنی رح نے اُن کو خرقۂ خلافت سے نوازا اور ظاہری و باطنی نعمت سے سرفراز کیا[2]۔ شاہ صاحب رح جب وطن کو واپس ہونے لگے تو انھوں نے ایک کلاہ اور شجرہ دیا کہ دہلی میں شیخ اچھا کو دے دینا۔ شاہ صاحب رح دہلی پہنچے تو سب سے پہلے اُن ہی سے ملاقات ہوئی اور آپس کی محبت اس قدر بڑھ گئی کہ ایک جان اور دو قالب ہو گئے، لکھا ہے :

"حضرت شیخ کلیم اللہ تصدق شیخ اچھا شدند، فیما بین ذوقہا و شوقہا وجدانہ بہم رسانید تا حین حیات رابطۂ یگانگت درمیان داشتند"[3]

حضرت شیخ کلیم اللہ شیخ اچھا کے جگری دوست بن گئے۔ ان دونوں کا باہمی تعلق دل کی گہرائیوں تک پہنچ گیا اور محبت و یگانگت کا یہ تعلق تمام عمر باقی رہا

---

۱ شجرۃ الانوار (قلمی)

۲ مآثر الکرام میں لکھا ہے "مدتہا در آں دیار فیض آثار بسر برد"۔ ص ۴۴

۳ تکملہ سیر الاولیاء، ص ۸۵

۴ شجرۃ الانوار میں شیخ اچھا کے مزار کے متعلق لکھا ہے: (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درس و تدریس — شاہ کلیم اللہ رح نے دہلی واپس آکر بازار خانم میں اپنا مسکن بنایا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بازار خانم اس وقت دلی کا سب سے زیادہ بارونق بازار تھا۔ ایک طرف قلعہ کی دلکش عمارت تھی، دوسری طرف جامع مسجد کے فلک بوس مینار، درمیان میں شاہ صاحب رح کا مدرسہ تھا۔ غالباً یہ جگہ ان کے خاندان کو شاہ جہاں کی طرف سے عطا کی گئی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ قلعہ اور جامع مسجد کے معماروں کے لئے اس سے زیادہ موزوں جگہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ شجرۃ الانوار کے مصنف نے لکھا ہے :

"غرض کہ فانی فی اللہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی در شہر شاہ جہاں آباد آمدہ رونق افزا شدند، در آں زماں رونق و تیاری قلعہ تازگی داشت[1] و جامع مسجد مسکن خود نمود و اکثر اوقات بعد از صلوٰۃ عصر زیر قلعہ برائے سیر دریا بنا بر تفرج طبع می رفت"۔

غرض یہ ہے کہ فانی فی اللہ حضرت شاہ کلیم اللہ، شاہ جہاں آباد تشریف لے آئے اور یہاں رونق افروز ہوئے، اس زمانہ میں قلعہ بہت بارونق تھا اور تازہ تازہ تیار ہوا تھا۔ انھوں نے جامع مسجد کو اپنا مسکن بنایا۔ اکثر نماز عصر کے بعد سیر کے لئے قلعہ کے نیچے دریا پر تشریف لے جاتے تھے۔

شاہ کلیم اللہ صاحب رح کی علمی شہرت بہت جلد اکناف ملک میں پھیل گئی اور دُور دُور سے طلباء تحصیل علم کے لئے اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، شاہ صاحب رح کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

"مزار شیخ اچھا در آں مجرا است کہ زیر روضۂ امیر خسرو واقع است، و مولوی غلام فرید برادر دینی احقر العباد و خلیفہ خاص حضرت مرشد من در آنجا مدفون اند"

۱ ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء میں قلعہ کی بنیاد رکھی گئی ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء میں تیار ہوا۔ تاریخ ہوئی ؎
شد شاہ جہاں آباد — از شاہ جہاں آباد

مدرسہ کے متعلق شجرۃ الانوار کا یہ بیان بہت اہم ہے:

بسیارے طلبائے علم آمدہ سکونت	بہت سے طلباء ان کی خدمت میں
می نمودند وسبق کتب ہا می خواندند	آکر رہتے اور علم حاصل کرتے تھے۔
ونان و پارچہ نیز از سرکاری یافتند	ان کو کھانا اور کپڑا بھی سرکار سے
	ملتا تھا۔

خود شاہ صاحبؒ کو حدیث کے درس میں خاص دلچسپی تھی۔ تذکروں میں مرزا مظہر جان جاناںؒ کا ایک واقعہ درج ہے کہ وہ شاہ صاحبؒ سے ملنے کے لئے ایک مرتبہ اُن کے مدرسہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کے درس میں مشغول ہیں۔[1]

توکل کی زندگی شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو توکل اور قناعت کی بے پناہ دولت ملی تھی۔ وہ عسرت اور تنگی میں دن گذارتے تھے لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا تو کیا معنی، امراء و سلاطین کی نذریں اور جاگیر نامے تک قبول نہ کرتے تھے۔ تکملہ سیر الاولیاء کا بیان ہے:

شیخ کی ملکیت میں لے دے کے کل ایک حویلی تھی جس کا ماہوار کرایہ ۱۲ آتا تھا۔ شیخ اس سے گذر اوقات کرتے تھے۔ ۸ ماہوار پر ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا اور باقی دو روپے میں پورے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔"[2]

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ قحط یا دیگر غیر معمولی حالات کے باعث اس مختصر سی آمدنی میں گذر اوقات نہ ہو سکی اور وہ قرض دار ہو گئے۔ ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو لکھتے ہیں:

دریں سالہا کہ از تنگی باراں صورت	اس زمانے میں جب کہ بارش کی

---

[1] انوار العارفین۔ ص ۴۳۰۔
[2] تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۸۵۔

قحط دریں ملک شدہ بود۔	کمی کے باعث ملک میں قحط کی صورت
وبانہ دہ نفر سوار مہماں گذراں	پیدا ہو گئی تھی اور نو دس آدمی علاوہ
می شد، گاہے بیگاہے قرض دار	مہمانوں کے کھانے والے تھے، اکثر
می شدم۔[1]	اوقات میں قرض دار ہو گیا۔

لیکن اس کے باوجود شاہ صاحبؒ نے کسی بادشاہ سے کچھ قبول نہیں کیا۔ فرخ سیر نے بہت کوشش کی کہ اُن کو خزانہ سے کچھ دے دیا جائے لیکن انھوں نے ہر بار انکار ہی کر دیا۔ تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

بادشاہ فرخ سیر بارہا الحاح نمود کہ حضرت از بیت المال چیزے قبول فرمایند، ایشاں جواب دادند کہ حاجت نیست۔ باز عرض کرد کہ حویلی از بہر نزول در معرض افتد۔ فرمودند بہ ایں نیز حاجت نیست۔[2] باز عرض نمود اگر اجازت باشد بندہ در خدمت آمدہ سعادتِ دارین بہ قدم بوسی حاصل نمودہ باشد۔ فرمودند کہ تو ظل الٰہی ہستی در سایۂ آں ذات ہمیشہ بہ دعا گوئی مشغول ام۔ بہ آں نیز حاجت نیست بلکہ

---

[1] مکتوب ۱۷، ص ۲۱
[2] بعد کو شاید شاہ صاحبؒ نے ایک حویلی قبول فرمائی تھی۔ ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین صاحبؒ کو لکھتے ہیں۔

شاہ ضیاء الدین برائے فقیر از بادشاہ حویلی یک ہزار و دو درعہ بازار خانم کہ مشتمل است بر یک ایوان و دو حجرہ و یک چاہ و یک چاچہ گرفتند م ۸۱ ص ۶۴

فخر الطالبین میں لکھا ہے کہ آخر زمانے میں شاہ صاحبؒ کی مالی حالت اچھی ہو گئی تھی اور فتوحات کا سلسلہ ایسا شروع ہوا تھا کہ انھوں نے قریب ایک لاکھ روپیہ املاک وغیرہ ترکہ میں چھوڑا تھا (ص ۱۴۶)، لیکن اُن کے مکتوبات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ آخر زمانہ کے مکتوبات سے بھی عسرت اور تنگی کی حالت ظاہر ہوتی ہے۔

بندہ را تصدیع خواہد رسید" ؎۱

مجالس کلیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرخ سیر کے طرز زندگی اور سیاسی ذمہ داریوں کے عدم احساس کے شاکی تھے۔ جمعہ کی نماز آپ جامع مسجد میں پڑھتے تھے، وہاں بادشاہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن آپ کا اتنا رعب تھا کہ اُسے بغیر اجازت بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ؎۲

شاہ صاحبؒ کا اخلاق | شاہ صاحبؒ نہایت حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان تھے۔ جب کوئی شخص جس کو ان کی ناراضگی کا خیال ہوتا، معذرت کا خط لکھتا تو اس انداز میں جواب دیتے کہ مومن کے اس شعر کی چلتی جاگتی تصویر بن جاتے ؎

نارسائی سے دم رُکے تو رُکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

وہ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی کبھی ناراض نہ ہوتے تھے۔ جب کسی سے تکلیف پہنچتی تو یہ شعر زبان پر آجاتے ؎

ہر کہ ما را رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ ما را یار نبود ایزد او را یار باد
ہر کہ خارے بر نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد ؎۳

اپنے مریدوں کو کبھی بھی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی جفا و قفا برداشت کریں ؎۴ اور لب نہ ہلائیں۔ کہتے تھے کہ ہمارا کام دلوں کو ایک جگہ کرنا ہے۔ اس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں، ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیئے۔ ؎۵

؎۱ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۸۵۔ ؎۲ مجالس کلیمی ص ۶،
؎۳ مکتوبات کلیمی۔ م ۲۳ ص ۲۸، م ۹۸ ص ۷۸۔
؎۴ مکتوبات م ۵ ص ۹۔ ؎۵ مکتوبات م ۲۳ ص ۲۷۔

دکن میں ایک بار کچھ لوگوں نے اُن کو بُرا بھلا کہا۔ شاہ نظام الدینؒ نے اس کی اطلاع ان کو دی تو جواب میں ارشاد فرمایا:

"ہر کہ ما را بد یاد می کند ما مستحق زیادہ از انیم کہ او لطف کردہ کم دشنام می دہد، ما عفو کردیم شما ہم عفو کنید" ؎۱

کوئی شخص ہمیں بُرائی سے یاد کرتا ہے (تو ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں اس لئے کہ ہم اس سے زیادہ بُرائی کے مستحق ہیں۔ اس نے لطف کیا اور ہمیں کم گالیاں دیں ہم نے اُسے معاف کر دیا، تم بھی اُسے معاف کر دو۔

ایک موقع پر نہایت موثر انداز میں اپنا نقطۂ نظر اس طرح سمجھاتے ہیں ——

"درویشی ہمیں جفا و خفا کشیدن از خلق ہست و برداشت و صبر نمودن بر آں و الا ژندہ پوشی ہر ناشستہ او ہم میتواند کرد، اگر کسے غیبت شما کرد، در نفس الامر اگر شما خوب ہستید بدی آں کس سرایت بشما نخواہد کرد بلکہ بہ ہمیں بدی او گرفتار خواہد بود۔ و اگر در نفس الامر شما خوب نیستند پس غیبت او موافق ارشاد شما شد" ؎۲

درویشی حقیقت میں لوگوں کی اسی جفا و قفا کے برداشت کرنے کا نام ہے اور اس پر صبر کرنا درویشی ہے ورنہ خرقہ تو ہر کس و ناکس پہن سکتا ہے۔ اگر حقیقت میں تم ٹھیک ہو تو اس شخص کی بُرائی تم پر اثر انداز نہ ہوگی بلکہ وہی خود اس بُرائی میں گرفتار رہے گا۔ اگر حقیقت میں تم ہی خراب ہو تو اس کا تم کو بُرا کہنا تمہاری فلاح کا باعث ہونا چاہیئے۔

؎۱ مکتوبات ص ۳۶ ؎۲ مکتوبات ص ۹

تصانیف | شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے، جس سے اُن کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناقب فریدی میں اُن کی تعداد ۳۲ بتائی گئی ہے[1]۔ اُن کی مندرجہ ذیل تصانیف ہم تک پہنچی ہیں:

(۱) — قران القرآن بالبیان
(۲) — عشرہ کاملہ
(۳) — سواء السبیل
(۴) — کشکول
(۵) — مرقع
(۶) — تسنیم
(۷) — الہامات کلیمی
(۸) — رسالہ تشریح الافلاک عاملی محشی بالفارسیۃ
(۹) — شرح القانون

شاہ صاحبؒ کی ایک تصنیف رسالہ ردّ روافض کا بھی بعض کتابوں میں ذکر ہے، لیکن وہ دستیاب نہیں ہوسکی۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ علم منطق پر بھی ان کا ایک رسالہ تھا[2] وہ بھی اب نایاب ہے۔ غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ شعر بھی کہتے تھے اور ان کا کلام غدر کی تباہیوں کی نذر ہوگیا تھا[3]۔ شعر و سخن سے دلچسپی اُن کے خاندان کی خصوصیت تھی۔

قران القرآن بالبیان عربی زبان میں قرآن پاک کی نہایت مختصر تفسیر ہے۔ مناقب المحبوبین کے فاضل مصنف نے اس کو جلالین کے ہم پایہ بتایا ہے۔ فرق صرف

۱؎ مناقب فریدی۔ ص ۳۴
۲؎ مناقب المحبوبین ص ۲۷ نیز مناقب فریدی ص ۳۴
۳؎ اردوئے معلی حصہ اول ص ۱۸۲ - ۱۸۳

اتنا ہے کہ وہ شافعی مذہب کی ہے اور یہ حنفی کی[1]۔ دیباچہ میں اپنا تعارف اس طرح کراتے ہیں الفقیر کلیم اللہ بن نور اللہ الحنفی مذھباً والصوفی مشرباً۔
اس تفسیر سے ان کا سب سے اہم مقصد تفہیم قرآن کی سہولت بہم پہونچانا تھا۔ ابھی فارسی میں قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کا کام عام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے انھوں نے عربی ہی میں تفسیر لکھی جو مختصر ہے اور علماء احناف کی تفاسیر کے نہج پر ہے۔ فقہی موشگافیوں سے گریز کیا گیا ہے لیکن حنفی مسلک کی برتری ثابت کرنے کی کوشش نمایاں ہے۔ یہ تفسیر ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء میں لکھی گئی تھی، جب شاہ صاحبؒ کی عمر تقریباً ۶۵ سال تھی۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر الدین صاحبؒ کو اس نسخے کی تلاش تھی۔ ایک مرتبہ بازار تشریف لے جارہے تھے کہ ایک شخص کے پاس اس کا نسخہ دیکھا اور بڑی قیمت دیکر خرید لیا[2]۔

۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں میرٹھ کے مطبع احباب سے منشی عرفان الحق نے اس تفسیر کو اس طرح شائع کیا تھا کہ کلام پاک کے متن کے نیچے شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ تھا اور حاشیہ پر یہ تفسیر۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس کی تاریخ کہی تھی ؎

کار فرمائے مطبع احباب — شیخ عرفان حق جوان دبیر
اور مختار ہاشمی مطبع — کون ہاشم علی باتدبیر
چھاپا ہو کر جمع دونوں نے — ایسا مصحف نہیں ہے جسکی نظیر
بیچ میں ترجمہ ہے اور اوپر — ایک تفسیر کی نئی تحریر
وہ تو فیض شہ رفیع الدین — بحر مواج فیض خیر کثیر
اور یہ فیض شہ کلیم اللہ — تھے طریقت میں جو کہ بدر منیر

۱؎ مناقب المحبوبین۔ ص ۴۶
۲؎ مناقب فخریہ۔ ص ۶۹ (قلمی) قران القرآن کا صرف ایک قلمی نسخہ اب موجود ہے (کتبخانہ آصفیہ ج ۱ ص ۵۵۲) بروکلمان کو بھی اس کے علاوہ کسی دوسرے نسخہ کا پتہ نہیں چلا۔ (Supp. 583)

چھپ چکا جبکہ سب یہ حرز جان ہاتفِ غیب نے پے تشہیر
کرکے آواز کو بلند کہا چھپا قرآن بمعنی و تفسیر
۹۰ ۱۲ ھ [1]

عشرہ کاملہ، سوار السبیل، کشکول، مرقع، تسنیم اور الہامات کلیمی تصوف سے متعلق ہیں۔ ان میں تصوف کے مختلف علمی اور عملی پہلوؤں پر نہایت عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔ عشرہ کاملہ، کشکول اور مرقع شائع ہوچکے ہیں۔ سوار السبیل کا ایک عمدہ نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[2]

ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی رہبر کی حیثیت سے شاہ صاحبؒ بڑی ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ اُنھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا پورا پورا حق ادا کردیا ہے۔ مشائخ متقدمین کی کتابوں اور اپنے ذاتی تجربات سے انھوں نے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ ان اوراق میں موجود ہے۔ اُن کی تصانیف میں کشکول کلیمی کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب ۱۱۰۹ھ میں بعض احباب کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۴۹ سال تھی۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں بڑی پختگی اور تجربہ میں بڑی وسعت پیدا ہوچکی تھی۔ صوفیہ متاخرین نے بجا طور پر اس کو اپنا "دستور العمل"[3] بنایا۔ شاہ صاحبؒ

---

[1] مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہی نے یہ تاریخ بھی نکالی تھی ۔

کیا خوب واہ کیا خوب
۱۲ ۹۰
ختم المصاحف
۱۲۹۰
کیا خوب چھاپا کیا خوب
۱۲ ۹۰

[2] ۳۴۵

[3] تکملۂ سیر الاولیاء ۔ ص ۸۱

نے اس کی مخصوص افادیت کے متعلق لکھا ہے:

"کشکولے کہ لقائش لطیفۂ	یہ ایک کشکول ہے جس کے لقے
ربانیہ را طاقت بخشند و در پیکر	لطیفۂ ربانی کو طاقت بخشتے ہیں
اسلام مجازی روح ایمان	اور مجازی اسلام کے قالب میں
حقیقی در دہد۔ و مردگان طبیعت را	حقیقی ایمان کی روح پھونک دیتے
حیات جاودانی ارزانی دارد۔" [1]	ہیں اور مردہ طبیعت کو جاودانی
	زندگی عطا کرتے ہیں۔

بعد کے مشائخ کا یہ دستور تھا کہ وہ خرقۂ خلافت کے ساتھ مرقع اور کشکول بھی دیتے تھے۔[2] خود شاہ صاحبؒ کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاص مریدین کو اصلاحِ نفس اور روحانی تربیت کے لئے کشکول کے مطالعہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"شما صحبت ہا دریافتہ اند دو	آپ نے بزرگوں کی صحبت سے کسب فیض کرلیا ہے
کشکولے و مرقع آنجا موجود اند	وہاں دو جلدیں کشکول کی اور ایک جلد مرقع
ہر طالب را موافق حوصلۂ آں	کی موجود ہے۔ ہر طالب کو اس کی ہمت اور
بہ نیابت ذکرے و شغلے بفرمایند"[3]	حوصلہ کے مطابق ذکر اور شغل کی ہدایت کریں۔

حافظ محمد علی صاحب خیرآبادیؒ کشکول کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں اسلم صاحبؒ نے کسی کو پڑھنے کے لئے دے دی، تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا "یہ کتابیں ایسی نہیں ہیں کہ نقل مجلس بنائی جائیں"۔[4]

---

[1] کشکول کلیمی ۔ ص ۲ ۔

[2] تکملۂ سیر الاولیاء ۔ ص ۸۱ ۔

[3] مکتوبات کلیمی ۔ م ۱۱۶ ص ۹۴ ۔

[4] مناقب حافظیہ ۔ ص ۱۵۰ ۔

مرقع کی حیثیت کشکول کے ضمیمہ کی سی ہے۔ کشکول میں روحانی ترقی کے اعلیٰ مدارج اور دشوار گزار راہوں کا ذکر ہے تو مرقع میں اس سفر کی تیاری کے لئے جس سازوسامان کی ضرورت ہے، اس کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں نے مل کر ایک مکمل ضابطۂ روحانی کی شکل اختیار کرلی۔ اور صوفیۂ متاخرین نے اس کو وہی مرتبہ دیا جو صوفیۂ متقدمین نے فوائد الفواد اور کشف المحجوب کو دیا تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں ؎

ہر آن کو لقمہ زین کشکول ما خورد
قلندر گشت، گو از دوجہاں برد
ہر آن کو این مرقع کرد بر دوش
بجاناں بیگماں گردد ہم آغوش

تسنیم کو بھی صوفیہ نے بہت پسند کیا۔ خواجہ محمد عاقلؒ نہایت ہی والہانہ انداز میں اس کا درس دیا کرتے تھے۔ ان کے ایک مرید مولانا عبداللہ نے جو بڑے عالم وفاضل تھے۔ اس کی شرح تنسیم کے نام سے لکھی تھی [۲]

"رسالہ شرح تشریح الافلاک عاملی محشی بالفارسیۃ" علم ہیئت سے متعلق ہے۔ اس کا ایک نادر نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری دہلی میں موجود ہے" [۳] شرح قانون کا واحد نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔ [۴]

مکتوبات شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا مجموعہ مکتوبات کلیمی کے نام سے مشہور ہے۔ ان مکتوبات سے اُن کی تبلیغی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے

---

۱ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۸۱

۲ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۵۶

۳ فہرست کتب قلمی نذیریہ پبلک لائبریری، دہلی۔ مرتبہ محمد مہدی جعفر، ۳۳/۸۵م

۴ فہرست کتب خانہ رامپور۔ ۴۸۶ (طب)

سامنے آجاتا ہے۔ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے اُن کی پُرخلوص جدوجہد چشتیہ سلسلہ کی ترقی کے لئے مسلسل کوشش، اور لشکریوں اور عوام میں روحانی تعلیم و تربیت کے لئے ان کی سعی بلیغ کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے۔ اُن کی دیگر تصانیف اگر ان کی "علمیت" کی شاہد ہیں تو یہ مکتوبات ان کی "عملی" سرگرمیوں کے آئینہ دار ہیں۔ ان دونوں کے مطالعہ سے شاہ صاحبؒ کی زندگی کے علمی اور عملی دونوں پہلو روشن ہو جاتے ہیں، اور ان کی شخصیت پوری طرح ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ قطع نظر تمام اور خصوصیات کے، ان مکتوبات کی زبان، طرز نگارش اور فصاحت وبلاغت بے مثال ہے۔ اٹھارہویں صدی کے فارسی ادب میں یہ مکتوبات اس اعتبار سے یقیناً امتیازی مقام کے مستحق ہیں۔

تعداد میں یہ مکتوبات کل ۱۳۲ ہیں۔ جن میں سے سو سے زیادہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو دکن بھیجے گئے ہیں۔ باقی خطوط مولانا محمد، دیا رام، اور عبدالرشید وغیرہ کے نام ہیں۔ شاہ نظام الدین صاحبؒ کے نام جو مکتوبات ہیں وہ نسبتاً مفصل ہیں اور حقیقت میں سارے مجموعے کی جان ہیں۔

شاہ کلیم اللہ کی دینی تحریک اور ان کی تبلیغی جدوجہد

شاہ کلیم اللہؒ نے اسلامی ہند کی تاریخ کے ایک نہایت ہی نازک اور اہم دور میں احیاء ملت کے لئے جدوجہد کی تھی۔ یہ اورنگ زیب کے عہد حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ ہندوستان کی سیاست کا مرکز ثقل شمال سے جنوب کی طرف منتقل ہو چکا تھا، بادشاہ، شاہی خاندان، فوج کا بیشتر حصہ دکن میں تھا۔ شمالی ہندوستان کی اہمیت نسبتاً کم ہو گئی تھی۔ دہلی، آگرہ، لاہور سب اپنی عظمت دیرینہ کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ محلات پر حسرت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سارا سازوسامان تالوں میں بند پڑا تھا۔

شاہ صاحبؒ نے وقت کی آواز کو پہچانا اور اپنے عزیز ترین مرید شاہ نظام الدینؒ کو تبلیغ واصلاح کے کام کے لئے دکن روانہ فرمادیا۔ ایک مکتوب میں ان کو لکھتے ہیں:

"شمارا اللہ تعالیٰ صاحب ولایت دکن ساختہ است۔ این کار را تمام نمائید۔ قبل ازیں ہم نوشتہ کہ بہ لشکر برویدا اکنوں ایں امر است ہر جا کہ باشید در اعلائے کلمۃ الحق باشید و جان و مال خود صرف ایں کار کنید"۔ [1]

تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے۔ تم یہ کام پورے طور پر انجام دو۔ میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ۔ لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں بھی ہو اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہو اور اپنے جان و مال کو اسی میں صرف کر دو۔

شاہ صاحبؒ کے مکتوبات میں ایک بے قرار اور بے چین قلب کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ ہر خط میں وہ اپنے مرید کو اعلائے کلمۃ الحق کی ہدایت کرتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں:

"جان و مال خود صرف ایں کار کنید" [2]

اپنا جان اور مال اسی کام میں صرف کر دو۔

"فیض دینی و دنیوی بہ عالم رسانند و ہمہ حلاوت و عیش خود را فدائے آں بندگاں باید کرد" [3]

دینی اور دنیوی فیض دنیا کو پہنچاؤ اپنا عیش و آرام اور راحت انسانوں پر فدا کر دو۔

ان کا احساس ملی اسلام کا پیغام ہر کان تک پہنچانے کے لئے مضطرب تھا چنانچہ بار بار مریدوں سے کہتے ہیں:

"درآں کوشید کہ صورت اسلام

کوشش یہ کرو کہ اسلام ترقی کرے

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۲۱ ص ۲۶۔

[2] مکتوبات۔ م ۲۱ ص ۲۶۔

[3] مکتوبات۔ م ۵، ص ۶۰۔

وسیع گردد و ذاکرین کثیر" [1]

اور ذکر کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

وہ خطوط میں اور باتیں بھی لکھتے ہیں لیکن جس کو بار بار دہراتے ہیں وہ یہی ہے:

"بہرحال در اعلائے کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام حقیقی برگیرید" [2]

ہر حال میں کلمۃ الحق کی بلندی کے لئے کوشش کرتے رہیں اور مقصد پیش نظر یہ ہو کہ مشرق سے مغرب تک حقیقی اسلام پھیل جائے۔

"متوجہ اعلائے کلمۃ الحق باشند وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ" [3]

کلمۂ حق کو بلند کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی روشنی کو کمال تک پہنچانے والا ہے چاہے کفار اس کو ناپسند کریں۔

اُن کے قلب مضطر کی آواز صرف ایک جملہ میں پوشیدہ تھی "از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام حقیقی برگیرید" اسی دُھن میں ان کے شب و روز گزرتے تھے۔ وہ دہلی میں تھے لیکن دکن کا نظام تبلیغ و اصلاح اُن کی ہدایتوں کے ماتحت کام کر رہا تھا۔ وہ ناسازگار حالات کو دیکھتے تھے، لیکن اللہ پر اُن کا بھروسہ تھا اور لَا تَقْنَطُوْا پر اُن کا ایمان۔

لوگوں کو مادیت پسند دیکھ کر ان کا قلب پریشان ہونے لگتا تھا۔ اور وہ گھبرا گھبرا کر کہتے تھے:

"بر دل بندگان خدا محبت دنیا سرد گردانند" [4]

بندگان خدا کے دل سے دنیا کی محبت ختم کر دینا چاہئے۔

جب عیش پرستی اور نفس پروری میں لوگوں کو گرفتار دیکھتے ہیں تو سمجھاتے ہیں:

اے دوست دنیا جائے نفس

اے دوست! دنیا نفس پروری

---

[1] مکتوبات م ۷، ص ۶۰۔

[2] مکتوبات م ۹ ص ۱۱

[3] مکتوبات م ۸۰ ص ۶۲

[4] مکتوبات م ۱۳ ص ۱۹

پروری وتن آسانی نیست [1]
اور تن آسانی کی جگہ نہیں۔

تبلیغ دین ودعوتِ حق کے ثواب اور فضیلت کو ان پُرزور الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"اقرب عند اللہ ورسولہ آں کسے روز رستخیز است کہ در افشائے نور باطن ایمان ساعی است"۔ [2]

جذبۂ اعلائے کلمۃ الحق کا اتنا غلبہ ہے کہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو اپنے ایک مرید کے منصبِ شاہی ملنے کی اطلاع دیتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اصلی نصب العین کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں:

"اے برادر منصب ما وشما فقر است، کوشش کنید در اعلائے کلمۃ اللہ"۔ [3]	اے بھائی، تمہارا حقیقی منصب فقر ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش کرو۔

ان کی تمنا تھی کہ ان کے تمام مرید اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کمربستہ ہوجائیں۔ اور وہ خلافت اسی مقصد کے پیشِ نظر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ نظام الدین صاحبؒ نے ایک شخص کے لئے خلافت کی سفارش کی تو جواب میں ارشاد ہوا:

"جب تک اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کمر ہمت نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ"۔ [4]

بار بار اُن کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ تبلیغ اسلام اور احیائے دین کی کوشش کرو۔ یہی مسلک ہمارے بزرگوں کا رہا ہے۔ اس میں کوتاہی اچھی نہیں۔ اپنے مرید محمد علی کو لکھتے ہیں:

---

[1] مکتوبات م ۴، ص ۵۹
[2] مکتوبات کلیمی۔ م ۴، ص ۵۹
[3] مکتوبات م ۵۴ ص ۴۹
[4] مکتوبات م ۳۹ ص ۳۹

"ہمیشہ در اعلائے کلمۃ اللہ کہ بیران من وعن رسیدہ کوشش نمایند"۔ [1]

احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی فضیلت کو وہ یہ کہہ کر ذہن نشین کراتے ہیں کہ یہ موجب رضائے الٰہی ہے اور انبیاء کا خصوصی کام ہے:

"دریں باب جہاد نمایند وایں کار سہل نہ انگارند، و منتشر در معمورۂ عالم سازند کہ رضائے الٰہی دریں است ومقاسد فرزندان آدم نمایند کہ انبیاء مبعوث برائے ہمیں کار بودہ اند"۔

ایک مکتوب میں اس کو "کار بزرگ" کہتے ہیں۔

"شمارا کار بزرگ ایصال فیض واعلائے کلمۃ اللہ فرمودہ ام ہمیں دریں کار گرم آمدید"۔ [2]

شاہ صاحبؒ کے اس اصرارِ پیہم اور کوششِ مسلسل نے مریدوں میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے اپنے پیرومرشد کی ہدایات پر عمل کیا اور بہت جلد کامیابی حاصل کی۔ جب شاہ نظام الدین صاحبؒ کا ایک مرید نور محمد اُن کا خط لے کر دہلی آیا تو شاہ کلیم اللہؒ نے سب کیفیت دریافت فرمائی۔ شاہ نظام الدینؒ کی تبلیغی مساعی کو بنظر استحسان دیکھا اور اس مضمون کا ایک خط بھیجا:

"مطالعہ فرمایند امروز کہ ۶ محرم الحرام ۱۱۱۳ھ [3] مرقوم می گردد کہ میاں نور محمد خادم شما کہ از اولاد حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ..... کتابت شما آوردہ اند .... الحمد للہ والمنۃ در اعلائے کلمۃ اللہ سعی موفور مبذول است۔ مرقوم بود کہ درحین وضع اعلائے بیشتر است۔ بہ نسبت آں وضع اے برادر، بہر حال مقصود ایصال فیض فقر محمدی است بعالمیان، بہر وضع کہ بیشتر ایں کار سرانجام یابد باید کرد"۔ [4]

---

[1] م ۱۱۵ ص ۸۸
[2] م ۲۸ ص ۳۱
[3] مطابق ۱۷۰۱ء
[4] مکتوبات کلیمی۔ م ۴۸۔ ص ۴۶

شاہ نظام الدین صاحبؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گروہ اسلام ہوگئے۔ بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"دیگر مرقوم بود بہیہ دیارام و ہندوہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام در آمدہ اند اما با مردم قبیلہ پوشیدہ مانند۔" [1]

اور (آپ کے خط میں) یہ بھی لکھا تھا کہ دیارام اور دیگر ہندو کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں، لیکن اپنے خاندان کے لوگوں سے اس بات کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے۔ مبادا بعد موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے:

"برادر من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت در عقب است، مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند و مسلمانان حقیقت را بسوزانند، دیارام اگر خطے می نویسد خطے نوشتہ خواہد شد۔" [2]

اس مکتوب سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تبلیغی مساعی کس حد تک دکن میں کامیاب ہوئی تھیں۔ اس خط میں دیارام کا ذکر ہے۔ یہ شخص بھی اُن لوگوں میں سے تھا جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن قبیلہ کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے

---

[1] مکتوبات م ۲۱۔ ص ۲۵

[2] مکتوبات م ۲۱۔ ص ۳۱

تھے۔ ایک دوسرے خط سے پتہ چلتا ہے کہ دیارام کا اسلامی نام شاہ صاحبؒ نے فیض اللہ رکھا تھا۔

"بہ دیارام یعنی شیخ فیض اللہ اگر کتابت می نویسد جواب می نویسم۔" [1]

معلوم ہوتا ہے کہ دیارام نے اس خوف سے کہ کہیں اس کے مسلمان ہونے کا اظہار نہ ہو جائے۔ خطوط بہت کم لکھے۔ شاہ کلیم اللہؒ ایک خط کے جواب میں اُنھیں لکھتے ہیں:

"محبت اطوار خواجہ دیارام از یاد حق بہ آرام تمام باشند، قبل ازیں نمیقہ ارسال ایں طرف نمودہ بودند۔ یکے از دوستان شاہ نظام الحق والدین رسانیدند و ازیں طرف بشکر جواب رفتہ۔ قاصدان نامہ بر را چہ تواں کرد۔" [2]

دیارام کو درود کی مواظبت اور چند کتب سلوک کے مطالعہ کی تاکید شاہ نظام الدین صاحبؒ کے ذریعے اس طرح فرماتے ہیں:

"در جواب دیارام نوشتہ آمد کہ مواظبت بہ درود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسیار نمایند کہ سرمایۂ ہر سعادت ایں است۔ دیگر مطالعۂ کتب سلوک و تواریخ چوں نفحات و تذکرۃ الاولیاء و رسائل حقائق چوں لمعات و شرح لمعات و لوائح و شرح آں در مطالعہ داشتہ باشند، اما احدے از بیگانگاں مطلع نہ شود۔" [3]

شاہ صاحبؒ کا نظامِ تعلیم و تربیت

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کے لئے نہایت مکمل نظام قائم کیا تھا۔ انھوں نے اپنے اُن تمام مریدوں کی جن کو تبلیغی اور اصلاحی کام پر مامور کیا تھا، نہایت سختی سے نگرانی کی، وہ اُن سے بار بار معلوم کرتے رہتے تھے۔۔

---

[1] مکتوبات۔ م ۴۲ ص ۳۱

[2] مکتوبات۔ م ۱۰۸ ص ۸۳

[3] مکتوبات۔ م ۶ ص ۱۲۔۱۱

"کجا تا بہ کجا ترقی کردہ اند" [1]

وہ خود دہلی میں رہتے تھے لیکن دکن کا نظام تعلیم و تربیت ان کی زیر ہدایت کام کر رہا تھا، معمولی معمولی معاملات پر وہ مرکز سے ہدایات روانہ کرتے تھے۔ مریدوں کا یہ حال تھا کہ بغیر اُن کی اجازت کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے۔ ایک خط میں خود نظام الدین صاحب کو لکھتے ہیں:

"رحمت خدائے تعالیٰ بر شما باد کہ بے اجازت قدم بر ندارند کسیکہ بدولتے رسید ہمیں ادب رسید" [2]	اللہ کی تم پر رحمت ہو کہ بے اجازت قدم تک نہیں اٹھاتے جس نے بھی (عزت و عظمت اور روحانی سعادت) حاصل کی، اسی ادب سے حاصل کی۔

خطوط کے معاملہ میں وہ نہایت باقاعدگی برتتے تھے۔ خط میں دیر ہو جاتی تو شاق گذرتا۔ انتظار میں رہتے اور لکھتے:

(۱) در ایصال نامجات تسامح نورزند المکتوب نصف الملاقات است" [3]	خطوں کے بھیجنے میں دیر نہ کریں۔ خط نصف ملاقات ہے۔
(۲) عذر نوشتن کتابت از طرف ما اگر باشد مقبول است و مسموع و از طرف شما نا مقبول و نا مسموع" [4]	خط (میں تاخیر) کا عذر اگر ہماری طرف سے ہو تو قبول کیا جاسکتا ہے اور سنا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر تمھاری طرف سے ہو تو نا مقبول و نا مسموع ہے۔
(۳) مکتوب محبت اسلوب مدتہا	مکتوب محبت اسلوب مدت سے

---

[1] مکتوبات م ۳۳ ص ۳۵

[2] مکتوبات م ۱۵ ص ۹

[3] مکتوبات م ۲۳ ص ۲۸

[4] مکتوبات م ۳۳ ص ۳۵

است کہ نرسید، چشم نگراں است [5]	نہیں آیا، آنکھیں منتظر ہیں۔

وہ چاہتے تھے کہ مرید جو خط بھیجیں وہ محض رسمی نہ ہوں۔ بلکہ اس میں اپنے پورے حالات و واردات اور تقسیم اوقات کی بابت لکھیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن کن مشاغل میں اُن کا وقت صرف ہوتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں وہ کس حد تک سرگرم ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک اُن کے اصلاحی نظام کی کامیابی کا انحصار اس پر تھا کہ مریدوں کی پوری نگرانی کی جائے۔ اور ان کی خلوت و جلوت کا پورا پروگرام مرتب کیا جائے۔ وہ ضبطِ اوقات اور پابندیِ اصول کا درس دیتے رہتے تھے۔ اکثر مکتوبات میں اپنے مریدوں سے نظامِ اوقات دریافت فرماتے ہیں، اور معلوم ہونے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں:

"تقسیمِ اوقات و توزیعِ مراتب خلوت و جلوت ہمہ معلوم شد"۔ [2]

اگر کوئی خلیفہ اپنے پروگرام سے مطلع نہ کرتا تو شاہ صاحب خود دریافت فرماتے:

"اما خوب معلوم نشد کہ اوقاتِ گرامی بکدام توزیع مصروف است آیا برنگ طالب علماں یا درویشاں یا نہ ایشاں و نہ ایشاں"۔

م ۱۵ ص ۲۰

پابندیِ اوقات نہ کرنے والے کے متعلق صاف صاف لکھ دیتے ہیں:

"ضبطِ اوقات آنکہ ندارد خسر الدنیا والآخرہ است"

م ۲۲ ص ۲۶

سرگرمی اور مشغولیت کی برابر تاکید رہتی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"شما در کار خود سرگرم تر باشید کہ ہیچ کس بر شما سائق نتواند بود	تم اپنے کام میں اور زیادہ سرگرم ہو جاؤ یہاں تک کہ جو تمھارے

---

[1] مکتوبات م ۶۴ ص ۵۴۔

[2] مکتوبات م ۹۳ ص ۱۷، نیز م ۶ ص ۱۱۔

مگر آنکہ کارِ شما بکنند"۔ [1]

پاس پہنچے تمہارا کام کرنے لگے ۔

م ۶۴ ص ۵۴

بعض اوقات خود بھی شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کے لئے نظام اوقات متعین فرماتے تھے ۔ ایک خط میں فجر کی نماز کے بعد سے لے کر رات تک کا نفلی اور انفرادی پروگرام بتانے کے بعد اجتماعی پروگرام کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں :

"....... شریعت را احکام باید نمود .... یارانِ اہل علم را درس تفسیر و حدیث و عبادات و فقہ درمیان ظہر و عصر و بعد از صبح بگوئید و اہل شوق کہ اندکے بعلم آشنا باشد درس لمعات و لوائح و امثال آں بہر حال مراتبِ تمکیں بہ از مراتبِ تلوین است"۔

م ۹۹ ص ۷۹ ۔ ۷۸

ذاتی مطالعہ کے لئے حدیث و فقہ، اخلاق و تصوف، سیر و تاریخ کی کتابوں کی ہدایت فرماتے ہیں :

"بمطالعہ کتب ..... حدیث و فقہ و سلوک چوں احیا و کیمیا و امثال ذلک چوں تواریخ مشائخ پیشیں بہتر است" [2]

حدیث و فقہ کی کتابیں اور سلوک کی کتابیں مثلاً احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور مشائخ متقدمین کے تذکرے مطالعہ کرنے بہتر ہیں۔

ایک اور خط میں تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطارؒ، نفحات الانس مولانا جامیؒ منازل السائرین اور رشحات کے مطالعہ کی خاص طور سے تلقین کی ہے ۔ شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کے تعلقات کی نگرانی بھی فرماتے تھے ۔ اگر بربنائے بشریت کوئی جھگڑا یا بدمزگی آپس میں پیدا ہو جاتی تو اس کو جلد رفع کرنے کی کوشش کرتے اور عفو و درگذر

---

[1] مکتوبات کلیمی ۔ ص ۱۴۔
[2] مکتوبات کلیمی ۔ ص ۷۹۔

کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ نظام میں خلل واقع نہ ہونے پائے، ایک خط میں لکھتے ہیں :

"حقائق میاں اسداللہ و میاں ضیاء اللہ بتفصیل معلوم شد، شما ہرگز مخالفت با ہر دو عزیز نخواہید کرد و شما متوجہ کار خود باشید"۔

میاں اسداللہ اور میاں ضیاء اللہ کے حالات تفصیل سے معلوم ہوئے تم کو ہرگز ان دونوں سے مخالفت نہ کرنی چاہئے، بلکہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے ۔

م ۲۰ ص ۲۴، ۲۳ ۔

پھر ایک خط میں نصیحت کرتے ہیں :

"میاں اسداللہ و میاں ضیاء الدین برادران شما اند باید کہ بایک دیگر فانی باشند و اگر از یکے خلاف مرضی امرے شد دیگرے از کرم عفو نماید و محبت زندگانی کنند" [1]

میاں اسداللہ اور میاں ضیاء الدین تمہارے بھائی ہیں۔ چاہئے کہ شیر و شکر ہو کر رہو۔ اگر کسی سے دوسرے کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو دوسرا معاف کر دے اور محبت سے زندگی بسر کی جائے۔

وہ توقع کرتے تھے کہ اُن کے خلفاء مریدین کے ساتھ "مہربان تر از مادر و پدر" [2] ہوں۔ اور خدمت خلق کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیں ۔ فرماتے ہیں :

غرض خدمت خلائق بر خود متحتم دانستہ
موافق شریعت و طریقت و حقیقت کار بندید [3]

---

[1] مکتوبات م ۲۱ ص ۲۶ ۔ ۲۵ ۔
[2] مکتوبات م ۱ ص ۷ ۔
[3] مکتوبات م ۵ ص ۱۰ ۔

اعلان موقف | شاہ کلیم اللہؒ نے اپنے ایک مکتوب میں جس کو وہ خود "دستور العمل" قرار دیتے ہیں اور جس کو چشتیہ سلسلہ میں بقول صاحب تکملہ سیر الاولیاء "دستور العمل طالبان"[1] کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، اپنے موقف، بنیادی مقاصد، اور طریقۂ کار کا نہایت واضح اور صاف اعلان کر دیا ہے۔ یہ مکتوب حقیقتاً سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کا منشور سمجھنا چاہیئے۔ اخلاقی اور مذہبی ابتری کے شدید احساس ، سلسلہ کی تنظیمی اور فکری صلاحیتوں کے گہرے تجزیہ کے بعد ان کی پختہ مذہبی بصیرت نے جو راہ دکھائی ہے وہ اس خط میں بیان کر دی گئی ہے۔ ضروری ہے کہ ان کی اساسِ فکر سمجھنے کے لئے یہ خط یہاں نقل کیا جائے:

احوال خیر آمال مولی المولی مولانا نظام اسلام والمسلمین والاحسان سلمہ اللہ تعالےٰ از تغیرات کہ موجب التزام شریعت و طریقت وحقیقت باشد مفتون ومحفوظ باد

مولانا نظام الدین کو اللہ تعالےٰ سلامتی سے نوازے اور راہ شریعت و طریقت وحقیقت میں مستقیم رکھے۔

اے برادر! ایں نامہ مراد دستور العمل خود شناسید۔ و در حکم آں احتیاط نمائید کہ فروگذاشت را در آں مدخل نباشد کہ موجب افراط و تفریط نگردد، وحد اوسط از دل بروں نرود، آں احکام را بد تعالےٰ نقل می کنم، رحم اللہ من اتقی السبیع وھو شھید

اے برادر! میرے اس خط کو اپنے لئے "دستور العمل" سمجھیں۔ اور اس پر اس احتیاط سے عمل پیرا ہوں کہ کسی فروگذاشت کا امکان نہ رہے اور راہ اعتدال سے انحراف نہ ہو۔ ان احکام کو ایک ایک کر کے لکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۸۳۔

اولاً آنکہ مقصود ایصال خیر است و خیر عبارت از فنا ماسویت از جمیع المسالک الی بقاء بحق تعالیٰ وقیام المسالک فی جمع محبۃ اللہ ایں معنی باید کہ ہمیشہ در نظر باشد و شرح ایں را دریں رقعہ نتوانم داد۔

فرمائے جو محض اس کی حاضر و ناظر ذات کی خاطر تقوےٰ اختیار کرتے ہیں۔

اول یہ کہ زندگی کا مقصد دوسروں تک خیر کو پہنچانا ہے۔ خیر سے مراد یہ ہے کہ جملہ راہوں سے منھ موڑ کر ابدی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کی جانب رجوع کیا جائے۔ اور اس سے تعلق قایم کیا جائے۔ حب الٰہی کی راہ میں سرگرداں درویش کی مدد کرنا اور اس کی ترقی کے سامان بہم پہنچانا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ ان کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا جائے اس خط میں اس کی تفصیل ممکن نہیں۔

ثانیاً آنکہ در ایصال خیر امرے مرعی نگردد کہ للہ نباشد بلکہ لنفسہ باشد کہ غول خمار ایں شراب و مار از روزگار درویش خواہد برآورد و دیگر آنکہ تغیر لباس چنداں اعتبار ندارد۔ سیما در آواخر ہرچہ کہ پوشد و خورد در و آنرا حظ و نصیب

دوم یہ کہ خیر کو دوسروں تک پہنچانے میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی مقصد نہیں ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس تباہ کن شراب (نفس) کے نشہ کے شیطان کو درویش کی زندگی

نباشد ثانیاً این کہ صوفی را از لباس فقر ننگ و عار می آید عجب است کہ شمارا ننگ نمی آید۔ آنکس کہ شما پیش او میروید اگر شمارا ننگ می آید عجب فقیرا ید و اگر او را ننگ می آید چرا پیش او میروید و ترک صحبت این قسم مردم چرا نمی کنید۔

سے نکال دینا ممکن ہو سکے

دوسرے یہ کہ لباس کی تبدیلی کچھ زیادہ معنی نہیں رکھتی بالخصوص سلوک کی آخری منزلوں میں درویش جو کچھ پہنتا یا کھاتا ہے اس میں اس کا اپنا کچھ دخل نہیں ہوتا نہ کچھ سرور حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہ صوفی کو فقر سے شرم محسوس ہو آپ کو اس سے پاک ہونا چاہئے۔ اگر آپ کسی کے سامنے جائیں اور اپنے لباس پر عار لاحق ہو تو آپ کی درویشی تعجب خیز ہے اور اگر اس شخص کو شرم محسوس ہوتی ہے تو اس کے سامنے کیوں جاتے ہو اور ایسے لوگوں کی صحبت ترک کیوں نہیں کرتے

ثالثاً ازدحام خلایق مستوجب شکر الٰہی است، ہر چند ازدحام زیادہ شود شکر الٰہی بسیار بجا آرید، کہ ہر کس قدر قیمت خود نیک نمیداند کہ

تیسری بات یہ ہے کہ آنے والوں کی کثرت شکر الٰہی کی مستوجب ہے۔ جتنا مخلوق کی آمد میں اضافہ ہو،

بچہ می ارزد و رجوع خلایق محض فضل و کرم اوست از یر ننگ نشوید این دولت ہمہ را میسر نیست۔

اتنا ہی شکر الٰہی زیادہ بجا لانا چاہئے۔ ہر شخص اپنی قدر و منزلت کا اندازہ خود نہیں لگا سکتا۔ مخلوق کا کسی کی جانب رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کی اس پر مخصوص عنایت کے باعث ہوتا ہے۔ اس سے کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہئے یہ نعمت ہر ایک کو میسر نہیں آتی۔

رابعاً آنکہ چوں کسے بیعت نماید بمجرد بیعت اذن ارشاد ندہند و بر خود قیاس نکنند کہ آں لفظ از عالم دیگر بود۔

چوتھے یہ کہ جب کوئی آپ سے بیعت کرے تو فوراً ہی اس کو ارشاد و تلقین کرنے کی اجازت نہ دیں۔ اور اپنے اوپر قیاس نہ کریں کہ اس کے الفاظ بھی عالم دیگر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں

خامساً آنکہ چوں قابلیت بکثرت ذکر و مراقبات و مشغولیات برائے خلافت رساند اگر علم ظاہر داشتہ باشد مبارک است، آنرا مثال بنویسند والا بگویند کہ بکار خود مشغول باشد۔

پانچویں بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص اوراد و وظائف کی کثرت اور درویشانہ اعمال و مشاغل کی پابندی کے بعد اپنے اندر حصول خلافت کی صلاحیت پیدا کرلے تو ایسے شخص میں اگر علم ظاہر ہے تو یہ اچھا ہے اس کو خلافت نامہ

لکھ دیں ورنہ اس کو مشاغل واذکار میں مشغولی کی ہدایت کریں۔

سادساً این قدر دستگاه باشد که جدا یا با فقیرے چند گذران تواند کرد و ہمچناں با مردم بیگانہ نبیگانہ بگذارند و آنچہ مفتوح برسد باں فقیر با ہمراه صرف نمایند و روزیکہ نرسد آں روز را غنیمت شمارید کہ در فقر و فاقہ تاثیر عظیم است فہم من فہم۔

چھٹی بات یہ ہے کہ درویش کی ایسی حالت ہونی چاہئے کہ خود تنہا یا چند فقراء کے ساتھ گذر اوقات کر سکے۔ اور اسی طرح اپنے پرائے کے ساتھ گذر اوقات کر سکے۔ جو فتوح اس تک پہنچے ان فقراء کے ساتھ مل کر استعمال کرلے۔ جب فتوح پہنچے تو غنیمت جانے۔ اس لئے فقر اور فاقہ میں بڑی تاثیر ہے۔ اس کو سمجھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔

سابعاً آنکہ مسئلہ وحدت وجود را شائع پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید بر زبان آورد بلکہ بعضے مریدان کہ استعداد فہم داشتہ باشند برمز و ایما باید گفت اگر فہم ایشاں باہستہ قبول کرد زیادہ واضح باید گفت والا ہماں قدر زیادہ است۔

ہفتم یہ کہ مسئلہ وحدت وجود ہر جاننے نہ جاننے والے کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جو مرید اس کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں ان کے سامنے اشاروں سے بیان کرنا چاہئے اگر ان کی سمجھ میں آنے لگے تو زیادہ وضاحت سے بیان کیا جا سکتا ہے ورنہ اسی پر اکتفا کرلینا چاہئے

ثامناً آنکہ با وضع ملاقات با ہمہ دولتمنداں اختیار کنید یا قطع ملاقات بہمہ، اما با بعضے ملاقات و با بعضے منافات چیزے نیست۔

ہشتم یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ یا تو سب اہل ثروت سے ملاقات کا تعلق رکھا جائے یا کسی سے بھی نہیں۔ اس میں فرق کرنا پسندیدہ عمل نہیں۔

تاسعاً آنکہ صلح با ہندو و مسلمان سازند و ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشند ذکر و فکر و مراقبہ تعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود او را بربقہ اسلام خواہید کشید و با غیر معتقد اگرچہ سید زادہ باشد تعلیم نباید کرد کہ رابطہ مبنی بر اعتقاد است۔ اے برادر مشیخت متبوعیت را میخواہد تابعیت را ممکن تابع باشد و اہل دول را نباید گفت اگرچہ اخلاص ہم داشتہ باشد کہ در تابعیت بروضع خود و روش نمی مانند، دیگر آنکہ مجلس سرود بطور ما میکنند، ازیں معنی بسیار محظوظ شدیم۔ خوب میکنند کہ در مجلس علانیہ شہرت است اما اگر گرمی ہست و مقصد گرمی است و اگر تقاضائے وقت علانیہ باشد آنرا ہم اذن است دیگر آنکہ با مخلصانِ صحبتِ تعلیم و ادب و ہیبت نگاہدارید کہ صحبت انبیاء با اصحاب چناں بود۔

نہم یہ کہ ہندو مسلمان دونوں سے صلح رکھی جائے اور ان دونوں میں سے جو بھی تمہارا اعتقاد رکھتا ہو اس کو ذکر و فکر، مراقبہ وغیرہ کی تعلیم دے دینی چاہئے۔ ذکر کی یہ خاصیت ہے کہ خود ربقہ اسلام میں کھینچ لے گا جو اعتقاد نہ رکھتا ہو وہ چاہے سید زادہ ہی کیوں نہ ہو اس کو تعلیم نہیں دینی چاہئے۔ یہ سارا معاملہ اعتقاد کا ہے۔ اہل دول کو بھی ذکر و فکر کی تعلیم نہیں کرنا چاہئے، گو وہ مخلص بھی ہوں وہ ہمارا کا اتباع نہیں کرتے، دوسرے یہ کہ محفل سماع ہماری طرح سے کریں۔ یہ معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی۔ اگر ان محفلوں سے حرارت (عشق الٰہی) پیدا ہو تو ہونی ہی

اے برادر مشغولی باخدائے تعالیٰ مقصود است و آنکہ مقصود غیر ایں دولتِ عظمیٰ وسعادت کبریٰ است آں مدعی است فقیر حقیقت نیست کہ اطلاقِ فقیر بروے مجازی است من وجوہ شیخ علیہ الرحمتہ معتقد علیہ ایں امر بودہ اند اگر عزیزے ازیاران بریں نمط نہ ایستد گویا یار من نیست اما چوں تعبیہ مقبول است اگر بعد سفاہتے ولغزشے پائے توبہ درمیاں آید التائبُ مِنَ الذنب کمن لاذنب لہٗ عذر خواہ اوست ہر کرا از یاراں خود اذن دہند مبالغہ در احیائے سنت و اماتتِ بدعت خواہد بود۔ [1]

چاہیئے اس لئے کہ ان کا مقصد بھی یہی ہے۔ اگر حالات ان مجالس کو علانیہ طور پر منعقد کرنے کی اجازت دیں تو ہماری طرف سے بھی اجازت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مخلصوں کی تعلیم و تربیت میں ان کے اعزاز و اکرام کا لحاظ رکھا جائے کہ انبیاء کی بھی اپنے اصحاب سے یہی روش رہی ہے

اے بھائی، مقصود اللہ تعالیٰ میں مشغولی ہے۔ جو اس دولتِ عظمیٰ اور سعادت کبریٰ کے علاوہ کسی چیز کا خواستگار ہے وہ درویشی کا محض دعویٰ کرتا ہے۔ حقیقی درویش نہیں ہے۔ اگر میرے کسی قریبی مرید کی تربیت اس نہج پر نہیں ہوئی ہے تو وہ میرا مرید کہلانے کا مستحق نہیں ہے لیکن سزا سرزد ہونے کے بعد

---

[1] مکتوباتِ کلیمی م ۹۶ ص ۷۴، ۷۳۔
یہ ترجمہ بالکل لفظی نہیں ہے۔ اس میں مفہوم کو واضح کرنے کا خیال رکھا گیا ہے۔

کبھی اس کی تلافی چونکہ ممکن ہے اس لئے غلطی پر نادم کی توبہ قبول کر لینی چاہئے۔ "گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا"۔

جس کو بھی اپنے مریدوں میں سے ارشاد و تلقین کا کام سپرد کریں اسے تاکید کریں کہ سنت کو زندہ کرے اور بدعت کو مٹانے کی کوشش کرے۔

اشاعتِ سلسلہ کے لئے ہدایات شاہ کلیم اللہ صاحبؒ اپنے سلسلہ کی اشاعت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ جگہ جگہ مریدوں کو حکم ہوتا ہے:

(۱) "سعی در شیوع سلسلہ نمایند"

(م ۱۳ ص ۱۹)

(۲) "جہد بلیغ نمائید کہ مردم در سلک شما داخل شوند و بر مرتبہ فقر رسند"

(م ۴۷ ص ۶۶)

ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے:

"شما در اصلاح دل محجوباں بکوشید کہ بعز وصال و قرب رسند و بر ریاضت و مجاہدہ و عشق و بے خودی مریدان و طالباں را تربیت کنید کہ تا قیام قیامت برائے ما و شما فواتح پیہم و متصل برسد"

(م ۱۱ ص ۱۷)

نیز (م ۴۴ ص ۹)

ایک مرتبہ شاہ نظام الدینؒ نے اپنے پیرو مرشد سے فتوحات قبول کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ نے اشاعتِ سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ اگر فتوحات سے کام میں رکاوٹ واقع ہوتی ہو تو قبول نہ کرنا بہتر ہے، ورنہ قبول کر لینی چاہئے

"اے درویش خدائے تعالیٰ شمارا عقلِ معاش و عقل معاد ہر دو دادہ است۔ آں کنید کہ دراں اجرائے سلسلہ باشد ما گرفتن و ناگرفتن نمی دانیم۔ اگر رونق سلسلہ از عدم قبول است عدم قبول بہتر ز قبول"

(م ۱۳ ص ۱۹)

ساتھ ہی ساتھ صوفیۂ متقدمین کے فتوحات قبول کرنے کو نیک نیتی پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"درویشانِ ماضی کہ قبول بعضے فتوحات کردہ اند اغلب کہ برائے استمالتِ خاطر معتقدان کردہ اند والا بضرورت خود کم کسے قبول کردہ باشد"

(م ۱۴ ص ۱۹)

لیکن وظیفہ قبول کرنے کی اجازت کسی صورت میں نہ تھی۔ فرماتے ہیں:

وظیفہ دار شدن طریقہ مردم دیگر است، طریقہ ما مردم آنست کہ ناگاہ ہر چہ رسد بہتر است۔ مقرر روزمرہ خوب نیست۔

(م ۴ ص ۹)

وظیفہ دار ہونا (یعنی ایک متعین رقم متعین وقت پر پانا) دوسرے لوگوں کا طریقہ ہے۔ ہم لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جو چیز ناگاہ (بغیر تعین وقت اور بغیر انتظار) پہونچے وہ ٹھیک ہے۔ مقرر روزمرہ ٹھیک نہیں۔

مرید کی اشاعتِ سلسلہ کی کوششوں کا جب علم ہوتا ہے تو اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ دعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارواح مشائخ اس کام سے خوش ہوتی ہیں۔ اگر شیخ کی اولاد کو خزانہ بھی دے دیا جائے تو شیخ کی روح اس قدر خوش نہیں ہوتی جتنی احیاءِ سلسلہ کی کوششوں سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"پس رحمت خدائے تعالےٰ بر شما باد کہ ایں سلسلہ را جاری کردید۔ شکر اللہ سعیکم۔ وایں ہمہ افتادگان حضیض غفلت را با وج حضور رسانیدید و ارواح مشائخ با خود خوشنود کردید۔ بالفرض اگر کسے گنجے با ولاد شیخ بخشد آں قدر رضامندیِ جناب ایشاں دراں نباشد کہ در احیاءِ سلسلہ ایشاں باشد"

(م ۴۴ ص ۵۴)

نظامِ خلافت | مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے خلافت کا نہایت مکمل اور مضبوط نظام قائم کیا تھا۔ ہر کس و ناکس کو خلافت نہیں دی جاتی تھی۔ نااہل لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام پہنچنے کی صورت میں گمراہی اور ضلالت پھیل جانے کا اندیشہ تھا جس کو وہ جا بجا ظاہر بھی کرتے ہیں۔ خلافت سے متعلق ان کے اصول یہ تھے:

(۱) خلافت دینے کا مقصد اشاعتِ اسلام کے لئے جد و جہد ہے۔
م ۳۹ ص ۳۹

(۲) خلافت جس کو دی جائے اس کے تفصیلی حالات مرکز کو لکھے جائیں تاکہ اس کی صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ ہو سکے۔ [1]
م ۱۸ ص ۲۲

---

[1] شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے ایک شخص محمد مرزا یار بیگ کو خلافت دی۔ شاہ صاحبؒ نے خط لکھا:

"محمد مرزا یار بیگ را خلافت دادید۔ خوب کردید۔ بیت

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

م ۶ ص ۱۳

ان کی اہلیت کے متعلق اس طرح رائے قائم کی تھی۔

"از رقعہ ایشاں کہ بفقیر نوشتہ بودند، معنی عشق می ریخت"

م ۶ ص ۱۳

(۳) صرف اہلِ علم کو خلافت دی جائے۔ اس لئے کہ

"در صحبت او ضلالت رواج نخواہد گرفت۔" م ۴۷ ص ۴۵

(۴) خلافت کی دو قسمیں کی جائیں۔ خلافت ربانی اور خلافت سلوک۔

"اول ہر کہ حیثیت فقر داشتہ باشد باید فرمودن غیر امتیاز میں ان یکون عالماً او جاہلاً۔ اما قسم ثانی کہ شال بنویسند و برو بکنند این قسم مخصوصاً بہ اہل علم دارند۔"

م ۹۶ ص ۴۴

(۵) بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جائے۔

م ۹۶ ص ۴۴

عورتوں کی بیعت کے متعلق شاہ صاحبؒ کی ہدایات | شاہ نظام الدین صاحبؒ کو دکن میں جو صورت حال پیش آتی تھی اس کے متعلق وہ اپنے پیر و مرشد سے ہدایت و مشورہ طلب کرتے تھے، چنانچہ جب عورتوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا تو شاہ نظام الدینؒ نے اپنے شیخ کو لکھا۔ جواب میں حکم ہوا کہ بیعت کیا جا سکتا ہے لیکن اُن کی خلوت سے بچا جائے اور براہِ راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہ کیا جائے۔ چونکہ مسِ اجنبیہ حرام ہے۔

"برادر من زنان را بیعت کنید اما با زنان جوانان خلوتہائے طویلہ کہ موجب فتنہ مردم بشود نکنند او در صحبت اولی بیعت دامنے بر دست بپیچیدہ دست بر دست او دارند کہ مسِ اجنبیہ حرام است۔"

م ۲۱ ص ۲۵

ﻠﮧ مکتوبات میں جگہ جگہ اس پر اصرار ہے۔ م ۴۴ ص ۴۳، م ۶۹ ص ۵۶، م ۵۲ ص ۵۸، م ۹۴ ص ۴۴۔

اس مشروط اجازت نامہ کی رو سے شاہ صاحبؒ نے عورتوں کو بھی اصلاحِ باطن سے محروم نہ رکھا۔ لیکن شاہ نظام الدینؒ نے اس کے بعد بھی عورتوں کو داخل سلسلہ کرنے میں تامل کیا، اس پر آپ نے لکھا:

"شما در بیعت کردن با عورات چرا اہمال می ورزید، اگر جوان اند و اگر پیر، اگر حسین اند اگر قبیح، ہمارا بجائے محرمات پنداشتہ کلمۂ حق بگوش ایشاں باید شنانید۔"

تم نے عورتوں کو بیعت کرنے میں کیوں تامل کیا۔ چاہے جوان ہوں یا بوڑھی، خوب صورت ہوں یا بدشکل سب کو محرمات سمجھ کر ان کے کانوں میں کلمۂ حق پہنچانا چاہیے۔

م ۳۵ ص ۳۷

اتباعِ شریعت کی تلقین | حضرت شاہ کلیم اللہؒ روحانی ترقی کے لئے اتباعِ شریعت کو از بس ضروری تصور کرتے تھے۔ اُن کا عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ شریعت سے ہٹ کر روحانی ترقی کے لئے جو کوشش کی جائے گی وہ نقش بر آب ثابت ہوگی۔

چنانچہ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) "بر نہج شریعت باید رفت" — راہ شریعت پر چلنا چاہیے۔

م ۹۵ ص ۷۲

(۲) "ہمہ داخلانِ طریقت را تاکید نمایند کہ ظاہر شریعت آراستہ دارند و باطن بعشق مولیٰ پیراستہ سازند۔" (م ۱۲۹ ص ۹۵)

سب داخلانِ طریقت کو تاکید کرنی چاہیے کہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھیں اور اپنا باطن عشق مولیٰ سے پیراستہ۔

اُن کا عقیدہ تھا کہ جو شریعت پر نہیں چلتا وہ گمراہ ہے اور طریقت و حقیقت کے منازل کبھی طے نہ کر سکے گا۔ فرماتے ہیں:

"آنچہ در شریعت راسخ نیست، ناقص است بلکہ طریقت و حقیقت او معلوم کہ حقیقتے ندارد۔ مرد آن ست کہ جامع باشد میاں شریعت و

طریقت و حقیقت۔" م ۹۵ ص ۲۷

وہ شریعت کو معیار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے کسی شخص کی روحانی بلندی اور پستی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"اے برادر در تفاوت فقرا ر اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت اونگاہ کن کہ شریعت معیار است، عیار فقر بر شریعت روشن می گردد"

م ۹۵ ص ۲۷

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شیخ کے دس صاحب کمال مرید ہوں، اور ہر ایک اپنی علیحدہ وضع رکھتا ہو اور شیخ کو ہر ایک کے متعلق حسنِ ظن ہو اور عوام بھی اچھا سمجھتے ہوں اور تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ کون شخص قیامت کے دن سب سے افضل ہوگا تو یہ دیکھو کہ ان دس آدمیوں میں سے کون شریعت کے ساتھ آراستہ ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو قیامت کے دن یہی شخص سب سے بلند مرتبہ ہوگا۔

شریعت، طریقت اور حقیقت کا باہمی تعلق اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"مینار حقیقت طریقت است، و مینار طریقت شریعت، آنکہ در چشم او جمالِ شریعت بیش بود طریقت و حقیقت اتم و اکمل بود، علامت وصول بدرجۂ حقیقت این است کہ روز بروز آناً فاناً سالک را در شریعت قدم راسخ گردد۔" م ۱۱۰ ص ۸۵

آگے چل کر وہ ان صوفیۂ خام کی مذمت کرتے ہیں جنھوں نے شریعت کو ترک کر دیا تھا۔ اور فرماتے ہیں:

"این ملحدان کہ شریعت را از	یہ ملحد جنھوں نے شریعت کو ہاتھ
دست دادہ کلام لاطائل ملحدانہ	سے چھوڑ دیا ہے اور ملحدانہ باتیں
بسبب گدائی و لقمۂ چرب نمودہ	لقمۂ چرب حاصل کرنے کے لئے بکتے
بہ متشرعان طعنۂ بے حقیقی میزنند،	ہیں اور متشرع لوگوں کو بے حقیقتی
مستحقِ تعزیر گردنی اند کہ ہمہ توحید ایشاں	کا طعنہ دیتے ہیں، سزا کے قابل ہیں

بے معنی است و بے لطفیٔ قالی	اُن کی توحید سب بے معنی ہے۔
است بے حال زنہار در صحبت	وہ حال سے خالی ہیں۔ ایسے احمقوں
ہم چنیں حمقا نخواہند نشست لے"	کی صحبت میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔

م ۱۱۰ ص ۸۵

امیروں کی اصلاح

شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی خانقاہ میں جب دولتمندوں کا ہجوم بڑھا تو ان کو اس سے تکلیف ہوئی اور اس ماحول سے دل برداشتگی اور تنگی کا اظہار کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو معلوم ہوا تو لکھا کہ ان لوگوں کو بھی نظر انداز نہ کرو، احیاءِ ملت اور ترویج سلسلہ کے لئے جب کوششیں کی جائیں تو سوسائٹی کے کسی حصہ کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ دولت مندوں کو متاثر کرنا بعض دیگر مصلحتوں کی بناء پر بھی ضروری ہے، لکھتے ہیں:

"مقصود از دخول اہل دول نہ	اہل دول کے سلسلہ میں داخل ہونے
آں است کہ ایشاں طے مراتب	سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ درویشی
درویشی کنند، مقصود آں است	کے مراتب و درجات طے کریں بلکہ
کہ بہ سبب دخول ایں مردم اکثر	مطلب یہ ہے کہ ان کے شامل ہونے
مردم دیگر داخل می شوند، و در نظر	سے بہت سے اور لوگ سلسلہ میں

---

۱ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے بعد اس ہی قسم کے گمراہ کن صوفیوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے تھے:

"وصیت دیگر آن ست کہ دست در دستِ مشائخ ایں زماں ہرگز نباید داد و بیعت ایشاں نباید کرد۔" وصیت نامہ ص ۳

۲ ایک دوسرے مکتوب میں دولت مندوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"اینہا آلۂ رجوع خواص و عوام اند"

م ۱۸ ص ۲۲

عوام دخول این مردم اعتبار تمام دارد۔"	داخل ہو جائیں گے۔ چونکہ عوام کی نظر میں ان لوگوں کا سلسلہ میں شامل ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔
(م ۶ ص ۱۲)	

پیرو مرشد کی اس ہدایت کے بعد شاہ نظام الدینؒ نے دولت مندوں سے زیادہ پرہیز نہ کیا بلکہ ان کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ ہو گئے۔ جب نتیجہ کوششوں کے برابر نہ پایا تو آزردہ خاطر ہوئے اور مایوس ہو کر شیخ کو لکھا کہ میں دولت مندوں کی صحبت سے تنگ آگیا ہوں۔ میری کوششیں بارآور نہیں ہوتیں۔ شاہ صاحبؒ نے سمجھایا کہ ان دولت مندوں سے زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔ ان کو فقیر یا درویش نہیں بنایا جا سکتا۔ ایک مکتوب میں ارشاد ہوتا ہے:

بہ یقین شناسید کہ دولتمنداں	اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ
ہرگز در ہیچ عصرے مرید ہیچ شیخ	دولت مند کسی زمانے میں بھی کسی
نشدہ اند، اگر شدہ دولت مند	شیخ کے مرید نہیں ہوئے ہیں اگر
نہ ماندہ، ہمہ را گذاشتہ لنگ	ہوئے ہیں تو دولت مند نہیں
بستہ اند۔	رہے بلکہ سب کچھ چھوڑ کر لنگوٹہ
م ۲۷ ص ۳۰	باندھ لیا ہے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو ذکر و اشغال سے کیا تعلق، یہ تو صرف منصب و وجاہت کے لئے تعویذ گنڈے کی فکر میں رہتے ہیں۔

(م ۴۵ ص ۴۴)

شاہ صاحبؒ نے اپنے مریدوں کو بادشاہوں، امراء اور رؤسا سے ارتباط کی نوعیت سے بھی خبردار کرنا مناسب سمجھا، لکھا کہ مقصد یہ نہیں ہے کہ تم اُن سے بے حد تعلقات پیدا کر لو، ایسا کرنے سے کام میں خلل واقع ہوتا ہے اور روحانی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شناسائی کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ

اگر خط لکھنا ہو تو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی طرح کہ بلبن کو ایک شخص کی سفارش لکھتے ہیں:

"میں نے اس شخص کا احوال اول خدا کی طرف پیش کیا ہے، پھر تیری طرف، اگر تو اُسے کچھ عنایت کرے گا تو حقیقت میں دینے والا خدا ہے اور تو مشکور اور اگر کچھ نہ دے گا تو حقیقت میں باز رکھنے والا خدا ہے اور تو معذور۔"

ایک موقع پر امراء کی صحبت اور اُن کے تحائف کے رد و قبول کے متعلق یہ بنیادی اصول واضح فرمایا:

ہر چہ باشد برائے خدائے تعالیٰ	جو کچھ بھی کرو اللہ تعالیٰ کے لئے کرو
باشد، قبول و رد اگر برائے خدا	قبول کرنا یا رد کرنا اگر خدا کے لئے
است محمود است والا مذموم	ہو تو محمود ہے ورنہ مذموم۔
(م ۶ ص ۱۱)	

تملق، خوشامد اور دربارداری فطرتِ درویش کے خلاف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ملاقاتِ سلاطین کہ بر درِ درویش آیند روا باشد، اما بر درِ آنہا نباید رفت"۔ م ۴۴ ص ۴۳

"بر درِ ملوک نباید رفت و آیندہ ہر قسم کہ باشد او را منع از آمدن نباید کرد"۔ م ۵، ص ۶۰

"درویش را باید کہ اختلاطِ بادشاہاں نماید و بخانہ اہل دول طواف نماید کہ اختلاط ملوک رونقِ ایمان می برد"۔[1] م ۶۵ ص ۵۵

---

[1] انفاس العارفین میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"در بعض ملفوظات بزرگان چشتیہ مذکور است کہ ہر کہ نام او در دیوان بادشاہ نوشتہ شد نام او را از دیوان حق سبحانہ بری آرند۔" ص ۶۹۔

سماع شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو اپنے زمانے کی جن گمراہیوں کے خلاف آواز اٹھانی پڑی تھی ان میں ایک سماع بھی تھا۔ مشائخ سلسلہ چشت نے اس کو روحانی غذا سے تعبیر کیا تھا، لیکن ساتھ ساتھ اس کے سخت اصول بھی مقرر کر دئے تھے۔ جن کے بغیر وہ سماع کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں ان اصولوں سے بے اعتنائی عام تھی، اور شاید ہی کوئی شیخ ایسا ہو جو اُن کی پوری طرح پابندی کرتا ہو، چنانچہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

امروز قدر راگ مشائخ نمی شناسند	آج کل مشائخ سماع کی اہمیت
و آداب را رعایت نمی کنند۔	نہیں سمجھتے ہیں، اور اس کے قواعد
(م ۱۰۵، ص ۸۳)	کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ اس کو "ہائے ہوئے سماع" کہتے ہیں اور جگہ جگہ اس کو کم کرنے کی تلقین فرماتے ہیں:

اے برادر اکثرتِ سماع	اے بھائی! سماع کی کثرت کو
ہم خوب ندارم بلکہ تعین ہر روز	میں اچھا نہیں سمجھتا بلکہ ہر روز بھی
ہم نیامده	اس کا تعین (مشائخ متقدمین کی)
(م ۷، ص ۱۴)	روایت نہیں ہے۔

وہ ہدایت کرتے تھے کہ سماع کی بجائے مراقبہ میں وقت صرف کیا جائے۔

"حلقہ مراقبہ وسیع از حلقہ	مراقبہ کا حلقہ سماع کے حلقہ سے
سماع باید کرد"۔ م ۹۹ ص ۸،	زیادہ وسیع کرنا چاہئے۔

اکثر مکتوبات میں (م ۱۳، م ۹۷، م ۱۰۳، م ۱۲) مراقبہ ہی کی ہدایت ہے۔ وہ زمانے کی حالت کو دیکھ رہے تھے اس لئے ڈرتے تھے کہ کہیں سماع کی شکل مسخ ہو کر نہ رہ جائے۔ فی نفسہٖ وہ اس کے مخالف نہیں تھے۔ لیکن حالات نے ان کو اس معاملے میں سخت گیر بنا دیا تھا۔ وہ خود سب اصولوں کی پابندی کرتے تھے۔ لہٰذا مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ:

"مجلس سرود بطور ما کنند"۔	محفل سماع ہماری طرح سے
م ۹۴ ص ۴۲،	کریں۔

یہ زمانہ تھا کہ جب مشائخِ سرہند کے اثرات بہت زیادہ پھیل گئے تھے۔ بادشاہوں پر اُن کا اثر تھا، اور وہ ان کی رائے کی عزت کرتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اس خیال سے کہ کہیں کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہو، اس امر کی کوشش کی کہ جہاں مشائخ نقش بند کا اثر ہو وہاں سماع کو بند رکھا جائے۔ ایک مرتبہ جب کہ بادشاہ دکن میں تھا، مشائخِ سرہند حج سے واپسی پر اس کے پاس پہنچے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو معلوم ہوا تو مرید کو خط لکھا کہ اس زمانے میں مجلس سماع کو موقوف رکھنا۔ بادشاہ کے ساتھ علمائِ سرہند ہیں کہیں:

"ہیجان مخالفان نشود"

م ۴۹ ص ۴۰،

فکر کلیمی کے بعض اہم پہلو شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اپنے معاصرین میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ علم، بصیرت، تقدس اور تجربہ نے مل کر ان کی شخصیت کا وقار کچھ اس طرح بڑھا دیا تھا کہ وہ دہلی کے روحانی حلقوں میں ہی نہیں بلکہ دور دور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے نہ صرف تصوف کے بنیادی افکار و نظریات کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا بلکہ ایک زبردست خدمت یہ بھی انجام دی کہ چشتیہ سلسلہ کے اعمال و اشغال کو ایک مکمل ضابطہ کی شکل دے دی۔ انھوں نے اذکار و اشغال کی نوعیت اور اثرات و نتائج کی کیفیت اس طرح بیان کی کہ تصوف کا کوئی پہلو خواہ وہ فکری ہو یا عملی، مبہم اور غیر واضح نہ رہا۔

شاہ صاحبؒ نے ایک حساس اور بیدار تاریخی ذہن پایا تھا۔ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھتے تھے، ان کا "تصور زمان" جو تاریخی فکر کی جان ہے حیرت انگیز حد تک صاف اور واضح تھا۔ ۶ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ کی ایک مجلس کا حال

کامگار خاں نے لکھا ہے:

"پادشاہ رفیع الدرجات دولت پابوس حاصل کرد، ذکر در انقلاب زمانہ و فنائے عالم حادث افتادہ بود۔ فرمودند کہ نزد اہل تحقیق انآً فانآً حالت فنا و بقا جاری است و نظر عوام ازیں معنی عاطل و غافل، مثلاً بر جوی آب کسے نظر کند آب جو محسوس می شود، اما فی الحقیقت آں آبے کہ در اول دہلہ منظور شدہ آں آب نیست از بسکہ بہ تندی و جلدی میگذرد و پی بہ پے میرسد، نظر ناظر تشخیص نمی تواند کرد۔ باز نظیر دیگر عنایت کردند کہ شعلہ چراغ در نظر نظارگیان متجلی ست اما آں شعلہ کہ مرتبہ اول سر کشیدہ در عالم فنا سپیدہ و لمعہ دیگر جای او قایم مقام گردیدہ۔ پس فنا و بقا متصل ہم دیگر ست بلا تفاوت و قوام عالم بر فنا و بقا است" [1]

(بادشاہ رفیع الدرجات کو ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ زمانے کے انقلاب اور بے ثباتی عالم کے متعلق ذکر ہوا۔ فرمایا کہ اہل تحقیق کی رائے میں ہر لمحہ گزرنے والا ہے اور (عالم میں) فنا و بقا کی حالت مسلسل جاری ہے۔ اور عوام کی نظر اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ دریا پر جب کسی کی نظر پڑتی ہے تو وہ آب جو کو محسوس کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ پانی جو پہلے لمحہ میں اس کو دکھائی دیا تھا وہ وہاں نہیں رہتا، جلدی سے تیزی کے ساتھ گذر جاتا ہے اور یہ سلسلہ مستقل جاری رہتا ہے (یعنی جس پانی پر نظر پڑتی ہے وہ آگے بڑھ جاتا ہے اور دوسرا پانی اس کی جگہ لے لیتا ہے) لیکن دیکھنے والے کی نگاہ اس کا احساس نہیں کر سکتی۔ دوسری ایک اور مثال ارشاد فرمائی کہ چراغ کا شعلہ دیکھنے والوں کی نظر میں روشن ہوتا ہے لیکن وہ شعلہ جو پہلی بار اس عالم وجود میں آیا تھا دھواں ہو چکا ہے اور دوسرا شعلہ اس کی جگہ اس کا قایم مقام ہو جاتا ہے۔ لہٰذا فنا اور بقا ایک دوسرے سے بلا کسی تفاوت کے جڑے ہوئے ہیں اور اس عالم کا خمیر ہی فنا اور بقا سے اٹھایا گیا ہے"

[1] مجالس کلیمی، (قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم ۴۹۳/ ۱۵۶) ص ۱۲؛ مطبوعہ نسخہ ص ۱۰۔

(۲) شاہ صاحبؒ اکل حلال کو روحانی ترقی کے لئے از بس ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ مرقع میں جہاں طالب راہ طریقت کے رخت سفر کے لوازم کا بیان ہے، وہاں سب سے پہلے اکل حلال کا ذکر کیا ہے [1]۔ ان کی مذہبی فکر کسب حلال اور محنت کو ضروری قرار دیتی تھی۔ جو اپنی روزی کمانے میں تساہل کرنے لگا یا بے عملی کا شکار ہو گیا اس نے اپنی روحانی ترقی کی راہیں خود مسدود کر لیں۔

(۳) شاہ صاحبؒ کو اس حقیقت کا شدید احساس تھا کہ تصوف میں فکری اور عملی دونوں حیثیتوں سے بہت سے ایسے عناصر راہ پا گئے ہیں جن سے بنیادی صحیح مقاصد متاثر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اعمال اور اذکار کا ایک مکمل ضابطہ ترتیب دیدیا۔ یہ کام جتنا اہم تھا اتنا ہی مشکل بھی تھا۔ عوام میں مروجہ اشغال کی صحیح نوعیت کا پرکھنا، غیر مفید یا مضر طریقوں کا انسداد، روحانی ترتیب کے لئے صحیح شاہراہ عمل کی نشاندہی، آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے وسیع تجربے، بیدار مذہبی فکر اور موثر روحانی تدابیر کی ضرورت تھی۔ انھوں نے مرقع میں اعمال، اذکار، اشغال اور ادعیہ تفصیل سے دیئے ہیں۔ ان میں مختلف قسم کی نمازیں بھی ہیں (مثلاً نماز حفظ الایمان، نماز عاشقین وغیرہ) اور ایسے اوراد بھی ہیں جو ہر دن کے حساب سے لکھے گئے ہیں، پھر رفع رنج، دفع بیماری، خلاصی محبوس، حفظ قرآن وغیرہ کے لئے دعائیں اور نقش دیئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سید محمد غوث گوالیاریؒ کا جواہر خمسہ صوفی حلقوں میں کافی مقبول ہو چکا تھا اور شاہ صاحبؒ بھی اس کے بعض اعمال کو قبول کرنے کا رجحان رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد جب شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مسند ارشاد بچھائی تو انھوں نے بھی جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت شطاری بزرگوں سے حاصل کی۔ مجموعی طور پر غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ شاہ صاحبؒ نے بیشتر اعمال

[1] مرقع ص ۲

واشغال کی بنیاد یا تو احادیث پر رکھی ہے یا پھر مشہور بزرگوں امام قشیری رحمۃ اللہ، امام نجم الدین نسفیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے[1]۔ اوراد شیخ شہاب الدین سہروردی کا بھی ایک جگہ حوالہ ہے[2]۔ بابا فریدؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے بھی بعض اعمال نقل کئے گئے ہیں۔

مرقع کے مخاطب وہ صوفی منش عوام تھے جن کو اعمال وادعیہ کی حد تک تہذیب[3] وتربیت کی ضرورت تھی۔ خلفاء کی اعلیٰ روحانی تربیت کے لئے انھوں نے ۱۱۰۱ھ / ۱۶۸۹ء[4] میں کشکول ترتیب دی۔ لکھتے ہیں:

قبل ازیں مرقعے دربیان تطوعات	اس سے پہلے میں نے ایک مرقع
ودعوات برائے عرات شہرستان	شہود کے شہریوں کے واسطے جو
شہود دوختہ بودم تاکہ تن را بہ	ننگے تھے تیار کیا تھا تاکہ ان کا تن
لباسُ التقویٰ بیراستہ دارند۔	لباس تقویٰ سے آراستہ ہو جائے
امروز کہ غرۂ ذی قعدہ ۱۱۰۱ھ	آج کہ غرہ ذیقعدہ ۱۱۰۱ھ ہے
ہزار ویک صد ویک است	بعض خالص دوستوں کی درخواست
بالتماس بعضے محبان صمیمی لقمات	سے کچھ لقمے دروازوں سے مانگ کے
دریوزہ دریں کشکول فراہم	اس کشکول میں جمع کئے ہیں تاکہ
آوردہ تا اصحاب ذوق وارباب	ذوق اور شوق والے لوگ اس
شوق نصیب کامل وحظ وافر	سے پورا پورا حصہ لیں۔
بردارند۔[5]	

۱ مرقع ص ۹، ۲۱ وغیرہ
۲ مرقع ص ۱۰
۳ مرقع ص ۲۱ وغیرہ
۴ مرقع ص ۶
۵ کشکول ص ۳

کشکول میں "سیر الی اللہ" اور "سیر فی اللہ" کا مفہوم واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کمال انسانی اسی میں ہے کہ فنا فی اللہ کی سرحد میں پہونچ کر بقا باللہ حاصل کرے اور پھر وہیں رہے[1]۔ اذکار کو مراقبہ پر مقدم رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں[2]۔ سفر روحانی میں جو خطرات پیش آتے ہیں اُن سے باخبر کرتے ہوئے تحفظ کی تدابیر بیان کرتے ہیں[3]۔ کشکول اور مرقع راہ طریقت میں روشنی کے مینارے کی طرح تھے جن سے کتنے ہی گم گشتگان راہ منزل پر پہونچے۔

(۴) شاہ صاحبؒ کی دینی فکر کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ روحانی تربیت کے لئے مرید کی مادری زبان کے استعمال کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی ہدایت تھی کہ

اگر مرید عجمی باشد بہر زبان کہ	اگر مرید غیر عرب ہو تو اس کی جو بھی
داشتہ باشد تلقین فرمایند[4]	زبان ہو اس میں تلقین کریں۔

اس طریقۂ کار کے لئے مشائخ متقدمین میں ان کو سند حضرت بابا فریدؒ کی روش سے ملی تھی۔ خود شاہ صاحبؒ کا بیان ہے:

حضرت شیخ شکر گنج قدس سرہ	حضرت شیخ شکر گنج نے پنجابی زبان

۱ کشکول ص ۴۔
۲ کشکول ص ۲۶۔
۳ کشکول ص ۳۰-۲۹۔
۴ کشکول ص ۳۰۔
کشکول ہی میں انھوں نے یہ حقیقت بھی واضح کردی ہے کہ

آنکہ زبان عربی مظہر اتم صلی اللہ علیہ	عربی زبان کو کامل مظہر صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم قوی مناسبت است پس تاثیر	کے ساتھ قوی نسبت ہے پس تاثیر زیادہ
آں بیشتر باشد اگرچہ ہر زبان بحقیقت	ہوگی اگرچہ زبان کی نسبت حقیقت
نبوی سوی السنۃ است" ص ۸۰	نبوی کے ساتھ برابر ہوگی۔

بزبان پنجابی ذکر کردہ اند، اہول	میں ذکر کیا ہے۔ (وہ یہ ہے) اہول
تون (جانب علویات اشارت	تون (علویات کی طرف اشارہ)
است) اہول تون (جانب	اہول تون (سفلیات کی طرف
سفلیات اشارت است)	اشارہ) تو ہین تون اطلاق کی طرف
تو ہین تون جانب اطلاق۔[1]	

شاہ صاحبؒ کا یہ انداز فکر ایک ایسے اجتہادی اصول پر مبنی تھا جس نے تحریک تصوف کے اثر و نفوذ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جانے کے امکانات روشن کر دیئے تھے۔ اسی فکر کی ایک کڑی شاہ فخر الدین دہلویؒ کی یہ تجویز تھی کہ ہندوستان میں جمعہ کا خطبہ اردو زبان میں دیا جائے[2] تاکہ عوام اس سے استفادہ کر سکیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان نے فارسی اردو تراجم کی طرف جو توجہ کی تھی وہ بھی اسی احساس کی پیداوار تھی۔ غالباً اس ضرورت کو سب سے پہلے شاہ ابوالرضاؒ نے محسوس کیا تھا، اور غالباً انھوں ہی نے شاہ کلیم اللہؒ اور شاہ ولی اللہؒ دونوں کو اس سلسلہ میں راہ دکھائی تھی۔

(۵) شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے نظام تعلیم و تربیت کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ جوگیوں کے بعض اشغال کو بالکل اسی دلیل کے ساتھ جو مولانا اشرف علی تھانویؒ دیا کرتے تھے[3] بعض مریدوں کو بتا دیتے تھے۔ کشکول میں لکھتے ہیں:

بیٹھک جوگ ہشتاد و چہار است	جوگ کی چوراسی بیٹھک ہیں اور
و برائے ہر یکے نفعے خاص است[4]	ہر ایک میں ایک خاص نفع ہے۔

---

[1] کشکول ص ۱۴؛ المجالس الحسنیہ (قلمی نسخہ سر شاہ سلیمان گلشن) میں بھی اس کا حوالہ ہے لیکن اس کو "ذکر ہندوی" سے تعبیر کیا ہے۔

[2] دیکھئے تذکرہ شاہ فخر الدین دہلویؒ (باب سوم)

[3] دیکھئے تاریخ مشائخ چشت جلد اول ص ۴۸؛ [4] کشکول ص ۴۸۔

انھوں نے جوگ کے ایک طریقہ انہد پر ابتدائی زمانہ میں عمل بھی کیا تھا اس عمل کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"میاں میر لاہوری و یاران	میاں میر لاہوری اور ان کے
ایشاں ہمیں شغل داشتند"[1]	مریدین کا یہی شغل تھا۔

یہ شغل صرف ذہنی مرکزیت حاصل کرنے کے لئے تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب شاہ کلیم اللہؒ مدینہ منورہ حضرت یحییٰ مدنیؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے اور جوگیوں کے ان اشغال کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا:

ایں شغل نیک مفید است و	یہ شغل بہت مفید ہے اور اصحاب
مشترک میان صاحب کرامتان	کرامت (مسلمانوں) اور اہل استدراج
و صاحب استدراجان و اثر	(ہندوؤں) کے درمیان مشترک
مترتب بر ایں اینست کہ خاطر	ہے اور اس کا یہ اثر ہے کہ پراگندہ
مشتت را جمعیتے می آرد و از ہمہ	خاطر میں جمعیت اور یکسوئی پیدا
یکسو می گرداند[2]	کرتا ہے۔

(۶) شاہ کلیم اللہؒ جوانوں کی تربیت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اس فیصلہ کا محرک غالباً یہ احساس تھا کہ جوان میں اکتساب کی صلاحیت کے علاوہ، دوسروں کو متاثر کرنے، زیادہ عرصہ تک موثر طریقہ پر دینی کام کو جاری رکھنے کی قوت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ بوڑھوں کی ذاتی تعلیم تو ممکن تھی لیکن اُن کو دینی تحریک میں موثر طریقہ پر لگانا آسان نہ تھا۔ لکھتے ہیں:

ولہذا گفتہ اند کہ جواناں را تعلیم	اسی واسطے کہا گیا ہے کہ جوانوں
ذکر زود مثمر بود۔ قالو ان اللہ فی	کو ذکر تعلیم کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے

---

[1] کشکول ص ۶۴۔

[2] کشکول ص ۶۵۔

بعد الثلثین بارد، اما در سن عدم تکلیف تلقین ذکر نکنند کہ حرارت ذکر می سوزد و چوں مراہق شود روا باشد و محنتہا کہ در ایام جوانی سالک تواند کرد در ایام پیری نتواند کرد و کشف و شہود کہ در جوانت سن پدید آید در خرافت بہم نمی رسد شیخ نظام الدین نارنولی قدس سرہ صوفیان بارد را بخوردن دانۂ پنوار وصیت می کرد تا حرفت و گرمی در طبیعت ایشاں بادویۂ نباتی افزاید" [۱]

اور کہتے ہیں کہ صوفی تیس برس کے بعد سرد ہو جاتا ہے لیکن لڑکپن میں ذکر نہیں سیکھنا چاہئے کیونکہ ذکر کی حرارت جلادے گی اور جب بلوغ کے قریب پہونچے تو حرج نہیں ہے اور جوانی کے زمانہ میں جو محنت سالک کر سکتا ہے بڑھاپے میں نہیں کر سکتا اور شہود و کشف جو اوائل سن میں ہوگا بڑھاپے میں نہیں ہوگا شیخ نظام الدین نارنولی قدس سرہ باردامزاج، صوفیوں کو تخم پنواڑ کھانے کو فرماتے تھے تاکہ نباتی دواؤں سے ان لوگوں کی طبیعت میں سوزش اور گرمی پیدا ہو۔

(۷) مرقع، کشکول اور مکتوبات تینوں کے مطالعہ سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہوتی ہے اور وہ یہ کہ شاہ صاحبؒ مختلف سلاسل کی تعلیم کو ملانے اور اُن سے استفادہ کرنے میں قطعاً تامل نہ کرتے تھے۔ اُن کے یہاں شاذلیہ، قادریہ، شطاریہ، نقشبندیہ، فردوسیہ ہر سلسلہ کے مشائخ کا ذکر اور تعلیمات ملتی ہیں۔ سلسلوں کی تعلیم میں ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی یہ کوشش ہراول ہے اس فکر کی جس کو بعد میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنا مخصوص طریقہ کار قرار دیا۔ شاہ کلیم اللہؒ کا خیال تھا کہ وقت اور مصلحت کے اعتبار سے جس سلسلہ کی تعلیم سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو، اٹھانا چاہئے۔ مثلاً جب اورنگ زیب

[۱] کشکول ص ۸۲۔

کو نقشبندی سلسلہ کی طرف راغب پایا اور دکن میں ایسی صورت پیش آئی کہ چشتی سلسلہ کے بعض اذکار و مشاغل پر تنقید ہونے لگی اور عوام بھی بادشاہ وقت کے رجحانات کے پیش نظر چشتی خانقاہوں سے گریز کرنے لگے تو شاہ صاحبؒ نے اپنے مرید شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو لکھا:

(۱) مجلس را بذکر و عشق گرم داشتہ باشند قبول مردم نوعے از قبولیت حق است و ہر سلسلہ کسیکہ پیش شما آید مشغول کنید، سلسلۂ نقشبندیہ، و سہروردیہ، و گازرونیہ، و کبرویہ و شطاریہ ہمہ از شما است [۱]

مجلس کو ذکر اور عشق سے گرم رکھیں۔ عوام میں مقبولیت، مقبولیت حق کی ایک قسم ہے۔ کسی بھی سلسلہ سے تعلق رکھنے والا تمہارے پاس آئے اس کو ذکر و شغل بتادو تمہیں سلسلہ نقشبندیہ، سہروردیہ، گازرونیہ، کبرویہ، شطاریہ سب میں اجازت ہے۔

لیکن اس اجازت کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ مختلف سلاسل کی تعلیم کو ایسا خلط ملط کر دیا جائے کہ روحانی زندگی میں تفرقہ پیدا ہو جائے۔ ایک شخص عبدالرشید نے چشتیہ سلسلہ کے شغل شاہ نظام الدینؒ سے سیکھنے کے لئے شاہ کلیم اللہؒ سے درخواست کی تو انھوں نے فرمایا بتادیئے جائیں لیکن شرط یہ ہے کہ

"از جملہ اشغال ماقبل معزول شوند و از سرِ نو ابجا ایں دفتر خوانند و الا معنی ندارد کہ سرے از اسرار ایں راہ بمشام ایشاں دہند [۲]

پہلے جو اشغال تھے ان کو ختم کریں اور از سر نو اس سلسلہ کی تعلیم حاصل کریں، ورنہ کوئی معنی نہیں کہ اس راہ (اور سلسلہ) کے اسرار ان کے کان تک پہونچیں۔

مختلف سلسلوں کو قریب لانے اور دینی جدوجہد کو اتحاد ملی کے ساتھ تیز تر کرنے کی خواہش

[۱] مکتوبات کلیمی ص ۱۸؛

[۲] مکتوبات کلیمی م ۵ ص ۱۰

ہی غالباً اس بات کی محرک ہوئی کہ شاہ صاحبؒ نے اپنے بیٹوں کو قادریہ سلسلہ میں بیعت کرایا۔ تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

از زبان حق ترجمان حضرت غریب	خواجہ محمد عاقلؒ سے ایک شخص نے
پرور شیخے شنیدہ و مطابق آں در	یہ سنا ہے اور اس کی تائید
خلاصۃ الفوائد نیز دیدہ کہ حضرت	خلاصۃ الفوائد سے بھی ہوتی ہے
قطب جہاں آبادی شیخ کلیم اللہ	کہ حضرت قطب شیخ کلیم اللہ جہاں
رضی اللہ ہمہ فرزندان خود را دریں	آبادیؒ نے اپنے سب بیٹوں کو
سلسلہ قادریہ بیعت فرمودہ بودند	سلسلہ قادریہ میں بیعت کیا تھا۔
و می فرمودند کہ سلسلہ چشتیہ بہشتیہ	فرمایا کرتے تھے کہ سلسلہ چشتیہ
پُر از ناحات شاقہ است و دامن	میں بہت محنت شاقہ ہے، اور
حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ	حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ
فراخ است و باعث پوشیدگی	کا دامن بہت فراخ ہے اور اس
وہر کس دراں گنجائش میدارد[1]"	میں ہر شخص کے لئے گنجائش ہے۔

وصال | آخر عمر میں شاہ صاحبؒ کو نقرس اور وجع المفاصل کے امراض لاحق ہو گئے تھے۔ ایک خط میں جو تقریباً ۷۸ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے، فرماتے ہیں:

آزار نقرس و وجع المفاصل	نقرس اور گٹھیا کا مرض نہایت
بافراط شدہ، کہ دست چپ و	شدت سے ہو گیا ہے، بایاں ہاتھ

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۵؛ حضرت غریب پرور سے مراد خواجہ محمد عاقل ہیں۔

[2] اسی مکتوب میں لکھتے ہیں:

"امروز نہم جمادی الثانی است، سال عمر ہفتاد و ہشت است چہاردہ یا پانزدہ روز باقی است کہ شروع سال نہم خواہد شد۔" (م ۲۵ ص ۹۳)

شاہ صاحبؒ نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

زانوئے پائے راست وہر دو	اور داہنی ٹانگ اور دونوں پاؤں
پا آماسیدہ اند و چہار ماہ است	پر ورم ہو گیا ہے۔ چار مہینے سے
کہ صاحب فراشم، دریں روز	صاحب فراش ہوں۔ اس زمانے
لنگ لنگاں بہ استعانت چندے	میں لنگڑاتا لنگڑاتا چند آدمیوں
از اندروں بہ خانہ می توانم رفت،	کی مدد سے اندر سے مکان جاتا
نماز بہ تیمم نشستہ می خوانم	ہوں، نماز تیمم سے اور بیٹھ کر پڑھتا
(م ۱۲۵ ص ۹۳)	ہوں۔

لیکن ان تکالیف کے باوجود وہ اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہے۔ جامع مکتوبات کلیمی نے لکھا ہے:

"در ہدایتِ خلق اللہ و اعلائے	خلقت کی ہدایت اور اعلائے
کلمۃ اللہ تا دم واپسیں کوشش	کلمۃ اللہ کے لئے آخری سانس
بلیغ بکار بردند" [2]	تک کوشش کرتے رہے۔

بیماری کی حالت میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو خطوط لکھتے تھے اور

[1] فخر الطالبین اور مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ ٹانگ میں درد یا آماس کی شکایت بزرگان چشت کی ایک پرانی خصوصیت ہے۔ خواجہ نور محمد فرماتے ہیں۔

"آزار نقرس یعنی آزار مفصل ابہام پائے و درد زانو موروثی پیران ما ہست یعنی مولانا صاحب و شیخ صاحب و شیخ کلیم اللہ و شیخ یحییٰ مدنی ایں ہمہ بزرگاں ایں مرض می داشتند"۔ مناقب المحبوبین۔ ص ۹۶-۹۵۔

مولوی محمد عمر نے لکھا ہے کہ شاہ نور محمد صاحبؒ کو یہ مرض تھا۔ حاجی نجم الدین صاحب کا بیان ہے کہ حضرت شاہ سلیمانؒ کو بھی یہی شکایت تھی (مناقب المحبوبین ص ۹۶)۔ قاضی محمد عاقل صاحب کی ایک ٹانگ میں درد رہتا تھا (تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۰)۔

[2] مکتوبات کلیمی ص ۲۔

ضروری ہدایات دیتے تھے۔

شاہ صاحبؒ نے ۲۴ر ربیع الاول ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۷۲۹ء کو وصال فرمایا۔[1] انتقال کے وقت یہ بیت زبان پر تھی ؎

غبار خاطرِ عشاق مدعا طلبی است
بخلوتے کہ منم یاد دوست بے دبیست[2]

اپنی مسکونہ حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی، سپرد خاک کیے گئے۔[3] ایک مرید نے تاریخ وفات کہی ؎

کلیم اللہ عارف پاک بودہ
باقلیمِ بقا ذوقش ربودہ
بپرسیدم چو تاریخِ وفاتش
خرد گفتا کہ "ذاتِ پاک بودہ"
۱۱۴۲ھ

شاہ صاحبؒ کے مزار کے گرد اُن کے خاندان کے افراد آباد تھے۔ ۱۸۵۷ء تک یہ علاقہ بہت آباد اور بارونق تھا۔ غدر میں یہ آبادی تباہ و برباد ہوئی۔[5] مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

---

[1] آزاد بلگرامی (مآثر الکرام) نے سنہ وفات ۱۱۴۳ھ لکھا ہے۔ شجرۃ الانوار، خزینۃ الاصفیاء، دیگر مکتوبات کلیمی میں ۱۱۴۲ھ ہے، اور یہی صحیح ہے۔ حدائق الحنفیہ میں ۱۱۴۰ھ لکھا ہے جو یقیناً غلط ہے۔ (ص ۴۳۹)

[2] مناقب المحبوبین ص ۴۵۔

[3] آزاد بلگرامی نے لکھا ہے: "در حویلی سکونت خود مدفون گردید" ص ۴۳۔

[4] شجرۃ الانوار (قلمی)۔

[5] سیر المنازل (قلمی) میں اس کا مختصر حال درج ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غدر سے پہلے یہ علاقہ خاصہ آباد تھا۔

"در سال غدر چوں نصاریٰ بر اہل اسلام دہلی فتح یافتند، مکانہائے کہ قریب لعل قلعہ بودند ہمہ را منہدم کردند"[1]	غدر میں جب نصاریٰ نے مسلمانوں پر فتح پائی تو لال قلعہ کے قریب کے مکانات منہدم کر دیئے۔

غالب ایک خط میں سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں:

"شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا مقبرہ اُجڑ گیا، ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی، اُن کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں۔"[2]

شاہ صاحبؒ کی خانقاہ بھی اسی ہنگامہ میں منہدم کر دی گئی۔ میاں نظام الدین نبیرۂ حضرت شاہ فخر الدینؒ نے غدر کے بعد مولانا نجم الدین کو بتایا تھا کہ

"من اجازت از انگریز گرفتہ ام احاطہ برگرد مزار شریف الیشاں تیار خواہم کرد"[3]	میں نے انگریز سے اجازت لے لی ہے۔ ان کے مزار شریف کے گرد احاطہ بنوا دوں گا۔

اولاد شاہ صاحبؒ کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔[4] لڑکوں کے نام خواجہ محمد

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۵۔

[2] اردوئے معلیٰ۔ حصہ اول ص ۱۸۴۔ ۱۸۳۔

[3] مناقب المحبوبین ص ۴۵۔

[4] مناقب المحبوبین میں پانچ لڑکیاں بتائی ہیں، چوتھی اور پانچویں کا نام نہیں لکھا۔ ایک کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی رابعہ کے انتقال کے بعد محمد ہاشم صاحب سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔

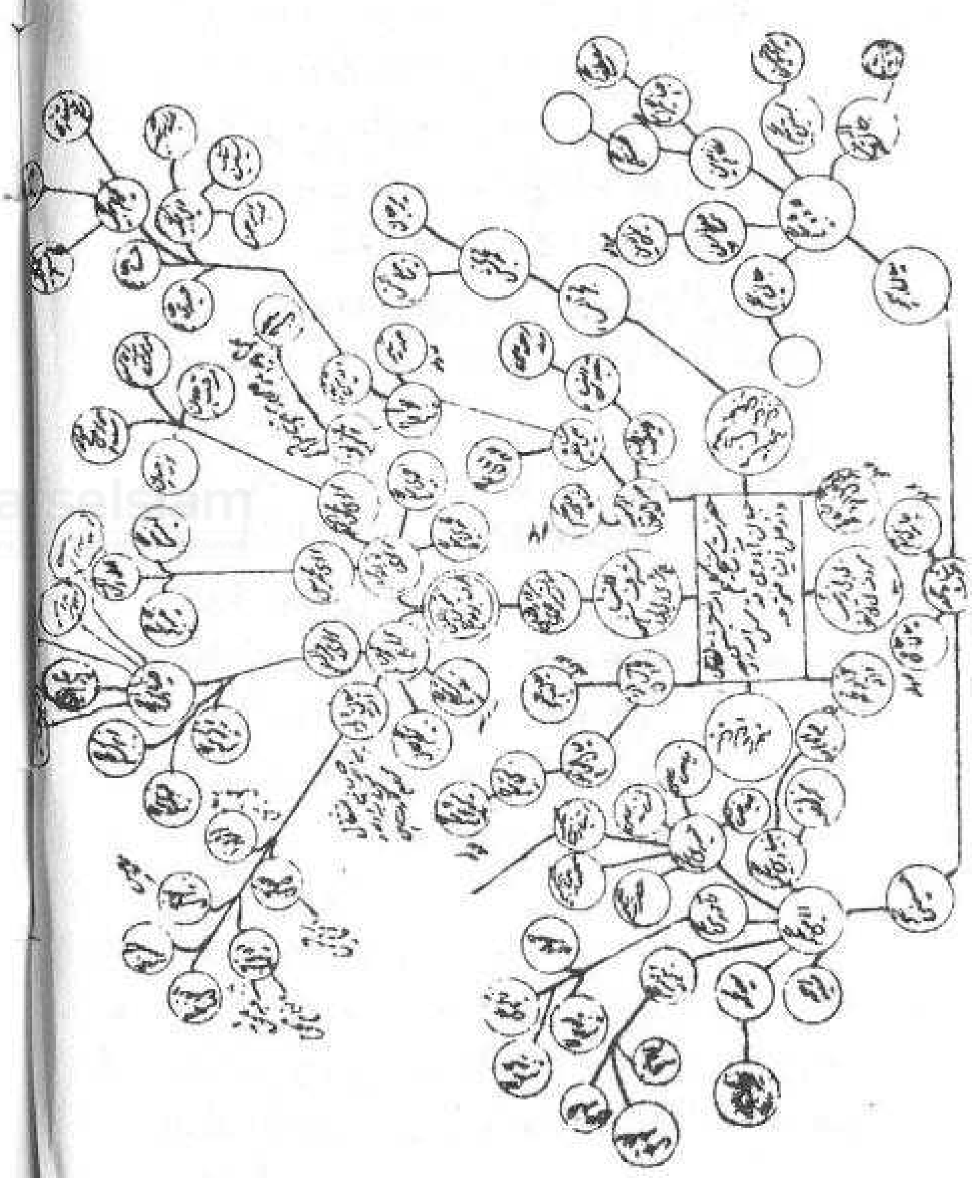

حامد سعید، محمد فضل اللہ، محمد احسان اللہ تھے۔ لڑکیوں کے نام تھے۔ بی بی رابعہ، بی بی فخرالنسا، زینب بی بی۔ خواجہ محمد کا انتقال، شاہ صاحبؒ کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا، ان کی وفات پر شاہ صاحبؒ نے ایک نہایت پُردرد خط لکھا تھا[1]۔ باقی اولاد کے متعلق ایک خط میں خود لکھتے ہیں[2]:

سہ فرزند و سہ دختر موجود اند	تین بیٹے اور تین بیٹیاں موجود ہیں،
حامد بہ کتب سلوک مشغول	حامد کتب سلوک کے مطالعہ میں
است محمد فضل اللہ دہ سالہ	مشغول ہے۔ محمد فضل اللہ دس
دوازدہ سیپارہ قرآن حفظ کردہ	سال کا ہے۔ ۱۲ پارے کلام پاک
محمد احسان اللہ پنج سالہ بمکتب	کے حفظ کر لئے ہیں۔ محمد احسان اللہ
شدہ بخواندن ابجد مشغول است	پانچ سالہ کا ہے۔ مکتب میں ابجد
اما سہ دختر، یکے بخانہ محمد ہاشم	پڑھتا ہے۔ لڑکیوں کا یہ ہے کہ ایک
دادیم، بی بی رابعہ[3] نام دارد، و	محمد ہاشم کے نکاح میں ہے۔ بی بی
دیگر بی بی فخرالنسا برادرزادہ	رابعہ اس کا نام ہے دوسری بی بی
خود دادیم سیوم زینب بی بی	فخرالنسا برادر زادہ کے نکاح میں
مشہور بہ بی بی مصری چہاردہ	دیدی ہے۔ تیسری لڑکی زینب
سالہ تاحال جائے منسوب	بی بی جو بی بی مصری کے نام سے

---

[1] مکتوب ۲، ۴۲ ص ۴۰۔

[2] یہ خط شاہ صاحبؒ نے تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں لکھا ہوگا۔ ایک مکتوب میں (م ۳، ۱۲۴) میں لکھا ہے کہ احسان اللہ ۵ سال کی عمر میں عطا ہوئے تھے۔ اس خط میں اُن کی عمر ۵ سال بتائی گئی ہے۔

[3] ایک مکتوب میں اُن کا نام بی بی شرف النساء لکھتے ہیں (م ۵، ص ۱۵۰)۔

[4] مناقب المحبوبین میں اُن کا نام شیخ عبدالرحیم لکھا ہے۔ (ص ۴۶)۔

نشدہ"

م ۱۲۵ ص ۹۳	مشہور ہے۔ ۱۴ سال کی ہے، ابھی کہیں اس کی نسبت نہیں ہوئی ہے۔

شیخ محمد ہاشم ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا حال شاہ صاحب رح نے خود ایک مکتوب میں لکھا ہے[1]۔ اُن کے والد شاہ حسن دکن میں رہتے تھے۔ شیخ عبداللطیف دولت مندانی کہ بادشاہ بایشاں اخلاص داشت" م ۵ ۱) کے وہ مرید تھے، اور اُن ہی کے حکم کے مطابق الٰہ آباد آکر آباد ہو گئے تھے۔ محمد ہاشم الٰہ آباد سے دہلی تحصیل علم کے لئے آگئے تھے۔ شاہ صاحب رح نے اپنی بڑی لڑکی ان کے نکاح میں دے دی تھی۔

"چوں بسیار صالح و فقیر و فقیر زادہ بود ایں عقد منعقد شد"	چونکہ بے حد صالح، فقیر اور فقیر زادہ تھے۔ اس لئے یہ رشتہ کر لیا گیا۔

م ۵، ص ۵۱ - ۵۰

شاہ صاحب رح کی چھوٹی صاحبزادی بی بی مصری کے متعلق جامع مکتوبات نے لکھا ہے:

"حضرت ایشاں بایشاں بسیار نظر التفات می داشتند، و تا حال فیضے کہ باولاد ایں معصومہ و عفیفہ روزگار است بدیگراں دیدہ نمی شود"۔[2]

بی بی مصری کی شادی شاہ میر سے ہوئی تھی۔[3]

مولوی انوار الحق دہلوی نے شاہ صاحب کے تذکرے میں اُن کی اولاد کی تفصیل دی ہے (مخطوطہ شاہ محمد سلیمان کلکشن، علی گڑھ) جس کا عکس شامل کیا جاتا ہے۔

خلفاء حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رح کے خلفاء و مریدین کی تعداد تو

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ م ۵، ص ۵۱ - ۵۰۔

[2] مکتوبات کلیمی۔ ص ۳۔

[3] مناقب المحبوبین ص ۴۶

کثیر تھی[1] لیکن خلفاء کی مکمل فہرست اور حالات دستیاب نہیں ہوتے۔ مختلف تذکروں میں جن خلفاء کے اسماء گرامی ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ــــ شاہ محمد ہاشم رح

(۲) ــــ مولانا شاہ ضیاء الدین رح

(۳) ــــ مولانا شاہ جمال الدین رح جے پوری رح

(۴) ــــ مولانا شاہ جلال الدین رح

(۵) ــــ مولانا شاہ محمد علی رح

(۶) ــــ مولانا شاہ عبداللطیف رح

(۷) ــــ مولانا حافظ محمد عبداللہ رح

(۸) ــــ مولانا عبدالصمد رح

(۹) ــــ مخدوم شیخ تھارو رح

(۱۰) ــــ شیخ بدیع الدین عرف شیخ مداری ناگوری رح (قبر سنگھانہ)

(۱۱) ــــ خواجہ مصطفےٰ مراد آبادی رح

---

[1] دو بیانات ملاحظہ ہوں: تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے: "در ستر حال می کوشیدند تا کہ می گویند کہ مریداں معدودہ گرفتہ اند و ہمہ را بہ تکمیل رسانیدہ اند و خلفائے ایشاں بسیار اشتہار یافتہ" (ص ۸۰) جامع مکتوبات کا بیان ہے: "حضرت ایشاں را ما سوائے حضرت شیخ الاسلام حضرت نظام الدین اورنگ آبادی چشتی رح خلفاء کثیر اند" (ص ۴) - تکملہ کا "مریداں معدودہ" والا بیان قابل اعتبار نہیں۔ مکتوبات سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ بالکل مختلف ہے۔ وہ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ اگر بظاہر معصیت میں پھنسے ہوئے لوگ (بھنگ، شراب اور افیون کے عادی) داخل سلسلہ ہونا چاہیں تو بیعت کے بعد ذکر کی تعلیم کر دی جائے "کہ نام حق تعالےٰ تاثیر خواہد کرد زود یا دیر"۔ مکتوبات م ۲۱ ص ۲۴

(۱۲) — سید محمد علیؒ

(۱۳) — شیخ بدھنؒ

(۱۴) — حافظ محمودؒ

(۱۵) — حافظ سعید پسر شاہ صاحبؒ

(۱۶) — شاہ اسد اللہؒ

(۱۷) — قاضی عبدالوالیؒ سکنہ بلدہ سنگھانہ

(۱۸) — شاہ جلیل قادریؒ

خواجہ مصطفےٰ مراد آبادی | خواجہ صاحبؒ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی اولاد سے تھے۔ لاہور کے ایک دولت مند گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ جوانی ہی میں دنیا سے دل سرد ہو گیا تھا اور شاہ کلیم اللہؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے تھے۔ ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں بمقام مراد آباد وصال فرمایا اور اپنی بنائی ہوئی مسجد (مغل پورہ) کے صحن میں سپردِ خاک کیے گئے۔ اُن کے بعد شیخ عبدالرحیم اُن کے سجادہ پر بیٹھے۔ انھوں نے "زہد، قناعت، رضا اور تسلیم" میں اپنی زندگی گزاری۔ کبھی کسی سے وظیفہ قبول نہ کیا۔ مثنوی مولانا روم سے خاص دلچسپی تھی۔ اُن کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مزار کے برابر ہے۔ [1]

---

[1] انوار العارفین ص ۴۳۰-۵۵۱

باب دوم

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ، شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے اور ان ہی کی ہدایت کے ماتحت دکن چلے گئے تھے جہاں انھوں نے نظامیہ سلسلہ کی شاندار خانقاہ قایم کی تھی۔ امیر اور غریب، جاہل اور عالم سب ہی پروانوں کی طرح اُن کے گرد جمع ہوتے تھے۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے بعد چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے کسی اتنے جلیل القدر بزرگ نے سرزمین دکن پر قدم نہیں رکھا تھا۔ احسن الشمائل کے مصنف کا بیان ہے کہ

"چنیں فیضے کہ از ذات با برکات حضرت صاحب مدظلہ بعالمے رسیدہ می رسد شاید از بزرگان سلف بوقوع آمدہ باشد و بالفعل ایں امر درایں عصر منحصر بذات فائض البرکات است۔"

جیسا فیض حضرت شاہ صاحب مدظلہ کی ذات بابرکات سے عالم کو پہونچا اور پہونچ رہا ہے، شاید بزرگانِ سلف میں ہی سے کسی کو پہونچا ہو۔ اس وقت تو فیض چشمہ اُن ہی کی ذات ہے۔

وہ تاریخ ہند کے ایک نہایت ہی بحرانی دور میں دکن گئے تھے۔ اورنگ زیب

مرہٹوں سے آخری اور فیصلہ کن معرکوں میں مصروف تھا مغلیہ سلطنت اپنی شان و شوکت، اقبال و اقتدار کا دور ختم کر رہی تھی۔ باغیانہ قوتیں اُبھر رہی تھیں اور ایوانِ شاہی میں زلزلے محسوس ہو رہے تھے۔ ہر طرف ہراس اور پریشانی کا عالم تھا۔ ایسے ہوش رُبا دور میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کرنا آسان کام نہ تھا، چنانچہ قدرت نے جس شخص پر اس کام کی ذمہ داری ڈالی وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔

شاہ نظام الدینؒ نے دکن پہونچ کر ارشاد و تلقین کا ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ سارا ملک اُن کی شعلہ نفسی سے گرم ہوگیا۔ ہزاروں انسانوں نے اُن سے ہدایت پائی۔ معاصر تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ان کے ایک لاکھ مرید تھے اور یہ سب ایسے تھے کہ اُن کی اصلاح و تربیت میں کافی دماغ سوزی کی گئی تھی۔

ولادت و نسب | شاہ نظام الدینؒ کا سنہ ولادت کسی معاصر تذکرے یا ملفوظ میں درج نہیں ہے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ انھوں نے ۸۲ سال کی عمر میں وصال فرمایا تھا[1]۔ اس بنیاد پر اگر اُن کی تاریخ پیدائش کا حساب لگایا جائے تو وہ ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے ہم عمر تھے، اور اُن ہی کے ساتھ وصال فرمایا۔ لیکن شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کے طرز سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ نظام الدینؒ اُن سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔

شیخ اورنگ آبادیؒ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے[2]۔ خواجہ محمد عاقل کی سندِ حدیث میں جو سلسلہ درج ہے اس میں اُن کے صاحبزادے شاہ فخر الدینؒ کو صدیقی بتایا گیا ہے[3]۔

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۰۔

[2] شجرۃ الانوار (قلمی)، مناقب فخریہ (مطبوعہ) ص ۳؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴۔

[3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴۔

وطن | شاہ نظام الدینؒ کے وطن کے متعلق کسی معاصر مصنف نے صراحتاً نہیں لکھا۔ مناقب فخریہ، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء وغیرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا وطن پورب میں تھا اور وہاں سے تکمیلِ علم کے لئے دہلی چلے آئے تھے۔ سرسید نے آثار الصنادید میں ان کا وطن "مکراؤں کہ مضافات لکھنؤ سے ہے[1]" بتایا ہے بعض شجروں میں اُن کا مقام ولادت "نگراؤں" درج ہے[2]۔

برکات الاولیاء میں ان کا وطن کاکوری لکھا ہے[3]۔ مناقب المحبوبین، انوار العارفین اور سلسلۃ الذہب میں کاکوری اور نگراؤں دونوں درج ہیں اور کسی ایک مقام کے متعلق فیصلہ نہیں کیا گیا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

"وطن اصلی ایشاں در ضلع پورب در قصبہ کاکوری و نگراؤں متصل بلدہ لکھنؤ است[4]"

خواجہ حسن نظامی اور نواب مصلح الدین کا خیال تھا کہ اُن کا وطن کاکوری تھا[5]۔

خواجہ محمد عاقلؒ کے سلسلۂ حدیث میں شاہ فخر صاحبؒ کی ولدیت اس طرح درج ہے:

"ابن الشیخ نظام الدین الغوری ثم الاورنگ آبادی قدس اللہ سرہ[6]"

---

[1] آثار الصنادید (باب چہارم) ص ۳۰

[2] شجرۂ سلیمانیہ فخریہ۔ مولانا غلام فرید خاں چشتی ص ۳۰

[3] برکات الاولیاء ص ۱۴۴ [4] مناقب المحبوبین ص ۱۴۴

[5] منادی مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۶ء میں نواب مصلح الدین کا بیان درج ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے ایک مکتوب (بنام مصنف) میں اس خیال کی تائید کی ہے۔ نواب صاحب کے متعلق خواجہ صاحب نے لکھا ہے "ان کی معلومات احوال قدیم کی نسبت ایسی ہے کہ دہلی میں کوئی شخص اُن کی برابر پُرانی باتوں کو نہیں جانتا"

[6] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۸۰۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی وطن غور تھا، اور وہاں سے وہ یا اُن کے اجداد ہندوستان آگئے تھے۔

دہلی میں | شاہ نظام الدینؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ پھر تکمیل کے لئے دہلی آگئے کہ دہلی اس وقت ہندوستان کا علمی و روحانی مرکز تھا۔ یہاں انھوں نے شاہ کلیم اللہؒ کا شہرہ سُنا اور ایک دن اُن کی حویلی میں جا پہونچے۔ وہاں اس وقت محفلِ سماع منعقد ہو رہی تھی۔ شاہ صاحبؒ کا دستور تھا کہ سماع کے وقت مکان کے دروازے بند کرادیتے تھے، اور پھر کسی ناآشنا شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شاہ نظام الدینؒ نے دروازے پر دستک دی۔ شاہ کلیم اللہؒ نے آواز سُن کر ایک مُرید کو اشارہ کیا کہ باہر جاکر دیکھے۔ مرید نے ایک غیر متعارف شخص کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو نام دریافت کیا اور آکر شیخ سے عرض کیا کہ ایک بیگانہ شخص، گدا صورت، نظام الدین نامی طالب ملاقات ہے۔ شیخ نے نام سنتے ہی فرمایا کہ جلدی سے اُس کو اندر لے آؤ۔ مُرید کو حیرت ہوئی کہ شیخ نے کیوں خلاف معمول ایک ناآشنا اور بیگانہ شخص کو سماع کے وقت اندر آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن شیخ نے فوراً یہ کہہ کر ان کی تسلی کر دی

"از یں شخص و نام نامی وے بوئے — اس شخص سے اور اس کے نام نامی سے
آشنائی می آید، غیر نیست" — آشنائی کی بو آتی ہے، یہ غیر نہیں ہے۔

اور شاہ نظام الدینؒ سے نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور ان کی ظاہری تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ عرصہ تک شاہ نظام الدینؒ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں رہ کر علوم ظاہری حاصل کرتے رہے۔[1]

بیعت | اس زمانے میں دو واقعات ایسے پیش آئے کہ شاہ نظام الدینؒ کی توجہ، علوم ظاہری سے ہٹ کر علوم باطنی کی جانب ہو گئی۔ وہ در اصل علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے لئے

---

۱ مناقب فخریہ، ص ۴-۳؛ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۹۹؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۴؛ شجرۃ الانوار (قلمی)

شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ لیکن شاہ صاحبؒ علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی میں بھی یگانۂ عصر تھے، اور روحانی اصلاح و تربیت بھی بڑی محنت اور توجہ سے کرتے تھے، اس لئے اس نووارد طالب علم کی طبیعت بھی اس طرف راغب ہو گئی۔

ایک دن حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ کا ایک مرید شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ نظام الدینؒ اس وقت کسی کتاب کا سبق لے رہے تھے۔ اس مرید نے جب شاہ صاحبؒ کو دیکھا تو مستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ

"از جوشِ دل مست و بے ہوش افتاد"

شاہ نظام الدینؒ کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور شاہ کلیم اللہ صاحبؒ سے اُن کی عقیدت اور ارادت میں اضافہ ہو گیا۔ ایک دن شاہ کلیم اللہ صاحبؒ مجلس سے اُٹھے اور فرش کے کنارے تک پہونچے۔ شاہ نظام الدینؒ نے بڑھ کر فوراً جوتے اُٹھائے اور صاف کر کے رکھ دیئے۔ شاہ صاحبؒ کو یہ ادا پسند آئی، اور انتہائی محبت سے اُن کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"نظام الدین تو ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آیا ہے، یا فوائدِ باطنی کے لئے جو زیادہ بہتر اور اچھے ہیں؟"

شاہ نظام الدین نے فوراً جواب دیا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

شاہ صاحبؒ کو یہ شعر سُن کر اپنے پیر شیخ یحییٰ مدنیؒ کی وہ پیشین گوئی یاد آگئی جس میں اُنھوں نے فرمایا تھا کہ ایک شخص ایسے موقع پر یہ شعر پڑھے گا اور وہ ہماری نسبت کا مالک ہوگا

---

۱ خلاصۃ الفوائد (قلمی)؛ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ اسی واقعہ کے بعد شاہ کلیم اللہ صاحبؒ سے اُنھوں نے وہ شعر کہہ دیا تھا اور بیعت ہو گئے تھے۔ لیکن مناقب فخریہ، تکملہ سیر الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ دوسرے واقعہ کے بعد وہ مرید ہوئے۔

اور اس سے چشتیہ سلسلہ کو بے حد ترقی ہوگی۔[1] شاہ صاحبؒ سمجھ گئے کہ ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اور اسی وقت اُن کو بیعت کر لیا۔

دکن کو روانگی شاہ کلیم اللہؒ نے ان کی روحانی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ صرف کی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو اُن کو دکن جانے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں دکن جہنم زار بنا ہوا تھا۔ مرہٹوں کی لوٹ مار، قتل و غارت گری، پھر مسلسل جنگ و جدل نے مدنی زندگی کی سب نعمتوں کو ختم کر دیا تھا۔ خوف و ہراس، افسردگی اور پریشانی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ سپہ سالار سے لے کر معمولی سپاہی تک شمالی ہندوستان واپس آنے کے لئے بے چین تھے۔ حد یہ ہے کہ ایک امیر نے شہنشاہ کو ایک لاکھ روپیہ صرف اس لئے پیش کئے کہ اس کو ایک سال تک دہلی رہنے کی اجازت دیدی جائے۔[2] ایسے سخت اور نازک زمانے میں جبکہ جنوبی ہندوستان کے مسلمان خود شمال کی طرف رجوع ہو رہے تھے، شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے اپنے عزیز ترین مرید اور خلیفہ کو دکن جانے کا حکم دیا۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"تم کو اللہ تعالےٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے۔ تم یہ کام پورے طور پر انجام دو۔ میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں ہو اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہو، اور اپنے جان و مال کو اسی میں صرف کر دو۔"[3]

دکن نظامیہ سلسلہ کے لئے کوئی نئی یا غیر متعارف جگہ نہیں تھی۔ وہاں امیر حسن علاء سجزیؒ شیخ برہان الدین غریبؒ اور سید محمد گیسو درازؒ جیسے بزرگ آسودہ تھے۔ اور تاریخ کے ایک نازک دور ہی میں وہ بھی سلسلۂ نظامیہ کو دکن میں پھیلا چکے تھے۔ ان بزرگوں

---

[1] مناقب فخریہ۔ ص ۴؛ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۹۵؛ خزینۃ الاصفیاء، ص ۴۹۷-۴۹۶

[2] مآثر الامراء۔ جلد اول ص ۴۵۷ [3] مکتوبات کلیمی م ۲۱ ص ۲۶

نے دکن میں اس وقت کام کیا تھا جب سلطنت دہلی کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے دکن کو اپنی کوششوں کا مرکز اس وقت بنایا جب سلطنتِ مغلیہ پر نزع کا عالم طاری تھا۔

شاہ نظام الدینؒ لشکرِ شاہی میں مکتوبات کلیمی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ شاہ نظام الدین صاحبؒ لشکر شاہی کے ہمراہ دکن گئے تھے۔ اور کچھ عرصہ دکن میں اُن کی نقل و حرکت لشکر ہی کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔ اُن کے خطوط الشکریں کے ذریعہ آتے جاتے تھے، اور شاید اسی وجہ سے پیر نے ایک مکتوب میں تاکید کی تھی کہ وہ دکن کے حالات بڑی احتیاط سے لکھا کریں۔[1]

مکتوبات میں جگہ جگہ لشکر کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً

ازابتدائے آمدن شما در لشکر بادشاہی کہ تاریخ حال ہفت ہشت ماہ گذشتہ باشد دو کتابت رسیدہ" (م ۱ ص ۹)

در لشکرے کہ شما ہستید اکثر شنیدہ می شود کہ معتقدات رفض بغایت رائج است۔" (م ۷ ص ۱۳)

قبل ازیں می نوشتم کہ بر لشکر بروید، اکنوں ایں امر است ہر جا کہ باشید در اعلائے کلمۃ الحق باشید" (م ۲۱ ص ۲۶)

مکتوب شما از لشکر رسید" (م ۳۲ ص ۳۴)

بہر طریق بودن شما در لشکر موجب رحمت علیٰ عباد اللہ است" (م ۳۳

حکم آں است کہ در لشکر خدمت گاری طالب علمان حق نمائید و ایں سعادت خود شمارید و جہد کنید تا مردم بسیار از حضیض غفلت بزاویہ معرفت بہ طفیل شما رسند" (م ۶ ص ۵۲)

چنانچہ شاہ نظام الدین صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق عرصہ تک

---

[1] مکتوبات کلیمی م ۵۱ ص ۴۰

دکن کے لشکریوں میں تبلیغ واصلاح کا کام کیا۔ اُن کی کوششیں بہت حد تک کامیاب ہوئیں۔ لشکر کے لوگ اُن کے گرویدہ ہو گئے۔ خود شاہ کلیم اللہ صاحب رح ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"دیگر معلوم شد کہ از لشکر دو جوان بسیار از وضع شما محظوظ بودند و تعظیمے از مذاق شماہی کردند، معلوم شد کہ کمال رُشد شناختہ اند۔" لے

مختلف مقامات پر قیام | دکن میں شاہ نظام الدین صاحب رح کا مختلف مقامات پر قیام رہا۔ ایک مکتوب میں شاہ کلیم اللہ صاحب رح فرماتے ہیں ؎

"خطے کہ بعد از سیر بیجاپور ۲ شوال مرقوم بود رسید۔" لے

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اللہ اللہ دریں روز در برہان پور خوبیہا است، وطن اختیار بکنید بر لب آب اگرچہ صحرا باشد انشاءاللہ آبادی ہم آں خواہد رفت۔"	اللہ اللہ اس زمانے میں بُرہان پور میں بڑی خوبیاں ہیں دریا کے کنارے قیام کرلو (جہاں تم مقیم ہو گئے) تو انشاءاللہ وہاں ہی آبادی چلی جائے گی۔
(م ۲۵ ص ۲۹)	

بُرہان پور کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر شاہ کلیم اللہ رح کا خیال تھا کہ اُسی کو وطن بنایا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

برائے توطن شہر برہان پور در جمیع خوبیہا است، خوب است ہم گذر مردم ہندوستان وہم گذر مردم دکھن وہم گذر حجاج بیت الحرام واکثر	توطن کے لئے بُرہان پور میں بڑی خوبیاں ہیں۔ وہاں سے شمالی ہندوستان کے لوگ گذرتے ہیں اور دکن کے لوگ بھی، حاجی بھی اسی

لے مکتوبات کلیمی ص ۲۲

مکتوبات کلیمی۔ م ۴۵ ص ۴۴

درویشاں دریں شہر بودند، اما تکیہ بر لب آب اختیار کنند و از نظام پورہ نام نہند	راہ سے جاتے ہیں بہت سے درویش اس شہر میں رہتے تھے۔ لیکن تکیہ دریا کے قریب بنانا چاہیئے اور اس کا نام نظام پورہ رکھنا چاہیئے
(م ۶۱ ص ۵۳)	

لیکن بقضائے الٰہی برہان پور مستقر نہ بن سکا۔ شجرۃ الانوار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا قیام کچھ عرصہ شولاپور بھی رہا تھا۔ سب سے آخر میں اورنگ آباد پہونچے۔ پیرومرشد نے خط لکھا:

خواجہ عبداللطیف نے لکھا تھا کہ شاہ نظام الدین جیو اورنگ آباد چلے گئے ہیں۔ لیکن تمھارے خط نہ آنے سے تشویش ہے۔ معلوم ہوا کہ ابھی جگہ مقرر نہیں ہوئی ہے۔" لے

آخرکار اورنگ آباد ہی میں قیام فرمالیا اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو گئے۔

قیام خانقاہ | جب اورنگ آباد میں شاہ نظام الدین رح نے قیام کا مستقل ارادہ کرلیا تو وہاں اپنے لئے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی، جو بہت جلد مرجع عوام و خواص بن گئی۔ ابتدائی زمانہ میں خلقت کا یہ ہجوم دیکھ کر اُن کو تکلیف ہوئی۔ لیکن بعد کو مرشد کی ہدایت کے بموجب وہ لوگوں سے نہایت خوشی سے ملنے لگے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب رح کی ہدایت تھی کہ ہر کس و ناکس کی طرف التفات کیا جائے لیکن

"از رجوع خلائق و کثرت مریداں خود را گم نہ خواہی کرد۔"	خلقت کے رجوع کرنے اور مریدوں کی کثرت میں خود کو گم نہیں کرنا چاہیئے۔
(م ۱۰۰ ص ۷۹)	

شاہ محمد سلیمان تونسوی رح کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ اورنگ آبادی رح کی خانقاہ

مکتوبات کلیمی م ۵۲ ص ۴۸

کے دس دروازے تھے، ہر در پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا۔ جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا[1]۔ اس پر حضرت کی مہر لگا دی جاتی تھی جس کا سجع تھا

"ذکر مولےٰ از ہمہ اولےٰ"

اور ے
در رعایت دلہا بکوش
نظامِ دین بدُنیا مفروش [2]

حاجت مند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ خواجہ کامگار خاں نے لکھا ہے کہ اُن کی خانقاہ کو دیکھ کر خواجہ حافظ شیراز کا یہ شعر یاد آتا تھا ے

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
گیر و دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست [3]

گفتگو کا انداز بڑا دل کش اور پُر تاثیر تھا۔ اشعار برمحل اور اس انداز میں پڑھتے تھے کہ سننے والا تڑپ اٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ عبادت کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے یہ شعر ے

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

---

[1] نافع السالکین ص ۱۰۷

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۶ خلاصۃ الفوائد (قلمی)؛ فخر الطالبین (مطبوعہ) میں یہ سجع اس طرح دیا ہوا ہے۔

نظام در تعظیم دلہا کوش
دین بدنیا مفروش (ص ۴۵)

[3] احسن الشمائل (قلمی)

اس انداز میں پڑھا کہ خواجہ کامگار خاںؒ پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔[1]

صحبت کی کشش

شیخ اورنگ آبادیؒ کے ایک مرید کا کہنا ہے ے

آتش بدلم جمال رویت افروخت
وز شعلہ آں خرمنِ ہستی ہمہ سوخت
زلفِ تو مرا بہ بست مژگانِ تو کشت
حسنِ تو مرا خرید، و عشقِ تو فروخت [2]

شاہ صاحبؒ کی صحبت کہربائی اثر رکھتی تھی۔ جس کی طرف دیکھ لیتے وہ اُن کا گرویدہ ہو جاتا۔ خواجہ کامگار خاںؒ نے احسن الشمائل میں اُن کی صحبت کی کشش کے متعدد واقعات لکھے ہیں اور جگہ جگہ ایسے اشعار درج کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اُن کے دل و دماغ پر حضرت اورنگ آبادیؒ کا بہت گہرا اثر تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد جب وہ اپنے شیخ سے رخصت ہونے لگے تو اُن کی زبان پر بے اختیار یہ رُباعی آ گئی تھی ے

گشتم زمئے شاہ نظام الدین مست
مستی من است عالی از روز الست
عکس رُخ یار چوں بساغر دیدم
از بادہ پرستی شدہ ام جام پرست [3]

تبلیغی جد و جہد

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے شاہ نظام الدینؒ کو ہدایت کی تھی کہ وہ دکن میں جا کر تبلیغ و احیاء کے کام کو اپنا مقصد حیات بنا لیں چنانچہ انھوں نے وہاں پہونچ کر مرشد کے حکم کے مطابق اپنا "جان و مال" اسی کام میں صرف کر دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ دہلی میں بیٹھ کر ان کو ہدایت دیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ اپنے مرید کی اس فرمانبرداری سے باغ باغ ہو جاتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

---

[1] [2] [3] احسن الشمائل (قلمی)

"تم پر اللہ کی رحمت ہو کہ تم بے اجازت قدم تک نہیں اٹھاتے ہو جس کو بھی دولت حاصل ہوئی اسی ادب سے ہوئی" (م ۵ ص ۹)

اتباعِ سنت | شاہ نظام الدین صاحبؒ کو اتباعِ سنت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ احسن الشمائل میں لکھا ہے:

در جمیع احوال و افعال و اقوال موجب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجامی آورد و اصلا تجاوز و تفاوت از سنت نہ شنیدہ [1]	ہر کام اور ہر بات سنتِ نبوی کے مطابق کرتے تھے۔ کبھی کسی سنت سے ہٹ کر کوئی کام کرنا ان کے متعلق نہیں سنا گیا۔

نظامِ اوقات | فخر الطالبین میں ہے کہ شاہ نظام الدین صاحبؒ کو ابتدائی زمانہ میں کتابوں سے بے حد دلچسپی تھی، اور مطالعہ میں ان کا بیشتر وقت گزرتا تھا، لیکن[2] پہونچنے کے بعد "غیر از شغل" کسی چیز سے تعلق نہ رہا اور سارا وقت اسی میں صرف ہونے لگا۔ ذکر میں مشغولیت زیادہ رہتی تھی۔ انھوں نے اپنے لئے ایک ایسا حجرہ بنوایا تھا جو زنانہ اور مردانہ مکان کے درمیان میں تھا۔ جب چاہتے اس کو زنانہ بنا لیتے۔ جب ضرورت ہوتی مردانہ کر دیتے۔

شاہ نظام الدینؒ صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حجرے میں تشریف لے جاتے تھے اور دن نکلنے کے ۵، ۶ گھنٹے بعد تک یادِ حق میں مصروف رہتے تھے۔ اس وقت کوئی شخص ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ اشغال سے فراغت کے بعد حجرہ کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا، اور ہر شخص جو زیارت سے مشرف ہونا چاہتا تھا اندر جا سکتا تھا۔ دوپہر کے بعد پھر خلوت ہو جاتی تھی۔ نماز ظہر سے فراغت کے بعد حجرہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ پھر عصر کی نماز کے قریب حجرہ کا دروازہ کھلتا تھا، اور "یاران و عزیزاں" سعادت قدم بوسی حاصل کرتے تھے۔ اسی وقت خواجہ نور الدین، مشکوٰۃ شریف یا کسی اور

---

[1] احسن الشمائل (قلمی)، و تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۲ [2] احسن الشمائل (قلمی)

کتاب کی قرأت کرتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد احوال مشایخ سے متعلق کتابیں پڑھا کر سنتے تھے، اکثر یہ کام خواجہ کامگار خاں کے سپرد ہوتا تھا۔ ساری مجلس خاموشی سے سنتی رہتی تھی۔ مغرب کے قریب خاموشی ہو جاتی تھی۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر حجرہ میں چلے جاتے تھے، اور اس وقت صرف مخصوص لوگ حاضر ہو سکتے تھے۔ [1]

بحث و مباحثہ سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو خود جواب دینے کے بجائے کسی کتاب کا حوالہ دے کر اسی کے مطالعہ کی ہدایت فرما دیتے تھے۔[2]

کھانا کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا تو مخلصوں کے گھروں پر کھانا بھجوانے کے بعد خود تناول فرماتے تھے۔ [3]

لباس | شاہ نظام الدینؒ کو لباس میں تکلف پسند نہیں تھا۔ لکھا ہے:

ہر چہ میسر می شد از جامہ و پیراہن و سراویل می پوشیدند۔ [4]

اپنے کپڑے مٹی کے رنگ میں رنگوا لیتے تھے۔ پیراہن میں اکثر پیوند ہوتے تھے۔ پیراہن دو روپے آٹھ آنے، تین روپے میں تیار ہوتا تھا۔ بیش قیمت کپڑا کبھی زیب تن نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جاڑوں کے موسم میں خواجہ کامگار خاں نے شال وغیرہ خدمت میں پیش کی تو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ ہمیں ایسے لباس سے رغبت نہیں ہے۔ [5]

جب جمعہ کی نماز کو یا کہیں اور تشریف لے جاتے تو جامہ اور دستار پہنتے تھے۔ گھر میں کلاہ اور اس پر دستارچہ باندھتے تھے۔[6] نماز جمعہ کے لئے اکثر پیدل جاتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی سے گھوڑا بھی منگا لیتے، لیکن خود اپنے پاس گھوڑا یا پالکی کبھی نہیں رکھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ مریدین نے غلام بچے خدمت کے لئے پیش کئے۔ لیکن آپ نے

---

[1] [2] [3] احسن الشمائل (قلمی)

[4] احسن الشمائل، شجرۃ الانوار، تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۹

[5] احسن الشمائل، تکملہ سیر الاولیاء ص ۹۹

[6] فخر الطالبین۔ ص ۵۰

مریدوں کو عنایت فرمادے۔ [1]

مرشد کی نظر میں حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اپنے خلیفہ کی سعادت مندی اور تبلیغی جدوجہد سے بے حد متاثر اور خوش تھے۔ ایک مرتبہ شاہ نظام الدینؒ کو شبہ ہوا کہ شاید کسی نے شاہ صاحبؒ کو اُن کی بُرائی لکھ کر بھیجی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا:

باللہ واللہ کہ در حق شما کسے چیزے	خدا کی قسم کسی نے تمھارے متعلق
اکنوں نمی نویسد و بر تقدیرے اگر	کوئی بات نہیں لکھی اور اگر کوئی
نویسد باللہ واللہ کہ اثر ندارد و	لکھے گا بھی تو واللہ اس کا اثر نہ
نخواہد داشت۔ (م ۴۰ ص ۴۴)	ہوگا۔

ایک مرتبہ شیخ اورنگ آبادیؒ نے پیر کو ایک کتاب بھیجی۔ جواب میں ارشاد ہوا۔

"کتاب شما رسید، انچہ در باب ارسال ہدیہ مرقوم بود آں را سعادت خود دانستہ در روز قیامت ہمیں قدر شفیع من بس است کہ ایں ہمہ لطف بر فقیر فرمودہ" (م ۱۸ ص ۲۲)

شاہ صاحبؒ نے جس طرح مکتوبات میں اُن کو مخاطب کیا ہے، اس سے اُن کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک جگہ بے اختیار اس طرح خطاب کرتے ہیں:

"اے برادر، اے جان جہاں، اے تمام ایمان جان من" (م ۵۸ ص ۵۱)

ایک مکتوب میں نہایت حسرت بھرے انداز میں لکھتے ہیں:

فقیر را با شما بسیار خصوصیت است	فقیر کو تم سے بڑی خصوصیت ہے
شما چرا نامہرباں می دانید اگر من	تم نے کس طرح مجھے نامہرباں سمجھا۔
بر شما مہربان نباشم، در دنیا کدام	اگر میں تم پر مہربان نہ ہوں گا تو
نور دیدہ دارم کہ برو مہربان خواہم	دنیا میں میرا کون سا ایسا نور دیدہ
بود (م ۹۵ ص ۷۰)	ہے کہ اس پر مہربان ہوں گا۔

---

[1] احسن الشمائل (قلمی)

مریدوں کی روحانی تربیت شاہ نظام الدینؒ کے مریدین کی تعداد بہت کثیر تھی۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے:

"او را از صد ہزار مرید زیادہ بود و اکثر مریدانش صاحب حال و کمال" [1]

مریدوں کی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں ان کے بنیادی اصول شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی تعلیمات و ہدایات پر مبنی تھے، اُن ہی کی روشنی میں اُنھوں نے اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کا سارا پروگرام مرتب کیا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ:

در کلام اللہ وارد است "ما	قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے جن اور
خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن"	انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔
پس بر ہمہ لازم کہ دریں کار سعی بلیغ	پس سب پر لازم ہے کہ اس کام میں
نمایند۔ [2]	پوری پوری کوشش کریں۔

عبادات، اشغال اور اوراد کے بارے میں نہایت سختی سے کام لیتے تھے۔ رات اور دن ہر وقت مریدوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ آدھی رات کو مریدوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ لکھا ہے:

ہر شخصے کہ بخواب رفت خود ملاحظہ	جس شخص کو سویا ہوا پاتے، ٹھنڈا پانی
فرمودہ کوزہ آب سرد ہمراہ می داشتند	جو ساتھ لے کر چلتے تھے اس پر ڈال
و بر آں می پاشیدند تا ایں مرتبہ	دیتے تھے۔ تربیت میں اس قدر توجہ
تقید در تربیت داشتند" [3]	فرماتے تھے۔

جو مریدین شغل و ذکر میں مصروف رہتے تھے، ان پر خاص توجہ اور التفات ہوتا تھا۔ قاضی

---

[1] مناقب فخریہ ص ۳

[2] شجرۃ الانوار (قلمی)

[3] احسن الشمائل (قلمی)

محمد عمر حکیم نے لکھا ہے کہ ان کے استغراق کا یہ حال تھا کہ "شخص بے شغل را اگرچہ از یاراں آں حضرت می بود ہم نمی شناختند"۔ [1]

شیخ اورنگ آبادیؒ نے اپنی روحانی تعلیم میں پاس انفاس اور ذکر جہر کو خاص اہمیت دی تھی۔ فرمایا کرتے تھے اُن ہی کے ذریعے باطنی اصلاح و تربیت ممکن ہے۔ مغرب کے وقت ایک شخص بیعت ہوا، فوراً خواجہ محمد نور الدین کو حکم ہوا کہ اس شخص کو ذکر جہر سکھا دو۔[2] مکتوباتِ کلیمی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جامع مسجد میں وہ دو دو سو، تین تین سو مریدوں کے ساتھ ذکر جہر میں مصروف ہوتے تھے۔ اعظم شاہ نے ان کو اس سے منع بھی کیا تھا۔[3] ایک مرتبہ انھوں نے اپنی نابالغ لڑکیوں کو ذکر جہر بتا دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو اطلاع ہوئی تو لکھا کہ بچوں کو ذکر جہر بتانے سے گریز کیا جائے کہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔ [4]

شیخ اورنگ آبادیؒ اپنے مریدوں کو اتباعِ شیخ اور ادب کی تعلیم خاص طور پر دیتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اپنے رفقاء کو زدوکوب تک کیا، لیکن انھوں نے مرشد کو نہیں چھوڑا۔ اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ

---

[1] خلاصۃ الفوائد (قلمی)

[2] شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"......... درویشاں از فقیر بین وحقیقت فرستادن اعظم شاہ قاب طعام ورداں .... ومنع او از ذکر جہر در مسجد جامع با دو صد سہ صد کس وقت مغرب ہمہ معلوم شد، برادر من آنچہ شما کردید خوب کردید" (م ۶ ص ۱۰)

ایک مکتوب میں (۹۹ ص ۸۰) شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور مسجد میں ذکر جہر سے منع کیا ہے۔

[4] مکتوبات کلیمی م ۲۱ ص ۲۵

اگر شیخ حرفے بمرید گوید از صورت شیخ بیزار شود۔ [1]	اگر شیخ مرید سے ایک حرف بھی کہہ دیتا ہے تو وہ شیخ کی صورت سے بیزار ہوجاتا ہے۔

اظہار شیخیت سے ناخوش ہوتے تھے۔ ایک دن ایک مرید نے جو حضرت باباصاحبؒ کی اولاد سے تھا، ایک تسبیح پیش کی اور کہا کہ اس میں چند دانے بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی تسبیح کے شامل ہیں، فرمایا "اگر تبرک کے طور پر یہ تمھارے پاس رہے تو اچھا ہے۔ میں تو کبھی تسبیح ہاتھ میں لیتا ہی نہیں۔ اپنے اندر جو تسبیح ہے اسی میں مشغول رہتا ہوں۔" پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:

تسبیح در دست گرفتن بدعت ست	تسبیح ہاتھ میں لینا بدعت ہے۔
کسے را کہ تسبیح باطن در دست آمدہ	جس کے ہاتھ میں باطن کی تسبیح ہو
باشد، تسبیح ظاہر را چرا بدست گیرد۔ [2]	وہ کیوں ظاہری تسبیح ہاتھ میں پکڑے گا۔

فتوح وخیرات | ابتدائی زمانے میں شاہ نظام الدین صاحبؒ کسی شخص کی نذر قبول نہ کرتے تھے۔ جب شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ دل شکنی اچھی نہیں ہے۔ جو شخص بھی خلوص کے ساتھ کوئی چیز پیش کرے اسے قبول کرلو اور محتاجوں کو دے دو۔ [3]

زرکہ ستانی وبیفشانیش
بہتر از آنست کہ نستانیش [3]

اس کے بعد وہ فتوحات قبول کرنے لگے۔ جمعہ کے دن جو نذر آتی تھی وہ قوالوں کو یا مجلس میں جو مستحق لوگ موجود ہوتے ان کو دیدی جاتی۔ باقی دنوں میں جو آتا تھا وہ محتاجوں کو

---

[1] [2] احسن الشمائل (قلمی)

[3] شجرۃ الانوار (قلمی)

تقسیم کردیا جاتا تھا۔[1]

فخر الطالبین میں لکھا ہے کہ اُن کے پاس اشرفی، روپیہ، پیسے علیحدہ علیحدہ کاغذ میں بندھے ہوئے رکھے رہتے تھے، جو محتاج آتا اُس میں سے دیدیتے تھے. فقیر کو ایک پیسہ سے زیادہ نہ دیتے تھے، اور لوگوں کو اشرفیاں تک دے دیتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ شریف کے لئے بڑی مشکل ہے۔ وہ شرم کے مارے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا اور فاقہ کرتا ہے[2]۔ ان لوگوں کا کیا ہے یہ تو در در پھر کر خوب جمع کرلیتے ہیں۔

سماع | سماع کے معاملے میں شاہ نظام الدین صاحبؒ اپنے پیر و مرشد کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔ زمان، مکان اور اخوان کی سب پابندیوں پر اُن کی نظر رہتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے:

سماع بسیار دل را میراند[3]	سماع کی زیادتی دل کو مُردہ کردیتی ہے

خواجہ کامگار خاں نے اُن کی سماع کی سات مجلسوں کا تفصیلی حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشائخ متقدمین کے اصولوں کی پابندی کرتے تھے۔

اخلاق | شیخ اورنگ آبادیؒ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ لوگوں کی دل گیری کو اپنا فرض اولین تصور کرتے تھے۔ ہر شخص سے خواہ وہ آشنا ہو یا بیگانہ ایک ہی طریقے سے ملتے تھے[5]۔ ہر شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے، لکھا ہے:

---

[1] احسن الشمائل (قلمی)   [2] فخر الطالبین ص ۴۹

[3] لکھا ہے: "احتیاطے کہ روز سماع در محفل مبارک ایشاں بوقوع می آمد در ہیچ از مشائخ زماں دیدہ و شنیدہ نشد"
احسن الشمائل (قلمی)؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

[4] احسن الشمائل؛ شجرۃ الانوار؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

[5] احسن الشمائل (قلمی)

برائے ہمہ کس تمام قد استادہ	ہر شخص کے لئے وہ سرو قد کھڑے
می شدند و تعظیم بجامی آوردند، با طفل	ہوجاتے تھے اور اُس کی تعظیم بجا
چہار سالہ ہموں وضع مبارک	لاتے تھے (حد یہ ہے کہ چار سال کے
می داشتند کہ با پیر ہفتاد سالہ	بچے کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار
و با کابر و فضلائے خود[1]	کرتے تھے جو ۷۰ سال کے بوڑھے یا
	اکابر و فضلا کے لئے اختیار کرتے تھے۔

ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عنایت فرمادیتے تھے[2]۔ جب تک لوگ اُن کے پاس رہتے، وہ دوزانو بیٹھے رہتے۔ چار زانو بیٹھے ہوئے اُن کو کسی شخص نے نہیں دیکھا۔ جب کوئی کتاب مجلس میں پڑھی جاتی تھی تو حکم تھا کہ سب حاضرین بالکل خاموش بیٹھیں[3]۔

دل گیری کو اُنھوں نے مقصد حیات بنالیا تھا۔ کسی شخص کو رنجیدہ کرنا یا اُس کے جذبات کو ٹھیس لگانا اُنھیں نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک درویش اُن کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا "میں توجہ دینا خوب جانتا ہوں اور میری توجہ میں بہت تاثیر ہے۔ اگر تمھیں ذوق ہو تو مجھ سے تربیت حاصل کرلو، میں تم کو بتانے میں دریغ نہ کروں گا"۔

فخر الطالبین میں لکھا ہے:

"چوں شیوۂ حضرت دوستی انسان	چونکہ حضرت کا طریقہ انسان اور حیوان
و حیوان بود، از راہ کریمی اخلاق	کے ساتھ دوستی کا تھا، اس لیے اپنے
خود بزانوئے ادب پیشِ آں برخود	اخلاق کریمانہ کی بنا پر اس برخود غلط
غلط نشستند"[4]	شخص کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے۔

---

[1] احسن الشمائل؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

[2] احسن الشمائل (قلمی)؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۰

[3] احسن الشمائل (قلمی)   [4] فخر الطالبین ص ۴۷

وہ شخص ہر روز آتا اور توجہ دیتا۔ دو سال اسی طرح گذر گئے۔ اور اس شخص نے سارے شہر میں یہ مشہور کر دیا کہ شیخ مجھ سے توجہ حاصل کرتے ہیں۔ ایک دن میاں عبدالقادر (جو شیخ اورنگ آبادی کے مرید تھے) خانقاہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور جوں ہی وہ شخص آیا اس پر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ شاہ صاحبؒ کو معلوم ہوا تو باہر گئے۔ میاں عبدالقادر کو ڈانٹا اور فرمایا:

"چرا خاطر کسے را شکستہ باید کرد۔ اگر دریں فرصت یک ساعت پیش او نشستم، واو دل شاد شد از یں چہ بہتر است۔" [۱]

کیوں کسی کے دل کو دکھایا جائے اگر فرصت میں ایک ساعت اس کے پاس بیٹھ جاتا ہوں اور اس کا دل اس سے خوش ہو جاتا ہے تو اس سے بہتر کیا بات ہے۔

شیخ اورنگ آبادی اور اعظم شاہ | شاہ نظام الدینؒ امراء و سلاطین سے حتی المقدور علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُن کے تحائف بھی قبول کرنا پسند نہ تھا۔ ایک مرتبہ اعظم شاہ[۲] نے اُن کی خدمت کچھ کھانا بھیجا تو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر یہ کہہ کر بھیجا کہ صوفیوں کے لئے قبول کر لیجئے۔ لیکن آپ نے پھر بھی قبول نہ کیا۔

شاہ وقت اور شیخ اورنگ آبادیؒ | شاہ نظام الدینؒ نے دکن میں اپنے سلسلہ کی روایات کا پورا خیال رکھا۔ لیکن لوگوں نے ان سے بار بار اصرار کیا کہ بادشاہ سے ملاقات فرمائیں لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے۔ ایک صاحب نے یہاں تک کہا کہ میں خود ملاقات کرا دوں گا،

---

۱ فخر الطالبین ص ۴۷

۲ اورنگ زیب کا تیسرا لڑکا تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو احمد آباد (گجرات) کا حاکم بنا کر بھیج دیا تھا۔ اورنگ زیب کے بعد وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں بہادر شاہ سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔

مکتوبات کلیمی ص ۱۰ م ۹

لیکن اس کو بھی قبول نہ کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو جب اپنے مرید کی اس استقامت اور راسخ الاعتقادی کی اطلاع ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ [۱]

ایک مرتبہ بادشاہ نے خود بلایا۔ لیکن آپ نے دربار میں جانے سے انکار کر دیا۔ شاہ کلیم اللہؒ کو معلوم ہوا تو خط لکھا:

"خوب کردید کہ قبول ایں معنی نہ کردید کہ ہمیں طلب سلاطین دلیل رعونیت و جباری است۔ اگر در طبیعت ایشاں شکستگی و فدویت فقرا باشد ابرام بہ سلطانیت نکند بلکہ خود از سر قدم ساختہ بخدمت شتابند تا ممدوح جناب حدیث کہ نعم الامیر علی باب الفقیر باشند۔" (م ۴۷ ص ۴۵)

خاندان آصفیہ پر اثرات | جس زمانہ میں شاہ نظام الدین صاحبؒ دکن بھیجے گئے تھے اس وقت نواب غازی الدین خاں (۱۶۷۱ - ۱۷۴۹) وہاں موجود تھے۔ چنانچہ شیخ کے تقدس کا شہرہ سُن کر انھوں نے شیخ کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ شیخ نے اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے جانے سے انکار کر دیا۔ پیر و مرشد کو جب یہ معلوم ہوا تو خط لکھا:

مرقوم بود کہ غازی الدین خاں طلب ملاقات کرد، نرفتم۔ خوب کردید کہ نرفتید۔ اگر او را فنا در خدمت فقرا بودے، خود می آمد و خود آرائی نمی کرد۔ [۲]

تم نے لکھا تھا کہ غازی الدین خاں نے ملاقات کے لئے بُلایا۔ اور تم نہیں گئے تم نے بہت اچھا کیا کہ نہ گئے۔ اگر اُسے فقراء کی دلچسپی اور اعتقاد ہوتا تو خود حاضر ہوتا، خود آرائی نہ کرتا۔

---

۱ مکتوبات کلیمی م ۲۴ ص ۲۸

۲ اس زمانے میں غازی الدین خاں کے دکن میں کام کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی کتاب *Nizam-ul-Mulk Asaf Jah* pp. 16-40

۳ مکتوبات کلیمی م ۳۵ ص ۳۶

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس انکار کے بعد بھی غازی الدین خاں نے اصرار کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو معلوم ہوا تو لکھا:

می دانند کہ پیش فقرا بادشاہاں	تمھیں معلوم ہو کہ فقرا کی خدمت میں
رفتہ اند و سعادت دانستہ اند	بادشاہ حاضر ہوئے ہیں اور اس کو اپنے
غازی الدین خاں نوکر است	لئے سعادت سمجھا ہے۔ غازی الدین خاں تو
از نوکراں بادشاہ اگر ایجا نا او بہ	بادشاہ کے نوکروں میں سے ہے اگر
فقیر نوشت من اجازت نامہ نخواہم	وہ مجھے لکھے گا تو بھی میں اجازت نامہ
نوشت ۔[1]	نہیں لکھوں گا ۔

مکتوبات سے غازی الدین خاں اور شاہ نظام الدین صاحبؒ کے تعلقات پر اور زیادہ روشنی نہیں پڑتی، لیکن خیال یہ ہے کہ وہ بعد کو حاضر ہوا اور اپنے عقیدت مندانہ جذبات کو برقرار رکھا۔ مناقب فخریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غازی الدین خاں کے بعد بھی عقیدت مندی کا سلسلہ جاری رہا۔ لکھا ہے:

"........ نواب نظام الملک آصف جاہ نیز شرف بیعت و خدمت آں ظل الٰہی داشت"۔[2]

نظام الملک آصف جاہ اول (۱۶۷۱-۱۷۴۸) کے متعلق آزاد بلگرامی کا بیان ہے

امیرے بایں جلالت شان بر مسند	اس شان کا امیر کبھی مسند امارت
امارت قدم نگذاشتہ، اختر طالع	پر نہیں بیٹھا۔ اس صاحب اقبال
ایں صاحب اقبال از آغاز عمر	کا اختر طالع ابتدائی زمانے سے آخر
تا انجام بر مدارج ترقی صعود نمود	تک ترقی کے مدارج طے کرتا رہا ۔
.... سادات و علماء	.... سادات، علماء اور

---

[1] مکتوبات کلیمی م ۸۹ ص ۷۶

[2] مناقب فخریہ ص ۴

مشائخ دیار عرب و ماوراء النہر و	مشائخ عرب، ماوراء النہر، خراسان
خراسان و عجم و عراق و ہند	عراق اور ہندوستان سے اُن کی
آوازۂ قدر دانی استماع یافتہ	قدردانی کی شہرت سُن کر دکن کی
رو بہ دکن آوردند ۔[1]	طرف متوجہ ہوگئے ۔

انھوں نے شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے حالات میں ایک کتاب "شگ گلستان" لکھی تھی۔

نظام القلوب | شاہ نظام الدین صاحبؒ کی صرف ایک تصنیف نظام القلوب دستیاب ہوئی ہے۔ اس میں ۱۱ فصلیں ہیں:

(۱) ـــــ در فوائد ذکر جہر

(۲) ـــــ در ارشاد و تلقین

(۳) ـــــ در ذکر پاس انفاس و حبس دم و نفی و اثبات لا معبود الا اللہ و ثنیا

(۴) ـــــ در ذکر ذات کلمۂ اللہ و حبس دم اسم اللہ و اللہ جہراً یا مد خواہ بالقصر در محاربۂ صغیر و کبیر

(۵) ـــــ در ذکر اللہ حاضری

(۶) ـــــ فی طریق تعلیم الذکر

(۷) ـــــ در ذکر نفی و اثبات و ذکر ناسوتی و ملکوتی و جبروتی و لاہوتی ۔

(۸) ـــــ در ذکر یک ضربی تا دوازدہ ضرب

(۹) ـــــ در ذکر حدادی

(۱۰) ـــــ در ذکر کشف معانی قرآن و کشف قبور

(۱۱) ـــــ در ذکر پنج تن پاک و ذکر کشف روح رسول اللہ و کشف الارواح

---

[1] روضۃ الاولیاء، ص ۴۴

[2] مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

واسمار ملائکہ واسم شیخ۔

(۱۲)— درذکر حسب الاستعداد و صلاحیت از انتقال بعضے صفات بسوئے صفات دیگر۔

(۱۳)— درذکر جبرئیلی وسہروردی وبدلا و فنا وبقا و ذکر جبروت ویاہو وکشف ملکوت وحضور ویاحی یاقیوم ولا ہو الا ہو۔

(۱۴)— دراسمار اذکار ریذکرون اہل اللہ

(۱۵)— درمعرفت اذکار عربی و فارسی وہندی وبعضے سلوک جوگیہ واذکار ایشاں وجلسہ۔

(۱۶)— دراسم جلال وجمال مشترک

(۱۷)— درشغل آئینہ ونظر ہر دو چشم دربالائے ابرو۔

(۱۸)— درمراقبہ ودربیان مراقبہ سلسلہ نقشبندیہ

(۱۹)— درذکر جانوران

(۲۰)— انوارے کہ درحالت ذکر شوند

(۲۱)— درعلامات آواز شیطانی ورحمانی

اس کتاب میں گومختلف اشغال واذکار کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی کتابوں کی طرح اس قدر واضح نہیں ہے کہ بغیر رہبر کے اس پر عمل کیا جاسکے۔

یہ رسالہ شاہ صاحبؒ نے اپنے ایک مرید خاص محمد علی خوشنویس کی درخواست پر لکھا تھا۔ فرماتے ہیں کہ اجازت لے کر ان اشغال واذکار پر عمل کیا گیا تو "کشود باطنی" حاصل ہو جائے گی ورنہ ہلاکت اس کا سبب بن سکتی ہے۔ مسلک کلیمی پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مرید کی جو زبان ہو "پارسی یا ہندوی" یا کوئی اور اسی میں تلقین کی جائے۔[1] اسم اللہ کی تاثیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] نظام القلوب ص ۱۹

اکھی انجھر ہیم کا پڑھے سو پنڈت ہووے[1]

بابا فریدؒ کے پنجابی اور ہندی اذکار کا حوالہ دیتے ہیں[2] اور جوگیوں کے بعض موثر طریقوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔[3]

ملفوظات وحالات | شاہ نظام الدین صاحبؒ کے حالات میں ایک مفصل کتاب رشک گلستان ارم نظام الملک آصف جاہ اول نے تصنیف کی تھی۔ مولوی رحیم بخش فخری کا بیان ہے:

کاتب حروف کتابے را مسمی بہ رشک گلستان ارم تصنیف نظام الملک آصف جاہ کہ یکے از مریدان حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہ العزیز مفصلاً احوال آں حضرت دراں نوشتہ دیدہ ام۔[4]

کاتب حروف نے "رشک گلستان ارم" نامی کتاب جو نظام الملک آصف جاہ مرید شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کی تصنیف ہے اور جس میں حضرت شیخ کا مفصل حال درج ہے دیکھی ہے۔

---

[1] نظام القلوب ص ۲۲

[2] نظام القلوب ص ۳۰

[3] نظام القلوب ص ۳۲-۳۱

[4] غلام سرور نے خزینۃ الاصفیار (جلد اول ص ۹۰۴) میں غلطی سے نظام الملک کی اس تصنیف کا نام احسن الشمائل لکھ دیا ہے، احسن الشمائل خواجہ کامگار خاں کی تصنیف ہے۔ یہی غلطی تکملہ سیر الاولیار کے مصنف سے بھی ہوئی ہے (ص ۹۵) مناقب فخریہ کا بیان بھی بعض غلط فہمیوں کا باعث ہو سکتا ہے۔ لکھا ہے:

"خواجہ کامگار خاں کہ یکے از مقربان وخلفائے آں درگاہ بود نسخہ رشک گلستان ارم دراحوال کرامت اشتمال آں سراپائے کمال (باقی اگلے صفحہ پر)

انھوں نے یہ کتاب شاہ فخر صاحبؒ کے ایک مشہور خلیفہ حاجی واصل کے پاس دیکھی تھی۔ جب کتاب شجرۃ الانوار لکھنا شروع کی تو اس کتاب کو بہت تلاش کیا لیکن دستیاب نہ ہو سکی۔[1]

شاہ نظام الدین صاحبؒ کے حالات اور ملفوظات میں ایک دوسری مفصل کتاب خواجہ کامگار خاں نے احسن الشمائل کے نام سے لکھی تھی، جس میں ضیاء نخشبی کی چہل ناموس کے طرز پر شیخ کا حال لکھا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔[2] شجرۃ الانوار اور تکملہ سیر الاولیاء کے مصنفین نے خاص طور سے اس سے استفادہ کیا ہے۔

وصال شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۱۴۲ھ کو اورنگ آباد میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک پر ایک عالی شان گنبد اور قریب ہی ایک مسجد بنائی گئی ہے[3] غلام سرور نے تاریخ لکھی ہے:

شد ز دنیا چو سوئے خلد بریں
راہبر رہنما نظام الدین
سال ترحیل او ست شیخ کبیر
ہم ولیِ ہدا نظام الدین
۱۱۴۲ھ[4]

مناقب المحبوبین میں ہے کہ وہ اپنے پیر کے وصال کے بعد کل چھ مہینے زندہ رہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بے مثال نوشتہ است و نام آں احسن الشمائل کردہ"۔ (ص ۴)

[1] شجرۃ الانوار (قلمی)

[2] نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے ذخیرہ کتب میں احسن الشمائل کا ایک قدیم نسخہ ہے (نمبر ۵) غالباً یہ مصنف ہی کے قلم کا ہے۔

[3] شجرۃ الانوار (قلمی)

[4] خزینۃ الاصفیاء، جلد اول ص ۴۹۷

تھے۔[1]

شادی اور اولاد شیخ اورنگ آبادیؒ جس وقت دکن گئے تھے، اس وقت ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہاں پہونچ کر وہ کچھ عرصہ تک مجرد رہے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کا حکم تھا کہ شادی نہ کی جائے کہ اس صورت میں وہ اصلاحی اور تجدیدی کام جس پر وہ مامور کئے گئے تھے، اچھی طرح انجام نہیں پا سکتا تھا۔ لیکن اورنگ آباد میں شیخ نظام الدینؒ کو کچھ تکلیف ہوئی اور اطبا نے شادی کا مشورہ دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے لکھا:

"تا ممکن باشد گرد زن نباید رفت"	جب تک ممکن ہو عورت کے
(م ۲۹ ص ۳۰)	پاس نہ جاؤ۔
اگر احتیاج نباشد ہرگز کدخدا	اگر ضرورت نہ ہو تو ہرگز شادی
نباشد (م ۳۰ ص ۳۳)	نہ کرو۔

مگر اطبا نے جب مجبور کیا تو شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے اپنے خاندان میں ان کی شادی کرنی چاہی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

میاں امام الدین کہ برادر عموزادۂ	میاں امام الدین کی، جو فقیر کے
فقیر اند، دخترے در سن چہاردہ	چچا زاد بھائی ہیں، ایک چودہ سال
سالہ فی الحال بصلاح نماز و	لڑکی ہے۔ نماز روزہ، تلاوت
روزہ و تلاوتِ قرآن آراستہ	قرآن سے آراستہ ہے... ماں باپ
دارند... و از طرفین نجیب	دونوں طرف سے اچھا خاندان
نمی دہند چیزے و نمی خواہند چیزے	ہے.... نہ کچھ جہیز دیں گے نہ کچھ جہیز
..... برکاسۂ آب انعقاد میسر	چاہتے ہیں۔ پانی کے ایک پیالہ
می شود۔ اگر اشارہ نمایند علی الرغم	پر نکاح ہو جائے گا۔ اگر اشارہ
یک نشان از طرف شما دادہ آید۔[2]	کریں (یعنی مرضی کا اظہار کریں)

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۴۷

[2] مکتوب کلیمی م ۷، ص ۱۵

تو تمھاری طرف سے علی الرسم کوئی
نشان دے دیا جائے۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

این جا در قبیلۂ ما دو سہ دختر	یہاں ہمارے خاندان میں دو تین
بود ندی خواہم کہ یکے نامزد شما کنم	لڑکیاں ہیں میں چاہتا ہوں کہ
(م ۲۹ ص ۳۲)	ان میں سے ایک تمھارے لئے نامزد
	کردوں۔

مگر معلوم نہیں کہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے خاندان میں ان کی کوئی شادی ہوئی یا نہیں۔ ان کی ایک زوجہ حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے خاندان سے تھیں۔ اُن کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام محمد اسمٰعیل اور فخر الدین تھے۔ دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جن کے نام غلام معین الدین، غلام بہاء الدین، غلام کلیم اللہ تھے۔

خلفاء

شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

خلفائے ذی کرامت واہل	ان کے بے شمار ایسے خلفاء جو ذی کرامت
ارشاد بے شمار در اطراف اقالیم	اور صاحب ارشاد تھے مختلف علاقوں
خلائق را رہنما بودہ اند	میں خلقت کی رہنمائی کرتے تھے۔

مندرجہ ذیل خلفاء کے نام تذکروں میں ملتے ہیں:

(۱) خواجہ کامگار حسینیؒ
(۲) محمد علیؒ
(۳) خواجہ نور الدینؒ
(۴) سید شاہ شریفؒ
(۵) شاہ عشق اللہؒ
(۶) غلام قادر خاںؒ
(۷) میاں محمد یار بیگؒ
(۸) محمد جعفرؒ

۱ے مناقب فخریہ ص ۵؛ شجرۃ الانوار میں ان کا نام "محمد عماد الدین خاں" دیا ہے۔

(۹) شیر محمدؒ
(۱۰) کرم علی شاہؒ
(۱۱) امام الدینؒ
(۱۲) شیخ محمودؒ
(۱۳) حافظ مودودؒ

ان خلفاء میں خواجہ نور الدین اور خواجہ کامگار حسینی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُن کے ذریعہ شیخ اورنگ آبادیؒ کی تعلیم اور حالات زندگی صوفی حلقوں میں پہونچے۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ خواجہ خاوند محمود لاہوری المعروف بہ حضرت ایشاںؒ (۱۶۴۲ - ۱۵۶۶ء) کے نبیرہ خواجہ برہان الدینؒ کے بیٹے تھے۔ خواجہ برہان الدین بن خواجہ محمد خاوند بن حضرت ایشاںؒ۔ یہ دونوں اورنگ آباد میں شاہ نظام الدینؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو گئے تھے اور اپنے مرشد سے گہری عقیدت اور سلسلہ کی تعلیم سے گہری دلچسپی کے باعث خانقاہ میں خاص عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ خواجہ نور الدینؒ کی صلاحیتوں کے خاص طور سے معترف تھے۔ ایک خط میں شاہ نظام الدینؒ کو لکھتے ہیں کہ وہ فنافی الشیخ ہیں تمھارے سب خلفاء پر فوقیت لئے ہوئے ہیں۔ اگر عربی علم اور حاصل کرلیں تو

علمے از ایں مرد روشن شود	ایک عالم اس شخص سے روشن
(م ۲، ص ۵۸)	ہو جائے۔

انھوں نے ایک بار اپنا "یمنۂ آستین" اُن کو بھیجا تھا[۲] اور شاہ نظام الدینؒ کو ہدایت کی تھی کہ

ہمچوں ایں عزیز را باید کہ امتیاز	ایسے مرید کے لیے چاہیئے کہ مخصوص
دادہ در تربیت باطن ایشاں	طریقہ پر اس کی باطنی تربیت کی

۱ے شجرۃ الانوار سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ نور الدین بڑے تھے۔
۲ے مکتوبات کلیمی م ۳۹، ص ۴۷، م ۴۳ ص ۴۲

کوشش بسیار نمودہ ۔[1]　　　　طرف توجہ کی جائے ۔

شاہ نظام الدین صاحبؒ کے نام ایک خط میں اُن کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"قدوۃ الاصفیاء والاصحاب زبدۃ الاحباب خواجہ محمد نور الدین"۔[2]

پھر فرماتے ہیں ———

عجب صاحب توفیق است کہ اللہ تعالےٰ
طفیل شما، عمر و حیات و منصب الٰہی ایں مرد
بیفزاید"۔[3]

خواجہ نور الدین نے ان سے درخواست کی تھی کہ اللہ سے دعا فرمائیں کہ شیخ کی محبت اُن کے دل میں بڑھ جائے[4]۔ شیخ اورنگ آبادیؒ ان پر خاص التفات فرماتے تھے اور اکثر اُن سے کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے[5]۔ اُن کا انتقال مرشد کی حیات میں ہی [۲۰ ربیع الاول ۱۱۳۲ھ] ہوگیا تھا۔

دوسرے بھائی خواجہ کامگار حسینی کے ذریعہ شیخ اورنگ آبادیؒ کی تعلیم ہی محفوظ نہیں ہوئی بلکہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی مجلسوں کی آب و تاب اور ان کے انداز تبلیغ و اشاعت کی بہت سی تفصیلات کا سامان بھی فراہم ہوگیا۔ انھوں نے احسن الشمائل میں اپنے شیخ کے حالات دل کش انداز میں لکھے ہیں۔ گو عبارت آرائی نے افادیت کا پہلو کچھ کمزور کر دیا ہے، لیکن تذکرہ خوبیوں سے خالی نہیں۔ مجالس کلیمی میں انھوں نے شاہ کلیم اللہؒ کی چودہ مجلسوں کا حال لکھا ہے۔ وہ ۲۸ ربیع الاول ۱۱۳۲ھ سے ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۲ھ تک شیخ کی خدمت بابرکت میں رہے اور اُن کی مجلسوں

---

[1] مکتوبات م ۶۶ ص ۵۵

[2] [3] مکتوبات کلیمی م ۳۱ ص ۳۴

[4] مکتوبات م ۳ ص ۳۴؛ م ۳۶ ص ۳۷

[5] بالخصوص مشکوٰۃ شریف ۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۲

کا حال بڑے جذبہ اور خلوص سے قلمبند کیا۔ اس ملفوظ کا سبب تالیف یہ تھا کہ دونوں بھائیوں نے حسین علی خاں کے ساتھ دہلی آنے کی اجازت اپنے شیخ سے چاہی تھی۔ تاکہ شاہ کلیم اللہؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کر سکیں شاہ نظام الدینؒ نے صرف کامگار حسینی کو اجازت دی۔ غالباً خواجہ نور الدین کی صحت ایسی نہ تھی کہ اتنا طویل سفر اُن کے لئے مناسب ہوتا۔ کامگار حسینی دہلی میں ہی تھے کہ بھائی کے انتقال کی خبر وحشت اثر اُن کو ملی۔ اب اس دلی کیفیت کی تسکین کے لئے جو واپسی پر بھائی سے نہ ملنے کے خیال سے پیدا ہوتی تھی، انھوں نے یہ سوچا کہ مجالس شیخ کا حال لکھ کر مرحوم کی روح کو خوش کریں۔ مجالس کلیمی کے دو نسخوں کا اب تک پتہ چلا ہے۔ ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ (حیدر آباد) میں ہے (۴۹۴ ۱۵۶) دوسرا خانقاہ تونسہ شریف میں (نمبر ۱۰۹ اب)۔ کامگار حسینی کی ایک اور تصنیف ملفوظات خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ ہے۔ اس کا واحد نسخہ خانقاہ تونسہ شریف میں بتایا جاتا ہے۔ صاحب شجرۃ الانوار نے شیخ اورنگ آبادیؒ کے تذکرہ میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ شیخ اورنگ آبادیؒ خواجہ کامگار حسینی کا اتنا خیال کرتے تھے کہ اپنے بڑے بیٹے محمد اسمٰعیل کو اُن کا مرید کرایا تھا۔[1]

---

[1] مناقب فخریہ ص ۵

باب سوم

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ

محمد شاہ کی دلی ہے۔ زوال و انحطاط کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔ قتل و غارت گری کا دور دورہ ہے۔ نادر شاہ کا قتل عام اسی سرزمین پر ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ہچکیاں لے رہا ہے اور دم توڑنا ہی چاہتا ہے۔ جس دور کی ابتدا، ایبک و التمش کی رزم آرائیوں سے ہوئی تھی، وہ آج محمد شاہ کی بزم آرائیوں اور ہنگامہ ہائے ناؤ نوش میں ختم ہو رہا ہے۔ فلسفۂ تاریخ کے مفکر کی یہ صدا فضاؤں میں گونج رہی ہے ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

اس سیاسی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانے میں اللہ کے کچھ بندے درس و تدریس اور ارشاد و تلقین کے کام میں مشغول ہیں۔ حالات ناسازگار ہیں، ہوا تیز و تند ہے لیکن وہ اپنا چراغ جلا رہے ہیں۔ طوفان امنڈتا چلا آ رہا ہے، لیکن اُن کے دست و بازو چپو پر جمے ہوئے ہیں۔ وہ ہمت نہیں ہارتے۔ ایمان و یقین کا بے پناہ سرمایہ اُن کے حوصلوں کو بلند اور عزم کو مستحکم کئے ہوئے ہے۔ دہلی میں جس کا عالم بقول شاہ عبدالعزیزؒ یہ تھا کہ

بِهَا مَدَارِسُ لَوطَافَ الْبَصِيْرُ بِهَا
لَمْ تَفْتَحْ عَيْنُهُ اِلَّا عَلَى الصُّحُفِ

(جس طرف نکل جائیے اس میں مدارس نظر آئیں گے۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوگا)

دو مدرسے ایسے ہیں جو اس وقت دلی کی جان ہیں، ایک مدرسہ رحیمیہ جس میں دربار ولی اللّٰہی سج رہا ہے، اور ایک زبردست انقلابی تحریک کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے، اور دوسرا اجمیری دروازہ کا مدرسہ جس میں دکن کا ایک نوعمر عالم کسی روحانی ادا سے پر آکر اقامت گزیں ہوگیا ہے۔ تقریباً نصف صدی قبل اس نوجوان کے باپ کو دہلی کے ایک مشہور بزرگ نے دکن میں تبلیغ واصلاح کے کام پر متعین کیا تھا۔ آج اس کا فرزند علم و عرفان کی شمع جلانے دکن چھوڑ کر دہلی چلا آیا ہے۔ لوگ پروانوں کی طرح اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اس کی چتون میں غضب کا جادو بھرا ہے کہ جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ جب حدیث کا درس دینا شروع کر دیتا ہے تو سننے والوں پر

فتاد سامعہ در موجہ کوثر و تسنیم

کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ شاہ فخر الدین ؒ ہیں۔ ان کے والد شاہ نظام الدین ؒ اورنگ آبادی ؒ، شاہ کلیم اللہ دہلوی ؒ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے، اور انہی

له یہ وہی مدرسہ ہے جس کی نسبت مولوی بشیر الدین احمد نے لکھا ہے:
"اس مدرسے میں چھوٹے چھوٹے مکان بن گئے ہیں جو ہاں کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں۔ یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ (شاہ ولی اللہ) کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھتے تھے۔ اب چونکہ یہ کل جائداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے، اس لئے اس گلی پہ مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔" واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۱۸۷

کے حکم کے مطابق دکن چلے گئے تھے۔

ولادت | شاہ فخر الدین صاحب ؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۲۶ھ؍۱۷۱۴ء کو اورنگ آباد میں ہوئی تھی۔ جب حضرت شاہ کلیم اللہ ؒ دہلوی ؒ کو اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدین ؒ کے یہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئے۔ فخر الدین ؒ نام تجویز کیا اور اپنا ملبوس خاص نومولود کے لئے عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی اس بچہ کے شاندار مستقبل کی بشارت دی۔ ایک مجلس میں خود شاہ فخر صاحب ؒ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا تھا:

حضرت شیخ بعد تولد من رقعہ کہ برائے	حضرت شیخ (یعنی شاہ کلیم اللہ صاحب ؒ)
حضرت صاحب قبلہ نوشتہ بودند،	نے میرے تولد کے بعد جو خط حضرت
چنانچہ تاحال آں رقعہ پیش ما	والد صاحب قبلہ کو لکھا تھا وہ اب
ہست، برائے من بسیار بشارت	تک میرے پاس ہے۔ اس میں میرے
والفاظ زیادہ تر از مرتبہ من نوشتہ	لئے بہت سی بشارتیں ہیں اور ایسے
اند و بہ تصدیق تلفظ ایشاں حق	الفاظ ہیں جو میرے رتبے سے بڑھ کر ہیں،
تعالیٰ بر من رحمت کردہ است	اللہ تعالیٰ نے ان ہی کلمات کی برکت

له مناقب فخریہ۔ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۹۵ھ) ص ۵؛
مناقب فخریہ کے مصنف غازی الدین خاں نظام، نظام الملک آصف جاہ کے پوتے تھے۔ اٹھارہویں صدی کی تاریخ میں ان کا نمایاں حصہ تھا۔ ۱۲۱۵ھ؍۱۸۰۰ء میں کالپی میں انتقال ہوا۔ اردو فارسی عربی ترکی میں شعر کہتے تھے۔ فارسی دیوان کے نسخے برٹش میوزیم Rieu II 7/9 اور لینن گراڈ (Romaskewicz p. 9) میں موجود ہیں۔ ۱۳۰۱ھ؍۱۸۸۴ء میں یہ دیوان حیدرآباد سے شائع ہوا تھا۔ اُن کے لکھے ہوئے قصائد حضرت علیؓ کی مدح میں اور ایک مثنوی فخریۃ النظام (شاہ فخر الدین دہلوی ؒ کی مدح میں، خاص طور پر معروف ہیں۔ ذخیرہ سبحان اللہ علی گڑھ میں خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا قصیدہ موجود ہے۔ (۲۹۷۔۳۷/۲۴ عربیہ)

فخر الطالبین (مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۵ھ) ص ۵۵

سے مجھ پر رحمت فرمائی ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اس مکتوب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ لڑکا شاہ جہاں آباد میں رُشد و ہدایت کی شمع روشن کرے گا۔[1]

شاہ فخر الدین صاحبؒ کے چار بھائی اور ایک بہن تھی۔ ایک بھائی حقیقی تھے، باقی سوتیلے۔ بڑے بھائی خواجہ کامگار حسینی کے مرید تھے۔ باقی تینوں بھائیوں نے شاہ فخر صاحبؒ سے بیعت کی تھی۔[2] بڑے بھائی کے متعلق شاہ فخر صاحبؒ کا بیان ہے:

برادر کلاں من بسیار سادہ بودند،	میرے بڑے بھائی بہت سادہ لوح
و مرا بلفظ مُلّا یاد کردند، باین جہت	تھے، مجھے مُلّا کہہ کر خطاب کیا کرتے
کہ ایشاں اکثرے بہ تماشا مشغول	تھے اور وہ اس وجہ سے کہ وہ اکثر تماشے
می شدند، و بہ ایں ذوق داشتند	میں مشغول رہتے تھے اور اس میں بڑی
من اکثر کم حاضر می شدم مرا مُلّا می	دلچسپی رکھتے تھے میں اس میں کم شریک
گفتند"۔[3]	ہوتا تھا۔ اس لئے مجھے مُلّا کہتے تھے۔

شاہ فخر صاحبؒ کو اپنی بہن اور بھائیوں سے بڑی محبت تھی۔ بہن کو "آپا" کہا کرتے تھے۔[4] بڑے بھائی کا جب انتقال ہوا تو بہت رنجیدہ اور مضطرب ہوئے۔[5]

سلسلۂ نسب اور لقب | شاہ فخر الدین صاحبؒ باپ کی جانب سے صدیقی اور ماں کی جانب سے "سید" تھے۔ ان کی والدہ (جن کا نام سید بیگم تھا)، حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے خاندان سے تھیں۔[6]

شاہ فخر صاحبؒ کا لقب محب النبی تھا۔[7] اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ نے

---

[1] [2] مناقب فخریہ ص ۵

[3] [4] فخر الطالبین ص ۵۵

[5] فخر الطالبین ص ۳۰ [6] شجرۃ الانوار (قلمی)

[7] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۴ - ۱۱۳ ؛ مناقب فخریہ ص ۴

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت چراغ دہلیؒ کو اس لقب سے مخاطب کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تھا۔[1]

تعلیم | شاہ فخر الدین صاحبؒ کی تعلیم پر کافی توجہ صرف کی گئی تھی۔ ان کے والد ماجد خود بڑے ذی علم بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے اس بیٹے کی، جس کے شاندار مستقبل کے متعلق حضرت شاہ کلیم اللہؒ بشارت دے چکے تھے، تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اور اس زمانے کے مشہور علماء کے زیرِ تربیت رکھا۔[2]

شاہ فخر صاحبؒ نے فصوص الحکم، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ کتابیں میاں محمد جان سے پڑھی تھیں۔ میاں محمد جان جید عالم تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا اور فلسفۂ وحدت وجود کے ماہر استادوں میں شمار کئے جاتے تھے۔[3] انھوں نے شاہ فخر الدین صاحبؒ میں بھی امام اکبرؒ کے فلسفہ کا درک پیدا کر دیا۔ غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک زمانے میں شاہ فخر الدین صاحبؒ نے فلسفۂ وحدتِ وجود کی تشریح میں ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ امام اکبرؒ کے افکار کے باریک نکات عوام خاطر خواہ طریقہ پر نہ سمجھ سکیں گے، اور پھر شارح کو بدنام کرنا شروع کر دیں گے، اپنے ارادے سے باز رہے۔[4]

شاہ فخر الدین صاحبؒ نے ہدایہ اپنے عہد کے ایک مشہور فقیہہ مولانا عبد الحکیم سے پڑھی تھی۔ تکملہ میں اُن کے متعلق لکھا ہے:

بزرگے خوب عالم بود ..... در علم	بڑے اچھے عالم تھے ..... علم فقہ
فقہ تمام مہارت داشت و ہم	میں مہارت حاصل تھی اور انتہائی

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ۱۱۴ - ۱۱۳ ؛ مناقب المحبوبین ص ۸۱ - ۴۹ - ۴۸

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶

[3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶

[4] فخر الطالبین ص ۳۹

توکل بدرجاتم بود [1]　　　توکل کی زندگی تھی۔

لکھا ہے بعض اوقات پاجامہ تک اُن کے پاس نہ ہوتا تھا۔ اور وہ ایک "نیمہ" میں گذر اوقات کرتے تھے۔

شاہ فخرالدینؒ کو ان سے استغنا اور توکل کا سبق ملا۔ حدیث کی سند شاہ فخر صاحبؒ نے دکن کے ایک مشہور محدث حافظ اسعد الانصاری المکی ثم اورنگ آبادیؒ سے حاصل کی تھی۔[2] حافظ صاحبؒ شیخ محمد ابراہیم کردیؒ کے شاگرد تھے۔ شیخ کردیؒ جید عالم اور محدث تھے۔ ان کا حال حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انفاس العارفین میں لکھا ہے[3]

شاہ فخرالدین صاحبؒ کو علم حدیث سے خاص دلچسپی تھی اور احادیث کا مطالعہ بھی کافی وسیع تھا۔ مولوی خدا بخش ملتانی کا بیان ہے کہ ان کو مشارق الانوار زبانی یاد تھی اور

کتاب مشارق الانوار شب	کتاب مشارق الانوار رات کو
می خواندند و بجانب چراغ پشت	پڑھتے تھے اور چراغ کی جانب
می کردند" [4]	پشت کر لیتے تھے۔

شاہ فخر صاحبؒ نے اپنے والد ماجد سے بھی کچھ کتابیں مثلاً شرح وقایہ، مشارق الانوار اور نفحات الانس پڑھی تھیں۔ درسیات کے علاوہ انھوں نے بعض اور علوم اور فنون سے بھی واقفیت حاصل کی تھی۔ طب کی کتابیں پڑھی تھیں اور تیر اندازی اور فنون سپاہ گری میں مہارت حاصل کی تھی۔ مناقب فخریہ میں ان کو "جامع جمیع علوم

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۷-۱۰۶؛ نیز خلاصۃ الفوائد (قلمی) ص ۳۹؛

[2] ملاحظہ ہو سند حدیث مندرجہ تکملہ سیر الاولیاء۔ ص ۱۰۸

[3] انفاس العارفین۔ ص ۲۰۰-۱۹۸۔ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم میں حجازی اثرات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علاوہ اور بزرگوں کے ذریعہ بھی ہندستان پہونچے تھے۔

[4] سرِ دلبراں، ص ۹؛

وفنون" لکھا ہے۔ [1]

تیغ و قلم کا یہ اجتماع ابتدائی زمانہ میں ان کی شخصیت کی خصوصیت تھی۔ روحانی تربیت نے "تیغ" کو اس طرح روحانی اور اخلاقی قدروں کے تابع کر دیا کہ کوئی ان سے مل کر کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ "صاحب سیف" بھی رہ چکے ہیں۔

بیعت | شاہ فخر صاحبؒ کے والد ماجد کو اُن سے بیحد محبت تھی۔ اس لئے ان کی باطنی تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ بچپن ہی میں ان کو اپنا مرید کر لیا تھا۔[2] جب شاہ نظام الدین کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۱۶ سال تھی۔ باپ نے قاضی کریم الدین کے ذریعہ "کہ نسبت خویشی بہ آں جناب داشت ص ۵" ان کو اپنے پاس بلوایا، اور دیر تک سینۂ مبارک سے چپٹا کر اپنی باطنی نعمتیں ان کو منتقل کر دیں۔ اس کے بعد اُن کی روح عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ [3]

شاہ فخرالدین صاحبؒ کی تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ باپ کے وصال کے تین سال بعد تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ [4]

لشکر میں ملازمت | تعلیم سے فراغت کے بعد، باپ کے سجادہ پر بیٹھنے کے بجائے انھوں نے لشکر میں ملازمت کر لی۔ لیکن درویشی فطرت کا تقاضا تھا۔ اس کو ٹال نہ سکتے تھے اگر دن تیغ و سناں کی جھنکاروں میں گذرتا تھا تو رات رکوع و سجود میں۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ وہ تمام تمام رات خیمہ میں عبادت کرتے تھے۔[5] اور اخفائے حال

---

[1] مناقب فخریہ ص ۱۱

[2] فخر الطالبین ص ۵۸

[3] مناقب فخریہ ص ۵

[4] مناقب فخریہ ص ۶

[5] مناقب فخریہ ص ۶

کی بڑی کوشش کرتے تھے۔ جو لوگ آپ کی ظاہری حالت کو دیکھتے، وہ کبھی اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ شخص راہ طریقت میں گامزن ہے۔ ایک دن فرمانے لگے:

"من در ایام سابقہ محنت در مشغولی	میں نے گذشتہ ایام میں شغل و
ہم بسیار کردہ ام"۔ [1]	ذکر میں کافی مصروفیت رکھی ہے

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے آٹھ سال تک رات دن مشقتیں اٹھائی تھیں [2]۔ لشکر میں وہ نظام الدولہ ناصر جنگ (مصنف مناقب فخریہ کے چچا) اور ہمت یار خاں [3] کے ساتھ رہتے تھے۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے:

فوج کشی ہا و شمشیر زنی ہا نمودند و	فوج کشی اور شمشیر زنی کرتے تھے،
صومِ دائمی در آں حالت می داشتند [4]	اور اسی حالت میں ہمیشہ روزے
	بھی رکھتے تھے۔

لشکر میں گو آپ نے اپنی روحانی کیفیات کو پوشیدہ رکھنے کی انتہائی کوشش کی لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ جب شہرت بڑھنے لگی تو لشکر چھوڑ کر اورنگ آباد چلے گئے۔

اورنگ آباد میں قیام | اورنگ آباد پہونچ کر شاہ صاحبؒ اپنے والد کے سجادہ پر متمکن ہوئے۔ حتی القدور اظہار حال سے گریز فرماتے تھے، لیکن جس خانقاہ اور سجادہ سے وہ

---

[1] فخر الطالبین ص ۱۰
[2] مناقب فخریہ ص ۶
[3] ہمت یار خاں، آصف جاہ اول کے معتبر سپہ سالاروں میں تھا، اور متعدد اہم جنگوں میں اُن کے ساتھ رہا تھا۔ ۱۷۲۳ء میں کرنول کے باغی سردار نے قتل کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی کتاب
Nizam-ul-Mulk Asaf Jah I, p. 159, p. 251.
[4] مناقب فخریہ ص ۶

متعلق تھے وہاں اخفاءِ حال آسان نہ تھا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو آپ کی ریاضات شاقہ کا علم ہو گیا اور عقیدت مندوں کا ہجوم بھی بڑھنے لگا۔ لکھا ہے:

آں حضرت دیدند کہ تمام ملک	حضرت شیخ نے جب دیکھا کہ تمام
دکن اشتہار شد۔ خواستند کہ	ملک دکن میں مشہور ہو گئے تو چاہا
بجائے دیگر عزم فرمایند و ستر	کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں اور
حال را بجال دارند۔ [1]	اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھیں۔

لیکن اورنگ آباد چھوڑنا بھی اُن کے لئے آسان نہ تھا۔ جب وہاں سے روانگی کا ارادہ کرتے تو دل میں خیال آتا کہ یہاں میرے والد اور مرشد کا مزار ہے۔ آخر اس کو چھوڑ کر کس طرح چلا جاؤں۔ اسی کشمکش میں تھے کہ خواب میں اپنے والد ماجد کو دیکھا کہ یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

شہ اقلیم فقرم بے خودی تخت روانِ من
نہ چوں فرہاد مزدورم نہ چوں مجنوں زمیندارم [2]

پھر عارف رومؒ کی اس ہدایت سے کچھ ہمت بندھی ع

بند بگسل باش آزاد اے پسر [3]

مذبذب ارادے میں پختگی پیدا ہوئی اور وہ اورنگ آباد کو خیرباد کہنے کے لئے تیار ہو گئے۔

دہلی کو روانگی | ایک دن آپ اپنے دو ملازموں، قاسم اور حیات کے ساتھ اورنگ آباد سے پا پیادہ چل کھڑے ہوئے۔ مناقب فخریہ میں آپ کی روانگی کا سال ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء درج ہے [4]۔ مناقب المحبوبین میں ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء لکھا ہے اور غازی الدین خاں نظام کی مثنوی کے اِن اشعار سے سند لی گئی ہے ؎

---

[1] [2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۹
[3] مناقب فخریہ ص ۹ - ۸
[4] مناقب فخریہ ص ۱۱

بود سالے کہ فرخ و میموں
شصت و پنج و ہزار صد افزوں
فخر دیں با قدوم سعد و سعید
دہلی کہنہ را نوا بخشید[1]

اس سفر کا حال غازی الدین خاں نظام نے فخریۃ النظام میں نہایت تفصیل سے لکھا تھا۔[2] دہلی میں ایک بڑھیا کے یہاں قیام کیا۔ قریب ہی ایک بت خانہ تھا۔ ہندو بھی آپ سے عقیدت مندی کا اظہار کرنے لگے۔[3] یہاں سے چلے تو حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب مسجد میں معتکف ہو گئے۔[4] پھر اپنے سلسلہ کے دیگر بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے، حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے مزار پر پہونچے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے فرزند نہایت محبت سے پیش آئے۔ تین دن تک اُن کے مہمان رہے۔ اس کے بعد

آں حضرت در کٹرہ بہلیل حویلی بہ	حضرت شیخ نے کٹرہ بہلیل[5] میں ایک
کرایہ گرفتند و آں مکاں بہ قدوم	حویلی کرایہ پر لے لی اور وہ مکان
ایں گلبن رعنا رشک افزائے گلزار	آپ کے قدموں کی برکت سے رشک
شد. و دراں محل شغلِ تدریس	گلزار بن گیا۔ وہیں آپ نے درس و
در پیش کردند[6]	تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

یہاں بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کا بیٹا اور شاہ

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۵۰
[2] مناقب فخریہ ص ۹ ؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۹
[3] مناقب فخریہ ص ۹
[4] مناقب فخریہ ص ۱۰
[5] شجرۃ الانوار میں اس کٹرہ کا نام بہولیل لکھا ہے۔
[6] مناقب فخریہ ص ۱۰

کلیم اللہ دہلویؒ کے سلسلے کا بزرگ دہلی میں گمنام نہیں رہ سکتا تھا۔ دہلی کے باشندے دونوں بزرگوں سے عقیدت اور ارادت رکھتے تھے۔ یہیں قیام کے زمانے میں شیخ نور محمد مہارویؒ جنھوں نے اٹھارہویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کو پنجاب میں پروان چڑھایا، ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوئے۔[1] علاوہ ازیں حافظ محمد قاسم، جو شاہ عالم بادشاہ کے امام جماعت تھے، اُن کے مرید ہوئے۔[2] مرزا حسین اکبر آبادیؒ، جو فنون سپہ گری میں یگانۂ روزگار تھے کھنچ کر آپ کے قدموں میں آ گئے اور مرید ہو گئے۔[3]

پاک پٹن کا سفر | دہلی آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ شاہ فخر الدین صاحبؒ نے پاک پٹن کا ارادہ کر دیا۔ دکن سے واپسی پر اُنھوں نے اجمیر شریف میں قیام کیا تھا۔ دہلی میں اپنے سلسلے کے سب بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہو چکے تھے۔ بابا صاحبؒ کے مزار پر اب تک حاضری نہ ہوئی تھی، اس لئے پاک پٹن کا ارادہ کیا اور یہ سفر جس انداز سے کیا وہ عقیدت و ارادت کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ میلوں کی پیادہ پا مسافت سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں لیکن جوش عقیدت میں چلے جا رہے ہیں۔ رُکنے کا نام نہیں لیتے۔ جب بالکل ہی مجبور ہو جاتے ہیں تو ٹھہر جاتے ہیں، اور آبلوں پر مہندی لگاتے ہیں۔ ابھی پورا آرام نہیں ہو پاتا کہ پھر چل پڑتے ہیں۔ شاہ نور محمد صاحبؒ اس سفر میں اُن کے ہمراہ تھے۔ پاک پٹن سے کچھ دور ایک گاؤں میں رات کو دونوں ٹھہر گئے۔ صبح ہوئی تو شاہ نور محمد صاحبؒ نے اُن کو وہاں نہ پایا۔ تلاش کیا تو صرف نعلین مبارک پڑی ہوئی ملیں۔ بہت تشویش ہوئی۔ بڑی جستجو کے بعد پتہ چلا کہ آپ پاک پٹن پہونچ چکے ہیں۔ اور بابا صاحبؒ

---

[1] مناقب فخریہ ص ۱۰ ؛ ۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ قبلۂ عالم فرمایا کرتے تھے۔
"اول کسیکہ بیعت از مولانا در دہلی کردمن بودم" ص ۸۳
[2] مناقب فخریہ ص ۱۰ ؛ نیز شجرۃ الانوار (قلمی)
[3] مناقب فخریہ ص ۱۰ ؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۲ - ۱۱۱

کے احترام میں اپنی نعلین اس گاؤں میں چھوڑ گئے ہیں[۱]۔

پاک پٹن میں شیخ محمد یوسفؒ سجادہ نشین تھے۔ انھوں نے نہایت محبت کا برتاؤ کیا۔ اور مزار کے قریب ایک حجرہ میں ٹھہرایا۔ جہاں وہ ریاضت و عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ ہر شب کو ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔[۲]

پاک پٹن سے واپسی پر راستے میں فرمانے لگے کہ دکن کی طرف سے دل میں کچھ تشویش سی پیدا ہو رہی ہے۔ چند ہی دن بعد اطلاع ملی کہ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ (جن سے شاہ صاحبؒ کو بہت تعلق خاطر تھا) شہید کر دیئے گئے۔[۳] دہلی واپسی پر شاہ صاحبؒ نے کچھ دن کٹرہ پھلیل ہی میں گزارے۔ اس کے بعد اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں منتقل ہو گئے اور اس کو اپنا مستقر بنا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔[۴]

درس و تدریس | شاہ فخر الدین صاحبؒ نے اجمیری دروازہ کے جس مدرسہ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا، وہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ کا بنوایا ہوا تھا[۵]

---

[۱] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۲-۱۱۱

[۲] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۲

[۳] مناقب فخریہ۔ ص ۱۳-۱۲؛ ۱۶ محرم ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء کو وہ پانڈی چری کے معرکہ میں شہید ہوئے نظام الملک آصف جاہ اول کے صاحبزادے تھے۔ خلد آباد میں حضرت برہان الدین اولیاء زری زر بخشؒ کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔ شعر و سخن کا اچھا مذاق تھا۔ ناصر تخلص کرتے تھے آزاد بلگرامی سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ اُن کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

[۴] مناقب فخریہ۔ ص ۱۳؛

[۵] صاحب مناقب فخریہ نے لکھا ہے:

"مدرسہ بنا کردہ والد مغفور احقر کہ بیرون دروازۂ اجمیری واقع است جلوس فرمودند۔" (ص ۱۳) مدرسہ کے لئے ملاحظہ ہو: (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس مدرسہ کا انتخاب غالباً اُن تعلقات کی بنا پر کیا تھا جو اُن کے بزرگوں کے خاندان آصفیہ سے تھے۔ اس مدرسہ میں بیٹھ کر آپ نے صرف چند درسی کتابوں کے پڑھانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ارشاد و تلقین کا وہ ہنگامہ برپا کیا کہ:

"........ سینہ ہائے کنوز حقائق و دلہائے معادن معارف گشت خفتگاں بیدار و بے ہوشاں ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر و بے اثراں اثر گردیدند، دل مردگاں زندہ، دل زندگاں بسمل شدند، بازار عشق و محبت الٰہی گرم شد و دریائے شوق و ذوق موجہائے زد"[۱]

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ کا ذکر آپ کے درس کے سلسلہ میں متعدد جگہ آیا ہے۔[۲] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاص طور سے ان ہی کتب احادیث کا درس دیتے تھے۔ اس مدرسہ کا نظام کچھ اس طرح تھا کہ شاہ صاحبؒ جن طلباء کو حدیث کا درس دیتے تھے، وہ دوسرے طالب علموں کو معقول و منقول کی تعلیم دیتے تھے۔ سید احمد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں از مولوی ابوالحسنات ندوی ص ۲۸-۲۷؛

Law, Promotion of Learning in India, pp. 194-195

شجرۃ الانوار سے، جو معاصر تذکرہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دو مدرسے تھے۔ مدرسہ کلاں اور مدرسہ خورد۔

[۱] مناقب فخریہ۔ ص ۱۴-۱۳

[۲] فخر الطالبین ص ۱۶-۱۵

شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

"روزے در خدمت سراسر برکت حاضر بودم آں روز درس مشکوٰۃ شریف بود"

مولانا سید عبد الحئی مرحوم نے اس دور میں ہندوستان کا جو نصاب تعلیم متعین کیا ہے اس میں حدیث میں صرف مشکوٰۃ المصابیح کو شامل کیا ہے (الندوہ فروری ۱۹۰۹ء ص ۱۳) شاہ فخر الدین صاحبؒ کے حالات و ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اور بخاری بھی بعض مدارس میں رائج تھیں۔

کے ذکر میں لکھا ہے:

خود صحیح مسلم در جناب اقدس تلمذ میکنند و در خدمت حدیث مشغول اند و درس کتب معقول و منقول بشاگرداں می دہند و شب و روز مصروف بہ حکم مولانا در تعلیم و تعلم اند۔ [1]

وہ خود حضرت شیخ کی خدمت میں صحیح مسلم کا مطالعہ کرتے ہیں اور خدمت حدیث میں مشغول ہیں۔ اور منقول و معقول کی کتابوں کا درس دوسرے شاگردوں کو دیتے ہیں۔ رات دن مولانا کے حکم سے پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔

بعض خاص شاگردوں کو شاہ فخر صاحبؒ ابتدائی کتابیں بھی پڑھادیا کرتے تھے۔ میر بدیع الدین کو (جو بہت عزیز شاگرد اور مرید تھے) انھوں نے میزان سے لے کر صحیح بخاری تک پڑھائی تھی۔ ایک مرتبہ سفر السعادت کا مطالعہ فرمارہے تھے، بعض مقامات حاضرین کو بھی سناتے جاتے تھے کہ ایک دم رُکے اور فرمانے لگے:

دریں ایام دل می خواہد کہ ایں کتاب را بہ شخصے از یاراں درس گویم۔ میر بدیع الدین خود بخاری می خوانند، و سید احمد صحیح مسلم، بکہ باید گفت۔ [2]

ان دنوں جی چاہتا ہے کہ یہ کتاب کسی مرید کو پڑھاؤں۔ میر بدیع الدین بخاری پڑھتے ہیں۔ سید احمد صحیح مسلم (اب) کس کو پڑھائی جائے؟

آپ کے اس سوال پر غازی الدین خاں نظام (مصنف مناقب فخریہ) نے اپنے آپ کو پیش کیا۔

رمضان کے مہینے میں علوم درسی کی تعلیم مدرسہ میں بند رہتی تھی لیکن حضرت

---

[1] فخر الطالبین ص ۱۶

[2] فخر الطالبین ص ۱۵

شاہ صاحبؒ کا درس حدیث جاری رہتا تھا۔ آخری دنوں میں یہ بھی موقوف ہوجاتا تھا۔ کیونکہ وہ ان دنوں میں معتکف ہوجاتے تھے۔ [1]

اس مدرسے میں دور دور سے طلباء آتے تھے۔ اکثر مشہور مریدین آپ کے مدرسہ کے طلباء ہی تھے۔ آپ کی تعلیم کی خصوصیت یہ تھی کہ اُس پر باطنی اصلاح کا رنگ غالب تھا۔ سلوک کی تعلیم اس نصاب اور درس کا خاص حصہ تھی۔ مولانا عبدالرحمٰن موحد لکھنویؒ جب تحصیل علم کے لئے دہلی آئے تو سب سے پہلے شاہ فخر صاحبؒ ہی کے مدرسے میں حاضر ہوئے۔ اور اُن سے علوم ظاہری کی تعلیم کی درخواست کی۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا۔ جمعیتِ خاطر کے ساتھ باقی کتابیں پڑھ لو، علم حاصل ہوجائے گا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کی توجہ اس وقت علم ظاہر کی طرف تھی۔ یہاں سلوک اور تجلیۂ باطن پر خاص زور تھا۔ اس لئے مولانا چند دن دہلی رہ کر رام پور چلے گئے۔ [2]

جس زمانے میں شاہ فخر الدین صاحبؒ، اجمیری دروازہ کے مدرسے میں درس و تدریس میں مشغول تھے، دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مدرسہ اپنے پورے عروج پر تھا۔ شاہ فخر الدین صاحبؒ کے مدرسے میں تصوف کا رنگ غالب تھا اور سلوک و علم باطن کی طرف زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ فتاوائے عالمگیری کے مرتب (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) کے مدرسہ میں احسان و سلوک کے ساتھ علم ظاہر پر خصوصی توجہ تھی۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک زبردست انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جارہی تھی۔

علمی ذوق شاہ فخر الدین صاحبؒ کا علمی مذاق بہت اعلیٰ تھا۔ بیشتر وقت مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ کتابوں کے حاصل کرنے اور جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا

---

[1] فخر الطالبین ص ۲۴

[2] انوار الرحمٰن ص ۱۷

فخر الطالبین میں لکھا ہے:

مگر کتب ہارا کہ حضرت صاحب بسیار دوست می دارند، واگر قرض ہم بدست آید خریدی فرمایند، وبفضل الٰہی اکنوں کتاب خانہ بسیار در سرکار است۔ [1]

لیکن کتابوں کو حضرت شیخ بہت دوست رکھتے ہیں۔ اگر قرض بھی ہاتھ آجاتی ہیں تو خرید لیتے ہیں۔ بفضل الٰہی سرکار کے کتب خانے میں بہت سی کتابیں ہیں۔

کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے سامنے رہتی تھی۔ کبھی حدیث بیان فرماتے، کبھی عوارف المعارف سناتے۔[2] فوائد الفواد سے تو اتنا عشق تھا کہ ہر وقت یا تو سینے سے لگی رہتی تھی یا سرہانے رکھی رہتی تھی۔ [3]

تصانیف | شاہ فخر الدین صاحبؒ کی تصنیف کی ہوئی مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب ہوئی ہیں:

(۱) نظام العقائد
(۲) رسالہ مرجیہ
(۳) فخر الحسن
(۴) رسالہ عین الیقین

یہ کتابیں اُن کے علمی تبحر اور محققانہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔ سر سید نے لکھا ہے:
"اُن کا دیکھنا آپ کی ممارست علمی کی دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے۔" [4]

---

[1] فخر الطالبین۔ ص ۴۹؛
[2] شجرۃ الانوار (قلمی)
[3] مناقب فخریہ۔ ص ۱۸ - ۱۹
[4] آثار الصنادید، باب چہارم۔ ص ۳۳

اسلام کے بنیادی عقائد پر بحث کی گئی ہے۔ سبب تالیف یہ بتایا ہے کہ پاک پٹن میں بعض اعزہ واحباب نے اصرار کیا کہ عقائد اہل سنت والجماعت کو بموجب مذہب امام اعظمؒ صاف عبارت میں بیان کیا جائے۔ جمیل میں یہ کتاب لکھی گئی۔ طرز بیان سادہ اور دل کش ہے۔ [1]

رسالہ مرجیہ۔[2] حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین کے ایک بیان کی تشریح میں لکھا گیا ہے۔ شیخ جیلانیؒ نے حنفیہ کو فرقۂ مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شیخ جیلانیؒ کا کلام نہیں ہے، بلکہ ملحقات سے ہے۔ شاہ فخر الدینؒ نے اس پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت ہی کا کلام ہے۔ لیکن اس جملہ سے ان کا اصلی مقصد وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ فرقۂ مرجیہ نے رحمت الٰہی کے سلسلہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور مضمون غضب کو فراموش کر دیا ہے، اور حنفیہ فی الجملہ رحمت کو غلبہ دیتے ہیں۔ اس مناسبت سے انھوں نے حنفیہ کا ذکر فرقۂ مرجیہ میں کیا ہے۔ لیکن حنفیہ اس قدر رحمت کو غلبہ نہیں دیتے جیسا کہ دوسرے فرقۂ مرجیہ کو دیتے ہیں۔ اس سبب سے "زائغ عن الحق" (حق سے ہٹے ہوئے) نہیں ہیں۔

تیسری کتاب فخر الحسن ہے[3] جو شاہ صاحبؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ایک بیان کی تردید میں لکھی تھی۔ شاہ ولی اللہؒ نے انتباہ میں یہ اعتراض کیا

---

[1] فارسی اصل اور اردو ترجمہ دونوں علیحدہ علیحدہ شائع ہو چکے ہیں۔
ظرف الفوائد، ترجمہ نظام العقائد (مطبع رضوی، دہلی)
[2] قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ عبد الحیٔ فرنگی محلی میں "رسالہ فی تحقیق المرجیہ" کے عنوان سے موجود ہے۔
[3] مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں تین نسخے (ایک ناقص اور دو مکمل) موجود ہیں۔
ذخیرہ عبد الحیٔ فرنگی محلی نمبر ۲۶۸/۲۲، یونیورسٹی عربیہ ۳/۸۲، (۲) ۵

تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علیؓ تک متصل نہیں ہوتا کیونکہ خواجہ حسن بصریؒ، حضرت علیؓ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کس طرح مل سکتی تھی[1]۔ شاہ فخر الدینؒ نے فخر الحسن میں اس بیان کی تردید کی ہے اور محدثانہ کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کو خلافت ملی تھی اور یہ اعتراض غلط ہے۔ شاہ فخر صاحبؒ کی اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا عبد العلی بحر العلومؒ نے جب اس رسالے کو دیکھا تو فرمایا کہ حسن اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے، لیکن یہ تحقیق جو مولانا نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی[2]۔

فخر الحسن میں احادیث کی متداول کتب اور شروح کے علاوہ ان کتابوں کے حوالے موجود ہیں جن سے ان کے علمی تبحر اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے:

1. تاریخ صغیر بخاری
2. تہذیب الکمال مزی
3. شروط الائمہ حازمی
4. تہذیب الاسماء واللغات نووی
5. سنن کبریٰ بیہقی
6. تاریخ خطیب بغدادی
7. حلیۃ الاولیاء
8. تقریب نووی
9. تاریخ الاسلام ذہبی
10. مراۃ الجنان یافعیؒ
11. سنن دارقطنی
12. کتاب الثقات ابن حبان
13. فتح الباری
14. تدریب الراوی

[1] القول الجمیل میں بھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس شبہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے حاشیہ القول الجمیل میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی ملاقات حضرت علیؓ سے بہ اعتبار تاریخ ثابت نہیں۔ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۴۶

[2] مناقب حافظیہ ص ۲۰۰

مولانا بحر العلوم (المتوفی ۱۲۲۵ھ) کو مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے طبقہ میں گنا ہے

15. منہاج السنہ ابن تیمیہؒ

گذشتہ صدی کے ایک مشہور عالم مولانا احسن الزماں حیدرآبادی، مرید و خلیفہ مولانا محمد علی خیرآبادیؒ نے القول المستحسن فی فخر الحسن کے نام سے شاہ صاحبؒ کی اس تصنیف کی مبسوط شرح عربی میں لکھی ہے[1]۔ مناقب حافظیہ کا بیان ہے کہ شاہ رفیع الدینؒ نے فخر الحسن کا جواب لکھنا چاہا تھا لیکن نہ لکھ سکے۔[2]

شاہ فخر الدینؒ نے اس کتاب کو لکھنے کے بعد اپنی مجلس میں جستہ جستہ سنوایا تھا۔ مصنف مناقب فخریہ نے فخر الحسن نام تجویز کیا، جو شاہ صاحبؒ نے نہایت خوشی اور "بشاشت" سے پسند فرمایا۔[3]

رسالہ عین الیقین میں راہ سلوک کے لئے ہدایتیں ہیں جو اُن کو اپنے والد ماجد سے پہونچی تھیں۔[4]

ان تصانیف کے علاوہ ایک زمانے میں حضرت شاہ فخر صاحبؒ کے کچھ خطوط بھی ملتے تھے۔ اب صرف ایک خط مناقب المحبوبین میں محفوظ ہے۔ جس میں اتباع شریعت کی تلقین کی گئی ہے اور وحدت وجود کے بعض نکات کو واضح کیا گیا ہے[5]۔

معمولات اور نظام اوقات | حضرت شاہ فخر صاحبؒ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے۔ جن مزارات پر حاضری یا جس کام کی بجا آوری انھوں نے اپنے آپ پر لازم قرار دے لی تھی اس کی ہر حالت میں پابندی کرتے تھے۔ لکھا ہے:

"ہنگامہا در شہر می شوند تاہم معمول خود را ناغہ نمی کنند۔"[6]	شہر میں ہنگامے ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ اپنے معمولات کو ناغہ نہیں کرتے۔

[1] مطبع عزیز دکن ۱۳۱۲ھ

[2] مناقب حافظیہ۔ ص ۲۰۰ [3] مناقب فخریہ۔ ص ۵۰؛

[4] رسالہ عین الیقین، مطبع احمدی واقع کلاں محل دہلی۔ ص ۳؛

[5] مناقب المحبوبین ص ۵۲ - ۵۱؛

[6] فخر الطالبین ص ۴۸؛

فجر کی نماز کے بعد وہ اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے تھے اور تین چار گھڑی دن تک تک وہیں رہتے تھے۔ اس وقت کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے بعد مجلس میں آکر بیٹھتے تھے۔ اس وقت یاران و مخلصان سب حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اس کے بعد حدیث یا عوارف المعارف کا درس شروع ہوتا تھا۔ کوئی شخص اس کی عبارت پڑھ دیتا، اور آپ اس پر تقریر فرماتے تھے۔ پھر کھانے کا وقت ہوجاتا۔ قیلولہ کے وقت امیر کلو یا نتھو موجود ہوتے تھے۔ اور حضرت مولانا کوئی کتاب سینہ پر رکھ کر مطالعہ میں مصروف ہوجاتے تھے۔ اکثر یہ کتاب فوائد الفواد ہوتی تھی۔ اس کے بعد نماز ظہر باجماعت ادا کرتے تھے۔ تمام یاران مدرسہ بھی جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ آپ ہر ایک سے نہایت "خندہ روئی" اور "بشاشت" سے گفتگو فرماتے تھے۔ جمعہ اور سہ شنبہ کو مولوی عظمت اللہ صاحب سے بلاناغہ مثنوی مولانا روم سنتے تھے۔ اس مجلس میں سوائے خاص مریدوں کے کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ تینوں طرف کے دروازے "مقفل" کر دیئے جاتے تھے۔ [1]

رمضان المبارک کے مہینے میں حفاظ کے لئے خاص بندوبست ہوتا تھا اور ایسی رونق رہتی تھی کہ:

ہر روز ارباب عبادت در ظل	ارباب عبادت کے دن مثل عید
عاطفت مثل عید و ہر شے در	اور رات، شب قدر کی طرح ان
افطار و تراویح ہمہ چو شب قدر [2]	کے ظل عاطفت میں بسر ہوتی تھی۔

آپ کا معمول تھا کہ ۲۰ رمضان کو سرائے عرب چلے جاتے تھے، اور قطب صاحبؒ یا نظام الدین صاحبؒ میں معتکف ہوتے تھے۔ [3]

لباس اور خوراک | شاہ فخر صاحبؒ باہر جاتے تو دستار، جامہ اور دوپٹہ زیب تن ہوتا۔ جب گھر میں تشریف رکھتے تو جبہ و کلاہ استعمال فرماتے۔ سردی کے موسم میں فرغل اور دوشالہ بھی استعمال فرمالیتے تھے۔ شروع زمانے میں ایک تلوار اور کٹار دکھنی بھی پاس رہتی تھی۔ [4]

---

[1] شجرۃ الانوار (قلمی)
[2] ، [3] تکملۂ سیر الاولیاء ص ۱۱۸
[4] مناقب فخریہ۔ ص ۲۱

کھانا اکثر پرہیزی کھاتے تھے۔ لکھا ہے:

ایں قدر کم خور شخصے کم خواہد بود۔ [1]	اتنا کم کھانے والا شاید ہی کوئی شخص ہو۔

اخلاق | شاہ فخر صاحبؒ کی شخصیت کا سب سے ممتاز پہلو اُن کا اخلاق تھا۔ ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ کسی کو پریشان دیکھتے تو جب تک اس کی مدد نہ کر لیتے بے چین رہتے۔ ایک مرتبہ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب جہاز پر سوار ہونے لگے، ایک بُڑھیا آگے بڑھی اور عرض کیا: مجھے لڑکی کی شادی کرنی ہے اور حال یہ ہے کہ گھر میں فاقے ہوتے ہیں۔ کس طرح یہ کام انجام دوں۔ شاہ صاحبؒ نے فوراً اپنا سامان اُتار لیا اور جو کچھ زادِ راہ تھا، اس بُڑھیا کے حوالے کر دیا، اور خود وطن واپس چلے آئے۔ [2] وہ کسی شخص کو رنجیدہ یا ملول نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہر آنے والے کی دل جوئی کرتے تھے اور ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی شخص ان کے پاس سے ملول یا رنجیدہ خاطر نہ جائے۔ ان کے اخلاق سے دشمن تک متاثر ہوتے تھے۔ دشمن جان لینے کی فکر میں جاتے لیکن جب آپ سے ملتے تو بقول مصنف مناقب فخریہ ع۔

گردن کشانِ دہر مسخر نگاہِ تو [3]

کا عالم ہوتا

ایک افغانی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔ خدام نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ آپ نے ہاتھ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور اپنا سر مبارک زمین پر رکھ کر فرمایا:

"ما حاضریم ہرچہ بخاطر شما است بکنید"۔ [4]	ہم حاضر ہیں جو کچھ تمہارے جی میں ہے کرو۔

---

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۹۷
[2] شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ)
[3]، [4] مناقب فخریہ۔ ص ۲۷

اس وقت تو وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کے ساتھ آیا۔ اس کو دیکھتے ہی آپ تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، اور فرمایا۔ "صاحب بخیر و عافیت؟" ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ اخلاق کا وہ ہتھیار جو پہلی بار اُچٹتا ہوا لگا تھا، اپنا کام کر گیا۔ اور ان لوگوں نے "سنگ ہائے حویلی" پر اپنے سر اور پیر کوٹ کوٹ کر معافی مانگی۔ [1]

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ شاہ فخر صاحبؒ ہر چھوٹے بڑے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ بستر علالت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آتا تھا[2] مصیبت میں ہر شخص کی دست گیری کے لئے تیار رہتے تھے۔ لوگوں کی خوشی اور غم میں ہمیشہ شرکت فرماتے، اگر کسی غریب کے یہاں کوئی تقریب یا غمی ہوتی تو خود کئی بار تشریف لے جاتے اور اپنے مریدین و معتقدین کو وہاں جانے کی ہدایت فرماتے تاکہ

خاطرِ او مطمئن شود و غم از یں تفقداتِ کریمانہ
برطرف گردد۔ [3]

بیمار کی عیادت کرنی ہوتی تو یہی طریقہ اختیار فرماتے اور مریدین کو بار بار مزاج پُرسی کے لئے بھیجتے[4] ایک مرتبہ اکبرآباد کے پرانے دوست مرزا غلام حسین علاج کی غرض سے دہلی آئے تو اُن کی حد درجہ نگرانی اور امداد کی۔ ایک علیحدہ مکان سکونت کے لئے دیا۔ طبیب معالجہ کے لئے مقرر کیا اور بارہا اُن کی مزاج پُرسی کے لئے تشریف لے گئے[5]

جو لوگ روزانہ اور پابندی سے آنے والے تھے ان کی غیر حاضری سے پریشان ہو جاتے، اور اُن کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتے۔ دو روز پیرا

۱ مناقب فخریہ ص ۲۷
۲ مناقب فخریہ ص ۱۶
۳ ۴ فخر الطالبین ص ۱۲
۵ فخر الطالبین ص ۲۴

خاکروب نہیں آیا تو بہت فکر مند ہوئے۔ جب معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے تو فوراً اُسے دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ بہت محبت سے اُس کا حال دریافت کیا۔ میر حسن حکیم کو علاج کے لئے مقرر کیا اور نقد انعام دینے کے بعد فرمایا:

میاں پیر محمد اشما کہ از دو روز	میاں پیر محمد! تم جو دو روز نہیں
نیامدید و از فقیر کہ در پرسش احوال شما	آئے اور فقیر سے اس زمانے میں
تاخیر واقع شد معاف خواہند	پرسش احوال میں تاخیر ہوئی۔
فرمود۔ [1]	اس کو معاف فرما دو۔

اخلاق کی ان ہی بلندیوں کو دیکھ کر مناقب فخریہ کا مصنف بے اختیار پکار اٹھتا ہے

بہ دہلی مظہرِ ماہِ حجازی
تو گوئی نائبِ شاہِ حجازی[2]

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ دہلی کے ایک شخص نے اپنے زمانے کے تین بڑے بزرگوں کے اخلاق کا امتحان کرنا چاہا۔ اُس نے شاہ ولی اللہؒ، شاہ فخر الدینؒ اور مظہر جان جاناںؒ کو مدعو کیا۔ تینوں بزرگ اس کے مکان پر پہونچ گئے۔ میزبان زنانے مکان میں کھانا لینے کے لئے گیا۔ کئی گھنٹے بعد واپس آیا۔ اور بیوی کی علالت کا عذر کر کے کچھ پیسے ان تینوں بزرگوں کو پیش کئے۔ شاہ فخر الدین صاحبؒ نے یہ پیسے کھڑے ہو کر لئے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بیٹھ کر، مرزا مظہر جان جاناںؒ نے یہ کہہ کر کہ تم نے مجھے بڑی تکلیف پہونچائی۔

شاہ فخر الدین صاحبؒ صادق القول بزرگ تھے[3] وعدہ بہت کم کرتے تھے، لیکن جب کر لیتے تو جب تک ایفا نہ کر لیتے بے قرار رہتے تھے[4]۔ شیخی اور اظہار بزرگی سے

۱ مناقب فخریہ ص ۱۹
۲ مناقب فخریہ ص ۵۱
۳ مناقب فخریہ ص ۲۲
۴ مناقب فخریہ ص ۱۶

سخت تنفر تھا۔ جب کسی دعوت یا جلسہ میں تشریف لے جاتے تو لوگوں کو ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس سے نمائش ہوتی تھی اور یہ آپ کو پسند نہ تھی۔ حکم تھا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ منزل مقصود پر پہونچ جائیں[1]۔

کوئی آپ کی تعریف کرتا تو ناپسند فرماتے۔ کوئی مرید ہاتھ باندھ کر یا گردن جھکا کر تعظیم کرتا تو ناخوش ہوتے[2]۔ کوئی عقیدت مند پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو روک دیتے اور ناراض ہوتے[3]۔ دعوتوں کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن کسی کی استدعا کو رد بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ

"خوشی سائل را بر خوشی خود مقدم دارند"[4]

ہر آنے والے سے بشاشت اور خندہ روئی سے گفتگو فرماتے۔ اور "حضرت" یا "صاحب" سے خطاب کرتے[5] اور

گفت گو با ہر کسے موافق اطوار، و با عالم از علم و بہ سپاہی از سپاہ گری و با ہوس از کیمیا۔[6]

ہر شخص سے اس کے رجحان اور دلچسپی کے مطابق گفتگو کرتے تھے عالم سے علم کے متعلق، سپاہی سے سپاہ گری کی بابت اور کیمیا گر سے کیمیا کی نسبت۔

اس خوبی کو بیان کرنے کے بعد مصنف مناقب فخریہ لکھتا ہے۔ ع

---

[1] فخر الطالبین ص ۱۲

[2] مناقب فخریہ ص ۱۶

[3] ثمرۃ الانوار (قلمی)

[4] فخر الطالبین ص ۱۲

[5] مناقب فخریہ ص ۱۶

[6] مناقب فخریہ ص ۲۱

بارِ ما چوں آب در ہر رنگ شامل می شود[1]

ایک مرتبہ فرمایا کہ میرے پاس مختلف لوگ مختلف نیت سے آتے ہیں۔ بعض مجھ کو عالم جان کر آتے ہیں۔ بعض صوفی خیال کرتے ہیں۔ کچھ کیمیا گر سمجھتے ہیں۔ بعض میرے اخلاق کی وجہ سے ملنے آتے ہیں۔ بعض اعمال و اوراد کی فکر میں رجوع کرتے ہیں:

پس مرا نیز سلوک موافق اعتقادِ ایشاں بہ ایشاں است۔[2]

پس میرا بھی ان کے ساتھ سلوک اُن کے اعتقاد کے مطابق ہے۔

شاہ نور محمد صاحبؒ کا بیان ہے کہ شاہ فخر صاحبؒ بڑے خوش طبع تھے۔ لیکن جب میں حاضر ہوتا تو خوش طبعی نہ کرتے تھے۔ لہٰذا جب میں دیکھتا تھا کہ ایسے لوگ اُن کی مجلس میں ہیں جن سے وہ خوش طبعی کرتے ہیں تو میں وہاں سے چلا آتا تھا اور وہ اس لئے کہ

با اہل ہر طریق نگاہ داشت مناسبت او تلقین ہموں و تیرہ بود[3]

حکمانہ انداز میں یا قطعی طور پر کوئی بات نہ کہتے تھے۔ "چنیں باید کرد" کبھی زبان پر نہ آتا تھا۔ ہمیشہ یوں ہی فرماتے "صلاح چنیں می نماید"[4]۔ کسی سے کوئی کام کرنے کو کہتے تو نہایت نرمی سے۔ لکھا ہے:

بنوعے ارشاد می کنند کہ گویا شخصے محتاج در خدمت اغنیا بعرض رسانند"۔[5]

اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں گویا کوئی محتاج (کم حیثیت شخص) امیر آدمی سے عرض کر رہا ہے

اکثر ایسا ہوا کہ لوگ آپ کے کتب خانے سے کتابیں مُجرا کر لے گئے۔ کوئی اجنبی شخص

---

[1] مناقب فخریہ ص ۲۲

[2] فخر الطالبین ص ۷

[3] مناقب المحبوبین ص ۸۸

[4] [5] فخر الطالبین ص ۱۲

اُن کو فروخت کرنے کے لئے بھی حضرت ہی کی خدمت میں آگیا، تو کبھی آپنے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کتاب تمھیں کہاں سے ملی[1]۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے کپڑے اور چاقو وغیرہ چُرا کرلے گیا۔ چور کا پتہ چل گیا۔ لیکن آپ نے اس کے منھ پر قطعاً اس کا اظہار نہیں کیا[2]۔ کشمیر کے صوبے دار بلند خاں نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار روپے بطور نذر بھیجے۔ لانے والے نے خود صرف کر لئے۔ بلند خاں کو اس کا علم ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ صوبہ دار اس کو سزا دے آپ نے لکھ دیا کہ اسی کی قسمت کے تھے، اس سے کچھ نہ کہنا[3]۔

ایک مرتبہ نواب خیر النسار بیگم (ہمشیرہ شاہ عالم) نے کچھ ظروفِ نقرئی، اور بارہ سو روپے آپ کی خدمت میں بھیجے۔ ملازم نے آپ کو اطلاع بھی نہ کی اور اپنے پاس رکھ لئے۔ کچھ مدت کے بعد بیگم کو شبہ ہوا اور ملازم سے رسید طلب کی۔ ملازم سخت حیران اور پریشان ہوا۔ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آپ نے فوراً سید احمد کو حکم دیا کہ جو کچھ سامان یہ شخص بیان کرے وہ لکھ دو۔ اس کے بعد مُہر لگا کر اس کو دے دی[4]۔ اخلاق کی یہ بلندیاں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی تھیں اور اکثر اُن کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔

جب آپ دہلی تشریف لائے تھے تو ایک بڑھیا آپ کی خدمت کرنے لگی تھی۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوئی تو اُس نے اپنے بیٹے میر کلو کو آپ کے سپرد کیا۔ آپ نے بیٹوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ اور

باوجود حرکت جوانانہ گاہے معاتب نشدند، والیوم بکمال اعزاز است[5]

دل جوئی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کی آرزو اور خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے

---

[1] [2] [3] مناقب فخریہ ص ۱۹

[4] شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ)

[5] مناقب فخریہ ص ۲۰

تھے۔ ایک مجذوب کا واقعہ اسرار الکمالیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن کہنے لگا کہ میاں نور محمد صاحب کی دعوت کر رہا ہوں۔ شاہ صاحبؒ نے مسکرا کر پوچھا کہ اِس ضیافت کے لئے کہاں سے آئے گا۔ اس نے فوراً کہا آپ دیں گے۔ یہ سنتے ہی آپ نے لانگری کو حکم دیا کہ ضیافت کے لئے کھانا تیار کرا دیا جائے[1]۔

جس زمانے میں شاہ صاحبؒ دہلی میں مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے، وہ بڑی سیاسی بدامنی اور ہنگامے کا زمانہ تھا۔ بڑے بڑے گھرانے تباہ و برباد ہو رہے تھے۔ امیر غریب ہو گئے تھے۔ خاندانوں کی عزت اور ناموس خاک میں مل رہا تھا۔ شاہ صاحبؒ کو ایسے گھرانوں کا خاص خیال رہتا تھا۔ اور اُن کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ بھیک مانگنے والوں کو زیادہ نہ دیتے تھے بلکہ یہ فرما دیتے تھے کہ اگر میں اُن کو نہ دوں گا تو کوئی دوسرا دیدے گا۔ دینا تو اُن کا ہے جو اپنی عزت اور ناموس کی وجہ سے بھیک نہیں مانگ سکتے اور فاقہ کرتے ہیں[2]۔

مریدوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ہمیں بُرا کہے تو اس سے مکابرہ نہ کرو[3]۔

صحبت کا اثر | شاہ فخر الدین صاحبؒ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی۔ جو اُن کی خانقاہ میں آجاتا، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ پناہ کی تلاش میں خانقاہ آتے اور ولی بن کر وہاں سے نکلتے۔ گردن کشاں تکلیف پہونچانے کی نیت سے آتے اور حلقہ بگوش ہو کر جاتے۔ اُن کا سر پھوڑنے آتے، خود اپنا سر پھوڑتے ہوئے جاتے۔ جس طرف نظر اُٹھ جاتی اپنا کام کر جاتی ـــہ

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۱

[2] فخر الطالبین ص ۴۹

[3] فخر الطالبین ص ۴۵

ایں نگاہی است کہ از سطح فلک درگذرد
پردہ دل چہ بود پردۂ افلاک درد [1]

ایک شخص ایذا پہونچانے کی نیت سے آیا لیکن جب سامنے پہونچا تو از خود رفتہ ہوگیا، اور نعرہ لگانے لگا:

رہزنِ دل ہمیں است۔ [2]	دل کا چور یہی ہے۔

ایک قاتل اپنی جان بچانے کے لئے خانقاہ میں آیا۔ چند ہی روز میں یہ حال ہوگیا کہ

در ہر کہ نظری کرد حالتش متغیر	جس کی طرف نظر کرتا اس کا حال
می شد۔ [3]	متغیر ہو جاتا۔

ایک مرتبہ دس افغانی آپ کو شہید کرنے کی نیت سے قطب صاحبؒ میں جمع ہوئے۔ لیکن جب نگاہیں ملیں تو عالم بدل گیا۔ مناقب فخریہ کے مصنف نے لکھا ہے ؎

نگاہت دشمناں را دوست کردہ
اثر ہا در رگ و در پوست کردہ
گہ آری خلیلے زبت خانہ
کنی آشنائی ز بیگانہ

مناقب کا مصنف جب پہلی بار حاضر ہوا تھا تو ایسا محسوس کرنے لگا تھا:

گویا شرابے بود کہ در جام دل	گویا ایک شراب تھی جو جام دل میں
من ریختند و آتشے بود کہ در سینۂ	ڈال دی یا ایک آگ تھی جو میرے
من انداختند۔ [4]	سینے میں بھر دی۔

---

[1] مناقب فخریہ ص ۲۸
[2] مناقب فخریہ ص ۳۰
[3] مناقب فخریہ ص ۸
[4] مناقب فخریہ ص ۲۶

خاندان ولی اللّٰہی اور شاہ صاحبؒ | شاہ فخر الدینؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے عمر میں ۱۴ برس چھوٹے تھے اور تقریباً ۲۱ سال بعد تک زندہ رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خاندان ولی اللّٰہی سے اُن کے نہایت مخلصانہ اور گہرے تعلقات تھے۔ اس کا کچھ اندازہ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک دن انھوں نے اپنی مجلس میں حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ سے اپنے "ارتباط قدیم" کا (جو پشتوں سے تھا) ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ والد ماجد کے مدرسہ میں بلکہ مسجد و صحن مسجد میں سماع سُنتے تھے۔ جب فرماتے کہ مزامیر بھی سنوں گا تو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خالہ کے مکان کو خالی کرا کے وہاں سماع کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔[1] شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایک بات شاہ فخر الدین صاحبؒ کی کیفیت سماع کے متعلق بڑی اہم فرمائی تھی۔ فرمایا:

مولوی فخر الدین را سوائے تغیر	سوائے تغیر چہرہ اور آنکھوں کے
چہرہ و چشم اثر وجد ظاہر نمی شد۔[2]	مولوی فخر الدین پر وجد کا اثر ظاہر
	نہیں ہوتا تھا۔

اپنے بزرگوں کے تعلقات کے پیش نظر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ فخر صاحبؒ کی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد فرماتے تھے کہ جب شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیزؒ مسند درس پر بیٹھے تو مولانا فخر الدینؒ نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی تھی۔[3] مولانا آزاد کا بیان ہے:

جب پگڑی باندھ چکے تو کان میں کہا تمھارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے۔ تمھارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کردو۔ دھبے سے مقصود شاہ صاحبؒ کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار

---

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ ص ۵۵
[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ ص ۵۸
[3] نقش آزاد، مرتبہ غلام رسول مہر، کتاب منزل، لاہور ص ۳۱۹

تھا۔ اس وقت تک وہابیت وغیرہ کے تلقب تو پیدا نہیں ہوئے تھے، نہ کوئی خاص جماعت اس مسلک کی ملک میں موجود تھی۔ اس لئے عامۂ علماء مختلف طریقوں سے اسے تعبیر کرتے تھے۔ عام طور پر اعتزال کا تلقب اختیار کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ شاہ ولی اللہؒ اعتزال کی طرف میلان رکھتے تھے حالانکہ کجا معتزلہ و اعتزال اور کجا مشرب اصحاب سلف وحدیث... بہر حال شاہ عبدالعزیزؒ سے یہ درخواست کی گئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے پوری کر دی۔ [۱]

یہ خیال کہ شاہ فخر الدینؒ وہابی تحریک سے واقف نہ تھے، صحیح نہیں۔ فخر الطالبین سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نجدی تحریک سے واقف تھے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عبارت قابل غور ہے:

مذکور ابن تیمیہ آمد، فرمودند کہ دریں ایام ایں عزیز [۲] قریب قریب بحرمین اجتہاد شروع کردہ است نسخہ دلائل الخیرات را ہر جا کہ می یابد می سوزد، و چندیں کس ہمراہ جمع اند و اکثرے اعزہ را بقتل رسانیدہ است، از اتباع ابن تیمیہ است و مذہب حنبلی دارد۔ دریں اثنا میاں محمد واصل عرض کردند کہ عبدالواحد واقف اند، حضرت مولانا فرمودند بلے۔ عبدالواحد عرض کردند کہ غلام از احوال او واقف است کہ تمام سکنۂ اہل حرم و عرباں باو در خانہائے خود بادشنام می دہند، امادست ہیچ کس باو نمی رسد، برائے اینکہ قریب بست ہزار کس ہمراہ دارد۔ دریں اثنا شخصے عرض کرد کہ دلائل الخیرات را چرا می سوزد۔ فرمودند کہ درودے کہ در حدیث شریف آمدہ است ہمو نرا بخوانند بطرف چیزہائے دیگر رجوع نکنند و بمذہب حنفی تعصب می کند، بطرف حدیث بسیار رجوع دارد، مردم بسیار رفیق شدہ اند، و علم ہم دارد، از عہدۂ او کسے بر نمی تواند آمد [۱]

ابن تیمیہ کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ اس زمانے میں [؟ ان کے ایک متبع نے] حرمین میں قریب قریب ویسا ہی اجتہاد شروع کیا ہے۔ دلائل الخیرات کا نسخہ جہاں مل جاتا ہے اس کو جلا دیتا ہے۔ بہت لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے بہت سے اعزہ کو قتل کر دیا ہے۔ وہ ابن تیمیہ کا متبع ہے اور اس کا مذہب حنبلی ہے۔ اس اثنا میں میاں محمد واصل نے عرض کیا کہ کیا عبدالواحد اس سے واقف ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ ہاں۔ عبدالواحد نے عرض کیا کہ غلام اس کے حالات سے واقف ہے۔ تمام حرم کے ساکنین اور عرب اس کو اپنے گھروں پر گالیاں دیتے ہیں۔ لیکن کسی کا ہاتھ اس تک نہیں پہونچتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ تقریباً بیس ہزار آدمی ہیں۔ اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا۔ دلائل الخیرات کو کیوں جلاتا ہے۔ فرمایا: (کہتا ہے) کہ جو درود حدیث میں آیا ہے اسی کو پڑھیں، کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کریں۔ اس کو حنفی مذہب سے تعصب ہے۔ حدیث کی طرف بہت رجحان ہے۔ بہت سے لوگ

---

[۱] نقش آزاد ص ۳۱۹

[۲] یہاں کچھ عبارت غالباً چھوٹ گئی ہے۔

غالباً ہندوستان میں محمد بن عبدالوہاب کا یہ سب سے قدیم معاصر تذکرہ ہے جو بغیر نام لئے شاہ فخر صاحبؒ نے اپنی مجلس میں فرمایا۔ محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں اور وفات ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۷ء میں ہوئی۔ یہ زمانہ دہلی میں شاہ فخر صاحبؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا تھا۔

---

[۱] فخر الطالبین ص ۷۶-۷۵

اس کے ساتھ ہو گئے ہیں، اس
کے پاس علم بھی ہے اس سے نمٹنے
کی کسی میں طاقت نہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عقیدت اور تعلق خاطر کا اندازہ اس مقدمہ سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے شیخ مصدق الدین کی جمع کردہ تفسیر عزیزیہ پر لکھا ہے۔ شیخ مصدق الدین، شاہ فخر صاحبؒ کے مرید تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس تفسیر میں شریک ہوتے تھے اور جو کچھ سنتے تھے "لفظ بلفظ" لکھ لیتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جب اس مجموعہ کو ملاحظہ فرمایا تو ایک مقدمہ لکھا۔ اس میں شیخ مصدق الدین کی شاہ فخر صاحبؒ سے نسبتِ ارادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

> برادر دینی، جوہر...... حق گزینی، سالک راہِ خدا جوئی، ملازم طریقہ صدق گوئی مقبول جناب مولانا عالی جناب خلائق مآب دبالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس اللہ سرہٗ الامجد۔[1]

شاہ فخر صاحبؒ کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور اُن کے بھائیوں سے بڑا تعلق تھا اکثر مشکلات میں اُن کی مدد فرماتے تھے۔ دہلی میں جب شیعوں کا اقتدار بڑھا اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ بھی مصائب میں گرفتار ہوئے تو شاہ فخر صاحبؒ نے اُن کی مدد فرمائی اور اُن کو اپنی حویلی میں رکھا۔ لکھا ہے:

فرزندان شاہ ولی اللہ مغفور را	شاہ ولی اللہ مغفور کے بیٹوں کو
درآنچہ متصدیان سلطانی از	جنہیں اس زمانہ میں متصدیانِ
حویلی علیحدہ ساختہ و حویلی را بہ	سلطانی نے مکان سے نکال دیا تھا
ضبط آوردہ بودند آں حضرت	اور حویلی کو ضبط کر لیا تھا، شاہ فخر
بہ حویلی مبارک جا دادند و غم خواری	صاحبؒ نے اپنی حویلی مبارک میں

[1] قلمی نسخہ (ذخیرہ شاہ سلیمان) ص ۲، اس نسخہ کی کتابت ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء میں ہوئی۔

فرمودند و حویلی مذکور را از جناب	جگہ دی۔ اُن کی غم خواری کی اور اُن
سلطانی بہ ایشاں دہانیدند و	کا مکان بادشاہ سے اُن کو واپس
باعزاز و اکرام درآں جا رسانیدند	دلا دیا اور ان کو عزت اور احترام
[1]	کے ساتھ وہاں پہونچایا:

مناقب فخریہ کے اس بیان پر شک و شبہ کا اظہار کرنا بے معنی ہوگا۔ مناقب کے سب نسخوں (مطبوعہ اور قلمی) میں یہ عبارت ملتی ہے۔ نجف خاں (المتوفی ۱۹ اپریل ۱۷۸۲ء) کے زمانہ میں ایسی صورت حال کا پیدا ہو جانا تعجب خیز نہیں ہے۔

اتباع شریعت و سنت کی تلقین | جس وقت شاہ فخرالدین صاحبؒ نے مسند ارشاد بچھائی تھی، بڑے بڑے بزرگ دہلی میں موجود تھے، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا بیان ہے:

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست	محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بائیس
و دو بزرگ صاحب ارشاد از	بزرگ صاحب ارشاد و مختلف سلسلوں سے
ہر خانوادہ در دہلی بودند [2]	تعلق رکھنے والے دہلی میں موجود تھے۔

لیکن کثیر تعداد ایسے صوفیوں کی تھی، جو شریعت اور سنت سے نابلد تھے اور نہ صرف خود فریب نفس میں مبتلا تھے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے وصیت نامہ میں ایسے دھوکہ بازوں سے بچنے کی ہدایت کی تھی فخر الطالبین کا مصنف سید نورالدین فخری جو شاہ فخرالدین صاحبؒ کا مرید ہے، لکھتا ہے:

> بہر اہل اللہ ہر کس را کہ نصیب دست دہد قول و فعل او را قال اللہ وقال الرسول انگارد۔[3]

[1] مناقب فخریہ ص ۱۶

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۶ [3] فخر الطالبین ص ۱

یہ بات نور الدین نے اس وقت لکھی ہے جب اس نے اپنے مرشد کو اس معیار پر پورا پایا ہے۔

مناقب فخریہ میں لکھا ہے:

درامور جزوی و کلی اتباع سنت	چھوٹی اور بڑی ہر بات میں خود
نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام وبہ	اتباع سنت نبوی کرتے اور لوگوں
بندگان نیز دریں امر تاکید اکید[1]	کو بھی اس امر کی بڑی تاکید کرتے ہیں

آپ کی وضع قطع، اعمال و عادات کے متعلق سید نور الدین کا بیان ہے:

وضع و عمل ایشاں مطابق و تابع	ان کی وضع اور عمل حدیث نبوی کے
حدیث نبوی است صلی اللہ علیہ	مطابق اور تابع ہے۔
وآلہ وسلم۔[2]	

تقریر کرتے تو ہمیشہ شریعت کے مطابق۔[3]

مسئلہ وحدت وجود پر شاہ صاحبؒ پورا یقین رکھتے تھے، لیکن اس کے متعلق بحث و مباحثہ اس لئے ناپسند تھا کہ اس سے شریعت کے خلاف شدید غلط فہمیاں پیدا ہو جانے کا احتمال تھا۔[4]

اگر کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو بغیر سند کبھی جواب نہ دیتے۔[5] نماز جماعت سے ادا کرتے اور اسی کی تلقین فرماتے تھے۔[6]

---

[1] مناقب فخریہ ص ۲۰؛ نیز شجرۃ الانوار (قلمی)

[2] فخر الطالبین ص ۶۹

[3] فخر الطالبین ص ۲

[4] مناقب فخریہ ص ۲۲

[5] فخر الطالبین ص ۷

[6] فخر الطالبین ص ۱۳

معمولی معمولی باتوں میں اتباع سنت کا خیال رہتا تھا۔ برتن "مکان ضرور" اور وضو کے لئے علیحدہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مریدین کو اس کی تلقین فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ حضور سرور کائناتؐ کی یہ سنت ہے۔ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[1] ایک مرتبہ کھانے کے لئے بیٹھے تو فرمانے لگے: "میں جس طرح بیٹھا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔"[2] پھر لوگوں کو مسواک کی ہدایت فرمائی کہ اس پر حدیث شریف میں بہت اصرار کیا گیا ہے کہ جو شخص خواب سے بیدار ہو اس کو مسواک کرنی چاہئے۔[3] ایک مرتبہ خوشبو کی تلقین فرماتے ہوئے نہایت محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: "حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی۔"

ملفوظات و حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو ہمیشہ اتباع سنت و شریعت کی ترغیب دیتے تھے۔ اور طرح طرح سے اس کے فوائد بیان فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنا قصہ بیان کرنے لگے کہ جنگ کے دوران بارود کے اثر سے آنکھوں کو نقصان پہونچ گیا تھا اور ڈر تھا کہ بصارت بہت کم ہو جائے گی لیکن سرمہ کے استعمال سے بصارت میں زیادہ کمی نہیں ہوئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہ متابعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔

وفات سے کچھ پہلے کا ذکر ہے کہ ریش مبارک بڑھ گئی تھی۔ ملول ہو کر فرمانے لگے:

ایں ترک سنت از ما شد[4]

سکھ اور شاہ صاحبؒ شاہ فخر الدین صاحبؒ کے زمانے میں سکھوں کی وجہ سے دہلی کا ہر خاندان ہراساں اور پریشان تھا۔ بڑے بڑے خاندانوں کی عزت خطرے میں تھی۔ شاہ فخر صاحبؒ نے قتل و غارت گری کے یہ سب نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ خود جب وہ دہلی سے غیاث گڈھ گئے تھے، تو سکھوں سے

---

[1]،[2]،[3] فخر الطالبین ص ۵۲

[4] شجرۃ الانوار (قلمی)

حفاظت کے لئے راستے میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔[1] سکھوں کی غارت گری سے ان کو سخت صدمہ تھا۔ انسانی خون کی ارزانی دیکھ کر وہ خون کے آنسو روتے تھے۔ مسلمانوں کو ہراساں اور پریشان دیکھ کر اُن کا دل تڑپنے لگتا تھا۔ اُن کو بادشاہ کی حالت پر غصہ آتا تھا کہ وہ ان فتنوں کے انسداد سے کیوں غافل ہے۔ آخر کو نہ رہا گیا۔ اور ایک دن دربار میں بادشاہ سے کہہ اٹھے:

بر تنبیہ آنہا (فرقہ سکھاں) باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در ضمن آں است۔[2]

بادشاہ کو ہدایت | چاروں طرف زوال وانحطاط، کشمکش وکشیدگی، ابتری و بربادی دیکھ کر شاہ صاحبؒ مجبور ہو گئے کہ بادشاہ کو سمجھائیں کہ امراء کی خانہ جنگی کے باعث ملک ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اُسے انتظامی معاملات کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ چنانچہ ایک بار فرمایا:

سلطان عصر تا بذات خود پیرو ملک ستانی وملک داری متوجہ نشود، واختیار محنت ومشقت نکند بندوبست بہیچ وجہ صورت نمی گیرد۔	سلطان وقت جب تک کہ بذات خود امور مملکت کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور محنت ومشقت اختیار نہ کرے گا، حالات کبھی ٹھیک نہ ہو سکیں گے۔

حکومت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے اس طرح بادشاہ کو آگاہ کرتے ہیں:

اگر امیرے را با مور مختار و نائب سلطنت نماید، امرائے دیگر	اگر کسی امیر کو اختیار کلی دے کر نائب سلطنت بنا دیا جاتا ہے تو

ـــــــــــــــ

[1] شجرۃ الانوار (قلمی)

[2] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۳۶ نیز مطبوعہ ص ۱۸، وتکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۷

ناخوش می شوند و سر بہ طاعت او نمی نہند، و منجر بہ بے مزگی با سلطان می گردد و رعب سلطان بر ہر کہ و مہ نمی ماند۔ و فوج بادشاہی کہ محتاج بہ آں امیر شد او را نمی شناسد و سررشتہ تعلق شاں از سلطان منقطع می گردد و در دماغ آں امیر ہوائے انا ولا غیری می پیچد وگاہ باشد کہ بر سر بغی می آرد، و در سلف اکثر ہم چنیں شدہ است۔[1]	دوسرے امراء اس سے ناخوش ہو جاتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ اور سلطان کے لئے زحمت کا باعث بن جاتے ہیں اور سلطان کا رعب ہر چھوٹے بڑے پر نہیں رہتا۔ اور جو فوج اس امیر کے ماتحت ہوتی ہے بادشاہ کو نہیں پہچانتی اور اس کا تعلق بادشاہ سے منقطع ہو جاتا ہے اور اس امیر کے دماغ میں غرور اور ہوس پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بغاوت کر دیتا ہے۔ پچھلے زمانہ میں اکثر ایسا ہوا ہے

جس سیاسی بصیرت کے ساتھ شاہ صاحبؒ نے بادشاہ کو خطرات سے آگاہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی پیچیدگیوں اور زوال کے اصلی اسباب کو سمجھ چکے تھے۔ ایک جگہ پھر بادشاہ کو ہدایت فرماتے ہیں:

پس اول مقدم ایں است کہ آں صاحب بذات خود مستعد محنت کشی وملک گیری شوند۔[2]	پس سب سے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ آں صاحب بذات خود حکومت کرنے اور محنت برداشت کرنے کا تہیہ کر لیں

ـــــــــــــــ

[1] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۳۵-۳۶؛ مطبوعہ ص ۱۸، وتکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۶-۱۱۷

[2] مناقب فخریہ ص ۱۸، وتکملہ سیر الاولیاء ص ۱۱۶-۱۱۷

رشد و ہدایت، اصلاح و تربیت کی جو آواز شاہ صاحبؒ نے بلند کی تھی وہ جمونپڑوں سے لے کر محلات تک گونجی۔ اس کے اثرات کیا ہوئے؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ جہاں 'ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ' کی صدائیں سُنائی دیتی ہوں وہاں اس کے اثرات تلاش کرنا بے سود ہے لیکن شاہ صاحبؒ کی بے باکی اور جرأت کا اعتراف ہر شخص کو کرنا پڑے گا۔ انھوں نے کلمۂ حق بلند کرکے اپنا فرض ادا کر دیا۔

شیعہ اور شاہ صاحبؒ اس زمانے میں شیعوں کا سیاسی اقتدار ہندوستان میں عروج پر تھا۔ سنی علما سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ اُن کے لئے پُرامن زندگی ناممکن ہو گئی تھی۔

شاہ فخرالدین صاحبؒ گو ان ہنگاموں سے بہت دور تھے اور شیعوں کو مرید بھی کر لیتے تھے۔ اور بقول شاہ عبدالعزیزؒ وہ شیعوں میں شیعہ اور سنیوں میں سنی مشہور تھے[1] لیکن وہ بھی سازشوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ مصنف مناقب فخریہ نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں دشمنوں نے مرزا مظہر جان جاناںؒ کو شہید کیا تھا، میں ایک بڑے درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا کہ ایک ایرانی کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ایک بڑے سنی عالم کو تو میں قتل کر چکا ہوں لیکن ابھی جو سب سے بڑا سنی عالم ہے وہ باقی ہے۔ جلد ہی میں اس کا کام بھی تمام کر دیتا مگر کیا کروں اس کے گرد تو مریدوں کا ایک جمگھٹا رہتا ہے۔ میں اُسے کبھی تنہا نہیں پاتا۔ شاہ صاحبؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ "حق تعالےٰ حافظ و ناصر است۔"[2]

---

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ ص ۵۰

[2] مناقب فخریہ ص ۲۸

شجرۃ الانوار میں اس واقعہ کی تفصیلات درج ہیں۔ لکھا ہے کہ جب کچھ لوگ شاہ فخر صاحبؒ کو تکلیف پہونچانے کی نیت سے بیرون اجمیری دروازہ جمع ہوئے تو آپ کے معتقدین میں تشویش پیدا ہوئی۔ میر کلو اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مسلح ہو کر (باقی اگلے صفحہ پر)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس شدید مخالفت کے شاہ فخر صاحبؒ حالات سے ناامید نہ تھے۔ اور شیعوں میں بھی اپنا کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے شاہ فخر صاحبؒ سے کہ "بسیار محبت و بے تکلفی بود" اس کی وجہ پوچھی۔ فرمایا:

"ازیں جہت از سب و تبرا باز می آیند"[1]	اس طرح وہ تبرے سے باز آجاتے ہیں۔

ملفوظات شاہ فخرالدینؒ میں بعض ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے جو شیعہ تھے لیکن اُن کی صحبت میں رہ کر سُنی ہو گئے تھے۔ ایک شخص کے متعلق لکھا ہے۔

پیش از ملاقات حضرت مولانا مذہب شیعہ داشت بغلظت تمام اکنون بفضل الہٰی تابع سنت است۔[2]

اپنے ایک خط میں اخفا کی ہدایت کرتے ہوئے نہایت دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں:

——— (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ———

مدرسہ میں آبیٹھے۔ شاہ صاحبؒ نے دریافت احوال کیا اور اس حرکت پر اپنی ناپسندیدگی اور ناخوشی کا اظہار کیا۔ صاحب شجرۃ الانوار کے بیان کے مطابق یہ واقعات نجف خاں کے عہد میں پیش آئے تھے۔ لکھا ہے: "بعد ازاں عنقریب نجف خاں برحمت حق پیوست و دیگر رفقائے ظالم از ظلم او تباہ شدند کہ یکے از آنہا نماند" لیکن آگے چل کر شاہ صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ جب نجف خاں کا جنازہ مدرسہ کے قریب سے گذرا تو وہ دوپٹہ سر پر ڈال کر بیرون مدرسہ آکر کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "آنحضرت را فرقۂ خارجیان و رافضان نفرتے کمال بود اما نجف خاں را می فرمود کہ مرد شیعہ است و سید برحق است" حقیقتاً شاہ صاحب تمام انتہا پسند فرقوں سے بددل تھے۔ اور فکر و نظر کے اعتدال اور صلح پسندی پر اُن کا اصرار تھا۔

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۲۹-۵۰ [2] فخر الطالبین ص ۶۰

گو یندکہ درمذہب شیعہ تقیہ	کہتے ہیں کہ تقیہ شیعہ مذہب میں
رواست ۔ من گو ئم کہ فقیر را	روا ہے ۔ میں کہتا ہوں فقیر کے
لازم است ۔ [1]	لئے تو یہ لازم ہے ۔

امرا و سلاطین سے تعلقات چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ اُمراء وسلاطین کی صحبت سے حتی المقدور بچا جائے ۔ شاہ فخرالدین صاحبؒ اس سلسلے میں اپنے بزرگوں کی روش پر سختی سے عمل کرتے تھے ۔ فخرالطالبین میں لکھا ہے :

از اغنیا ر ملاقات بکمال استغنا دارند [2]

مناقب فخریہ کا بیان ہے :

ہر چند حضرت ظل سبحانی و امرائے	ہر چند حضرت ظل سبحانی اور اُن امراء
مرید و معتقد تمنائے قبول دیہات	نے جو آپ کے مرید و معتقد تھے ، دیہات
نمودند ، قبول نہ فرمودند وارشاد	قبول کرنے کی درخواست کی لیکن
کردند کہ اگر خواہند کہ ما دریں	قبول نہ کی بلکہ فرمایا کہ اگر یہ چاہتے
شہر باشیم ، بار دیگر ایں حرف	ہیں کہ ہم اسی شہر میں رہیں تو اس
تمنائے درمیان نیاید ۔ [3]	طرح کی بات پھر (زبان) پر نہ آئے ۔

ایک دن بادشاہ نے خود حاضر ہو کر قلعہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی ۔ آپ چلے گئے ۔ وہاں مجبوراً آپ کو کھانا بھی کھانا پڑا ۔ جب واپس آئے تو اس خیال سے کہ مبادا اس سے کبر نفس پیدا ہو جائے فوراً فقراء اور درویشوں کے مکانات پر تشریف لے گئے ، اور اُن کے ساتھ کھانا کھایا ۔ [4]

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۵۲

[2] فخرالطالبین ص ۴

[3] [4] مناقب فخریہ ص ۱۷

سر سید نے لکھا ہے " جتنے امراء ذوالاقتدار اور سلطانِ عہد تھے ۔ آپ کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ ہی کی خاکِ در کو وسیلۂ آبرو اور آپ ہی کے غبارِ آستاں کو تاج عزت و اعتبار سمجھتے تھے " [1] ۔ شاہ عالم بادشاہ کو آپ سے بے حد عقیدت تھی [2] ۔ وہ آپ سے ملاقات کے لئے آیا کرتا تھا [3] عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ شاہ صاحبؒ نے چند تبرکات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے غیاث گڈھ [4] جانا چاہا تو بادشاہ نے نہ جانے دیا ۔ ایک مرتبہ چلے گئے ۔ جب واپسی کی خبر ملی تو شاہ عالم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے :

چوں حضرت ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ خبر فرحت اثر آمدن حضرت مولانا صاحب شنیدند کمال سرور بخاطر گذرانید [5]

بادشاہ گل و شیرینی اُن کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا [6] ۔ شاہی خاندان کو بھی آپ سے بے حد عقیدت و ارادت تھی ۔ شاہ عالم کی بہن خیرالنساء بیگم آپ کی مرید تھیں [7] نواب زینت محل ، والدہ شاہ عالم نے آپ کی خدمت میں ایک رقعہ نذر گذرائی تھی [8]

---

[1] آثار الصنادید ص ۳۲

[2] شجرۃ الانوار (قلمی)

[3] مناقب فخریہ ص ۱۷

[4] ان تبرکات کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو : السنۃ الجلیلہ فی الچشتیۃ العلیہ ازمولانا اشرف علی تھانویؒ ص ۹۵ - ۹۸ - اس کتاب میں " واقعات جلال خانی " مصنفہ محمد علی خاں سے اس جبہ کے متعلق تفصیلی معلومات درج کی گئی ہیں ۔

[5] شجرۃ الانوار (قلمی)

[6] فخرالطالبین ص ۱۰۹ - و شجرۃ الانوار

[7] شجرۃ الانوار (قلمی) [8] فخرالطالبین ص ۱۰۵

حقیقت یہ ہے کہ شاہ فخر صاحبؒ ہی کے زیر اثر شاہانِ مغلیہ کو چشتیہ سلسلہ سے تعلق پیدا ہوا۔ اکبر کو چھوڑ کر جس کو شیخ سلیم چشتیؒ سے عقیدت تھی بیشتر مغل حکمراں نقشبندیہ سلسلہ سے عقیدت وارادت کا رشتہ رکھتے تھے۔ شاہ فخر صاحبؒ کے زمانہ سے مغل بادشاہوں اور امرار کو چشتیہ سلسلہ سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ فوج کے بہت سے سردار آپ کے مرید ومعتقد تھے۔ لکھا ہے:

سردارانِ مغلیہ و ہندوستانی کہ ہمہ مریدانِ ومخلصان اند۔[1]

کشمیر تک سے صوبہ دار آپ کی خدمت میں نذر بھیجتے تھے۔[2] لیکن آپ میں استغنا اس قدر تھا کہ کبھی اس طرف توجہ بھی نہ فرماتے تھے۔ مجد الدولہ بہادر نے تین دن تک آپ کے لئے دعوت کا کھانا بھیجا۔ چوتھے دن حکم پہونچ گیا کہ دعوت صرف تین دن تک ہو سکتی ہے اور پھر کھانا قبول نہ کیا۔[3] نواب ضابطہ خاں جو مشہور سرداروں میں سے تھا۔ آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ لکھا ہے:

او در حسن اعتقاد مردے بود و بے نظیر در سعادت ازلی یکتائے روزگار بود[4]

جب آپ غیاث گڈھ تشریف لے گئے تو اس نے نہایت عقیدت اور گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور کئی دیہات نذر کرنے چاہے۔ لیکن قبول نہ ہوئے۔ اس نے اصرار کیا کہ مدرسہ کے درویشوں کے مصارف کے لئے قبول فرمالیں۔ قدموں میں گر گیا۔ آپ نے پھر بھی قبول نہ کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ اُن کی آمدنی حضرت خواجہ

---

۱ مناقب فخریہ ص ۲۰

۲ مناقب فخریہ ص ۱۹

۳ مناقب فخریہ ص ۲۱؛ مجد الدولہ کے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے بھی تعلقات تھے دیکھئے، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۲۳۱-۲۳۵

۴ مناقب فخریہ ص ۱۷؛ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے "نواب ضابطہ خاں کہ یکے از مریدان راسخ الاعتقاد حضرت مرشد ما بود"۔

اجمیریؒ اور سلطان المشائخؒ کی درگاہوں اور خادموں کے مصارف میں خرچ کی جائے۔ نیز شاہ جہاں آباد کے بعض مشائخ کو اس میں سے دے دیا جائے۔[1] شجرۃ الانوار کا مصنف لکھتا ہے:

"سبحان اللہ زہے استغنا کہ در مزاج مبارک بود، یک حبہ برائے خود و یاران خود معین نفرمود"۔[2]

ایک مرتبہ کسی نے بادشاہ کو ضابطہ خاں کی جانب سے بدظن کر دیا۔ شاہ فخر صاحبؒ نے بادشاہ کی ناراضگی کو دور کرایا۔[3]

بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحبؒ | بہادر شاہ نے اپنے دیوان میں جگہ جگہ حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ایک شعر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سے بیعت بھی تھا۔

کیوں نہ تو سر بفلک کھینچے کہ فخر الدین نے
دی ہے دستار ترے سر پہ ظفر کھینچ کے باندھ

ظفر نے حضرت شاہ صاحبؒ کو بچپن ہی میں دیکھا ہوگا، اس لئے کہ شاہ صاحبؒ کا وصال ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء میں ہوا تھا اور ظفر کی ولادت ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء میں ہوئی تھی۔ لیکن عقیدت کا یہ عالم ہے کہ بار بار اشعار میں اس کا اظہار کرتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

اے ظفر کیا بتاؤں تجھ سے کہ جو کچھ ہوں سو ہوں
لیکن اپنے فخر دیں کے کفش برداروں میں ہوں

---

۱ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ عرس خواجہ معین الدینؒ میں شامیانہ زرین و سبز، و چراغاں و دیگر سامان بھیجا کرتا تھا۔ چراغ دہلیؒ، قطب صاحبؒ کے عرسوں کے بیشتر مصارف خود کرتا تھا۔ شہر کے بڑے بڑے لوگوں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحبزادوں کی امداد کرتا تھا۔ ص ۱۷

۲ مناقب فخریہ؛ شجرۃ الانوار (قلمی)

جو ہاتھ آئے ظفر خاکِ پائے فخر الدین
تو میں رکھوں اُسے آنکھوں کی توتیا کر کے

کوچۂ فخرِ جہاں کی اے ظفر
خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

سچ تو ظفر یوں ہے کہ جز فخرِ دیں
اور نہیں کوئی سہارا مجھے

جو سمجھے کفش پائے فخرِ دیں کو تاجِ سر اپنا
پسند اس کو ظفر کب افسرِ شاہانہ آتا ہے

ظفر رکھتے نہیں مطلب جہاں کے نکتہ دانوں سے
ہمیں فخرِ جہاں کا ایک نکتہ سو برابر ہے

جس کو حضرتؐ نے کہا الفقر فخری اے ظفر
فخرِ دیں، فخرِ جہاں، پر وہ فقیری ختم ہے

ظفر دشوار ہے ہر چند اہلِ معرفت ہونا
مگر صدقہ سے فخر الدین کے ہو سکتا تو سب کچھ ہے

کیا خطر اس کو راہِ دیں میں ظفر
رہنما جس کا فخرِ دیں ہو جائے

اے فخرِ جہاں، فخرِ زماں، فخرِ دو عالم
ہے لطف ترا حق میں دلِ ریش کے مرہم

ہر تارِ نفس میں ہو اگر سو گرہِ غم
وا ناخنِ تائید سے ہو وے تمہارے یکدم

ایک اشارے نال تساڈیں کھلدے عقدے ہزار ے
ڈھِل نہ کر اے محبِ سلطان نظام کے پیارے

مرشدِ پاک رہنمائے فخر الدین
قبلہ و کعبۂ جہاں فخر الدین
ایک جہاں فخرِ جہاں کہتا ہے
ہے فخرِ جہاں فخر الدین
میں کہ بھولا ہوں تیرے دروازے کا
جاؤں اب اور کہاں فخر الدین
موجزن ہے تیرا دریائے کرم
اور کراں تا کراں فخر الدین
ہے مدد تیری توانائی بخش
میں ہوں بے تاب و تواں فخر الدین
کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر
میرا سب رازِ نہاں فخر الدین
رکھ ظفر ہر نفس و ہر ساعت
شغلِ دل وردِ زباں فخر الدین

ظفر اپنی شاعری کو حضرت شاہ فخر صاحبؒ کی "عنایت" سمجھتا تھا۔ ایک جگہ کہتا ہے:

کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوشِ محبت میں
اے فخرِ جہاں سب وہ تیری ہی عنایت ہے

سوسائٹی کی اصلاح کی کوششیں شاہ فخر الدین صاحبؒ نے جس وقت

ارشاد و تلقین کا کام شروع کیا تھا، مسلمانانِ ہند تنزل اور انحطاط کی آخری حد پر پہونچ چکے تھے۔ مذہب کی روح ختم ہو چکی تھی۔ توہم پرستی میں ہر شخص گرفتار تھا۔ اعمال، تعویذ گنڈوں میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا اور اس نے عمل کی طاقت کو سلب کر لیا تھا۔ زندگی جمودِ مرگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مذہب سے ناواقفیت عام ہے، قرآن عربی میں تھا۔ اس لئے اس کا سمجھنا مشکل تھا۔ کتاب اللہ محض تبرک بن کر رہ گئی تھی مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ سورہ یٰسین کا فائدہ اور مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کے پڑھنے سے دم آسانی سے نکل جاتا ہے[1] یہ مذہب کی روح مُردہ ہو جانے کی آخری اور حسرت ناک حد تھی۔ ان ہی حالات کے پیشِ نظر شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کیا تاکہ ہر خاص و عام اس سے استفادہ کر سکے اور کتاب اللہ جو ہدایت کے لئے بھیجی گئی ہے صرف تبرک بن کر نہ رہ جائے۔[2]

شاہ فخر صاحب عوام کی اس ذہنیت کو دیکھ رہے تھے۔ انھیں اس کا احساس تھا کہ مسلمان کس طرح تعلیماتِ اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ چند رسوم کی پابندی کو وہ اسلام سمجھے بیٹھے ہیں۔ صحیح تعلیم اُن تک نہیں پہونچ رہی۔ چنانچہ انھوں نے جمعہ کے خطبہ کو اردو میں پڑھنے کا مشورہ دیا:

پس اگر خطبہ بہ لفظ ہندی این
مملکت خوانده شود برآنچہ

اگر ہندوستان میں خطبہ ہندی ان
میں پڑھا جائے تو اس کا اصلی

---

[1] اقبال رح نے لکھا ہے ؎

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمتِ قرآن نگیری
بآیاتش ترا کارے جز این نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

[2] فتح الرحمٰن کے دیباچہ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"نصیحت و نیک خواہی مسلماناں در ہر زمان و در ہر مکان رنگے دیگر دارد و اقتضائے دیگرے نماید!

کہ موضوع است حاصل می شود
الابرائے سائر الناس فائده
ندارد کہ از زبان عربی واقف
نیستند۔[1]

مقصد حاصل ہو جائے۔ ورنہ عوام
کے لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔
اس لئے کہ وہ تو عربی زبان سے
واقفیت نہیں رکھتے۔

یہ سب باتیں اس لئے تھیں کہ عوام مذہب کی حقیقت و ماہیت کو سمجھ سکیں۔

شاہ فخر الدین صاحب رح کے زمانے میں تعویذ گنڈوں کا بہت زور تھا۔ دنیا دار صوفیوں نے اس کو اپنی روزی کا ذریعہ بنا لیا تھا، اور اس طرح مسلمانوں کے قوائے عمل کو شل کر رہے تھے۔ شاہ فخر الدین صاحب رح نے جب اس کے بُرے اثرات دیکھے تو لوگوں کو اعمال و وظائف بتانے سے گریز کرنے لگے۔ لکھا ہے:

"آں حضرت را از خواستن اعمال نفرت کلی است"

جس کسی کو کچھ بتانا ہوتا تو خود مناسب موقع پر بتا دیتے، لیکن عام طور پر اعمال بتانے سے پرہیز کرتے۔ اگر کسی کو عمل بتانا پڑتا تو حدیث شریف سے بتلاتے۔ لکھا ہے:

"اکثرے اعمال حضرت مولانا از حافظ جیو سند دارند و صحت حدیث شریف نیز"

یہ حافظ جیو کون تھے، اُن کے متعلق بھی سُن لیجئے:

"حافظ جیو شاگرد شیخ محمد طاہر خلف الرشید شیخ ابراہیم کردی بودند وجامع فن حدیث"[2]

آپ کی تلقین تھی کہ ہر شخص کو تابع رضائے خداوندی ہونا چاہئے۔[3] سید نور الدین

---

[1] فخر الطالبین ص ۲۳

[2] حافظ جیو چند سال تک اورنگ آباد میں شاہ صاحب رح کے مکان پر مقیم رہے تھے۔
فخر الطالبین ص ۶۶

[3] فخر الطالبین ص ۶۶

فخری نے آپ سے عمل پوچھا۔ فرمایا۔ میں پہلے ہی لوگوں کو عمل کم بتاتا تھا۔ فلاں شخص کو عمل بتانے کے بعد میں کسی کو نہیں بتاتا۔ اس نے عمل کا بے جا استعمال کیا۔ پھر فرمایا:

عمل شخصے را باید گفت اگر کسے بسیار تصدیع دہد بلکہ بے حرمت کند تاہم از عمل در مقابلت نیاید و بر خدا بگذارد۔"[1]

شاہ صاحبؒ نے اس سلسلے میں بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ اور عوام کے خیالات کی اصلاح کی بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحبؒ کے مرید ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کا ہر کام اُن کی مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔ آپ نے تنبیہ کی:

"در کارخانہ خدائے مداخلت نہ کنیم۔ حق سبحانہ تعالیٰ ہر چہ خواستہ باشد بکند۔"[2]

اس زمانے میں کچھ لوگ مختلف طریقوں اور سلسلوں پر بیک وقت چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح سے ہر سلسلہ کے روحانی نظام کی مرکزیت اور افادیت کم ہوتی جا رہی تھی۔ آپ نے ان حالات کو دیکھ کر پھر ایک بار "یک در گیر و محکم گیر" کی آواز بلند کی۔ اور فرمایا:

"کمال مرد ہمیں است کہ در یک مذہب یا در یک طریق یا در یک روش در چیزے کہ بیاید داد و ابدہد و شے دوم را در آں مخلوط نکند۔"[3]

نماز کی آپ کو خاص فکر رہتی تھی۔ "الصلوٰۃ عماد الدین" پر ایمان تھا۔ مریدوں سے نماز کے متعلق پوچھتے تھے، اور بچوں کو نماز سکھانے کی تاکید فرماتے تھے۔[4]

---

[1] فخر الطالبین ص ۶۶

[2] فخر الطالبین ص ۶۰-۵۹

[3] فخر الطالبین ص ۶

[4] فخر الطالبین ص ۳

ایک مرتبہ سلطان المشائخؒ کے عرس کے موقع پر صوفی یار محمد اور دو ایک اور مرید طوائفوں کا ناچ دیکھنے لگے۔ اتفاقاً آپ کا بھی اس طرف گذر ہو گیا۔ آپ کے غصہ کی حد نہ رہی۔ اور:

وانگشتان دست مبارک خود را	اپنے دست مبارک کی انگلیاں اُن
در گریبان آنہا انداختہ طرف خود	کے گریبانوں میں ڈال کر اُن کو
کشیدند و فرمودند کہ "بزرگان ما	کھینچا۔ اور فرمایا کہ ہمارے بزرگوں
بسیار خونِ جگر خوردہ سماع قوالاں	نے بڑا خونِ جگر پی کر قوالوں کے
را بدرجہ اباحت رسانیدہ اند	سماع کو درجۂ اباحت تک پہنچایا
شما رقص عورتاں می بینید و سماع	ہے اور تم ہو کہ عورتوں کا رقص دیکھتے
ایشاں می شنوید"[1]	ہو اور اُن کا گانا سنتے ہو۔

نظامی سلسلہ اور تبلیغی مساعی

حضرت شاہ صاحبؒ ہر شخص کو جو مرید ہونا چاہتا تھا، اپنے سلسلے میں داخل کر لیتے تھے۔[2] لیکن خلافت کے معاملے میں سختی برتتے تھے۔[3] ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء میں آپ نے بیعت کرنے کی عام اجازت دے دی۔ لیکن بشرط اتباع سنت و عمل بر کتاب۔[4]

تبلیغ کے سلسلے میں آپ کا وہی مسلک تھا، جو حضرت شاہ کلیم اللہؒ اور دیگر بزرگان چشت کا تھا کہ ہندوؤں کو ذکر بتاؤ۔ اس انتظار میں نہ رہو کہ وہ پہلے مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔ فرمایا کرتے تھے:

ما را چناں معلوم است کہ از تعلیم نام خدائے عز و جل کوتاہی نباید کرد و دریں ایں نباید شد کہ اول مسلم شود من بعد چیزے شغل کنند۔ نام خدا را

---

[1] شجرۃ الانوار (قلمی)

[2] فخر الطالبین ص ۳۰

[3] فخر الطالبین ص ۳۲

[4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۱

اثرہا است خود بخود بطرف خدا خواہد کشید"۔[1]

اس زمانے میں بہت سے ہندو خاموش طریقے سے مسلمان ہوئے تھے۔ بعض کا ذکر شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے سلسلہ میں کیا گیا ہے۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان صاف طور سے مخالفت کے ڈر سے نہیں کرتے تھے۔ اور یہ ڈر ایک حد تک صحیح بھی تھا۔ شجرۃ الانوار میں ایک ہندو عورت کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ کُھلم کُھلا مسلمان ہوگئی تھی، اور اس کے بعد دہلی میں بلوہ ہوگیا تھا۔ بدامنی یہاں تک پھیلی تھی کہ حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ نے دہلی چھوڑنے کا ارادہ کرلیا اور فرمایا،

"مارا ازیں بلوہا و قضیہ ہا چہ کار"[2]	ہمیں اس طرح کے بلووں اور جھگڑوں سے کیا واسطہ۔

فخر الطالبین میں ایک ہندو کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آتا تھا تو وہ دروازے بند کرادیا کرتے تھے[3]۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ملفوظات میں بھی ایک ہندو اتم چند کا ذکر ہے۔ وہ مسلمان ہوگیا تھا لیکن اس کا ذکر نہ کرتا تھا[4]۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت تمام اُن بزرگوں نے جو تبلیغ و اصلاح کے کام میں مصروف تھے اسی طرح اپنے کام کو انجام دیا۔

نور الدین فخریؒ نے کئی ایسے ہندوؤں کا ذکر کیا ہے جو حضرت شاہ فخر صاحبؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے تھے، ایک جگہ لکھا ہے:

ہندوئے آمد کہ از مدتے در طریقہ شامل شدہ است و نماز ہم باخفائی گذارد وگویا از یاراں است۔[5]	ایک ہندو آیا جو مدت سے سلسلہ میں شامل ہے اور نماز چھپ کر ادا کرتا ہے۔ گویا مریدین میں سے ہے۔

---

[1] فخر الطالبین ص ۳۵

[2] شجرۃ الانوار (قلمی)

[3] فخر الطالبین ص ۳۵

[4] ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ ص ۱۱

[5] فخر الطالبین ص ۳۴

شاہ صاحبؒ ہندوؤں سے بہت اچھی طرح ملتے تھے، ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر میں ایک ہندو سے ملاقات ہوئی وہ عامل تھا۔ اور جس چیز کو چاہتا تھا منگا لیتا تھا۔ شاہ صاحبؒ سے کہنے لگا:

"اگر کرم فرمودہ بخانۂ من تشریف فرمائید مو کلان ایں عمل بشما آشنا سازم"

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہر بات قرآن شریف میں موجود ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں[1]

ہر چند کہ شاہ صاحبؒ، بادشاہ کو ہدایت کرتے تھے کہ تمام ان عناصر کو سختی سے دبا دیا جائے جنھوں نے امن عامہ کو خطرہ میں ڈال دیا تھا، لیکن وہ کسی فرقہ، مذہب یا گروہ کے خلاف مذہبی حیثیت سے تنقید کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی روش تمام مذاہب اور فرق سے خوش گوار تعلقات رکھنے کی تھی۔ ان کی وسیع القلبی کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ مخالفین سے اچھی طرح ملتے تھے، اُن کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے اخلاق سے اُن کو گرویدہ بنا لیتے تھے۔ ایک ایسے دور میں جب کہ شیعہ سنی تعلقات خوش گوار نہیں رہے تھے، وہ دونوں سے یکساں خندہ پیشانی سے ملتے اور اُن سے محبت اور خلوص کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے تعلقات شیعوں سے خراب ہوئے اور "متصدیان شاہی" نے ان کو مکان سے نکال دیا، انھوں نے معاملات کو ٹھیک کیا۔ ہندوؤں سے اُن کے تعلقات جس قدر شگفتہ تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرہٹہ سردار تک اُن سے عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ شاہ صاحبؒ کے اخلاق کی یہ امتیازی کیفیت تھی جس نے اُن کو خواص و عوام میں یکساں مقبول بنا دیا تھا۔

مرہٹوں کی عقیدت شاہ فخر صاحبؒ کے آخری دنوں میں مدرسہ کے اخراجات اور داد و دہش کی زیادتی کے باعث کچھ قرضہ ہوگیا تھا۔ ایک دن مولانا رحیم بخش

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۳

فخری (صاحب شجرۃ الانوار) مدرسہ کی مسجد میں مولوی عظمت اللہ سے مثنوی مولانا روم کا درس لے رہے تھے کہ سید احمد نان بائی، بقال کے ساتھ آیا اور ادائیگی قرض کا تقاضہ کیا۔ مولوی عظمت اللہ نے اطمینان دلایا کہ حضرت کا مزاج روبہ اصلاح ہو جائے تو اُن کو اطلاع دے کر ہم (مولوی عظمت اللہ اور مولانا رحیم بخش) قرض کا تمسک اپنے نام لکھوا لیں گے۔ اتنے میں میر کلو باہر آئے اور شیخ کی طرف سے مولوی عظمت اللہ اور سید احمد کی طلبی کی اطلاع دی۔ دونوں کا حال پوچھنے کے بعد فرمایا کہ میری مہر لگا کر ان کو تمسک دیدو۔ انشاء اللہ کل صبح یا شام یہ قرضہ ادا ہو جائے گا۔

رحیم بخش کا بیان ہے:

ہماں روز سندھیہ مرہٹہ یک ہزار	اسی دن سندھیہ مرہٹہ نے گیارہ سو
و یک صد روپیہ نذر آنجناب	روپیہ آنجناب کی خدمت میں نذر
فرستاد۔	کے طور پر بھیجا۔

شاہ صاحبؒ نے ۰۰، روپیہ قرضداروں کو دے کر تمسک واپس منگا لیا۔ باقی روپیہ مریدوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ [۱]

وفات | شاہ فخر الدین صاحبؒ نے ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء کو وصال فرمایا۔[۲] اس وقت آپ کی عمر ۷۳ سال تھی۔ وصال سے ایک دن پہلے زبان پر مثنوی کا یہ شعر تھا ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
چشم بگذارم سراسر جاں شوم [۳]

وصیت تھی کہ انتقال کے بعد جنازہ میڈھو خاں کے سپرد کر دیا جائے۔ میڈھو خاں آپ کے عزیز مرید تھے اور پہاڑ گنج میں داروغہ تھے۔ اور حضرت مولانا گرمی کے موسم کی وجہ سے چاہتے تھے کہ شرکائے جنازہ کو راستہ میں تکلیف نہ ہو اس لئے میڈھو خاں کے

---

[۱]، [۲]، [۳] شجرۃ الانوار (قلمی)

سپرد یہ کام کیا گیا۔ حاجی محمد امین نے جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مرید تھے آپ کو غسل دیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پاک کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔[۱] عقیدت مندوں کا ایک ہجوم آپ کے جنازہ کے ساتھ تھا۔ اکبر شاہ ثانی زار و قطار روتا ہوا قبرستان تک پہونچ گیا۔[۲]

مزار کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

بگذاشت فخر دیں چوں جہان سرائے فانی	بر آستانہ جاوداں قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم	تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی

۱۱۹۹

من کلام سید الشعراء قبول الٰہی ۱۲۱۸ھ [۳]

کتاب و حدیث سے آپ کا گہرا تعلق ملحوظ رکھتے ہوئے عرس کے موقع پر کلام پاک اور صحیح بخاری کا ختم ہوتا تھا۔[۴]

شاہ نور محمد صاحبؒ نے اُن کی وفات کے بعد فرمایا:

"ذات شریف حضرت مولانا چہ کمال بود۔ نحویکہ در دہلی آمدند بہماں طور پاک صاف از دنیا رفتند، و از کسے یافتنی و نا باکسے دادنی داشتند نزاع ہیچ از پس نگذاشتند، چنانکہ در ایام تکاہل مزاج شریف بقدوی مبلغ دو ہزار روپیہ از دکن بخدمت آمدہ بود۔ ہماں وقت

---

[۱] شجرۃ الانوار (قلمی)
[۲] مناقب فریدی ص ۳۷
[۳] آثار الصنادید ص ۱۸۷
[۴] مناقب حافظیہ ص ۱۸۶

دوازدہ صد روپیہ بقرض داراں کہ در لنگر فقرا خرچ شدہ بود دادند و ہشت صد باقی بہ مستحقاں تقسیم کردہ دادند و ما بقی سوائے کتابہا ہیچ نبود۔" [1]

اولاد شاہ فخر الدین صاحبؒ کے ایک فرزند تھے۔ اُن کا نام غلام قطب الدین تھا۔ وہ دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ جب دہلی تشریف لائے تو ان کو اپنی بہن کے سپرد کر دیا۔ شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا:

"مولوی فخر الدین صاحبؒ را دیدم کہ سوائے یک پسر کہ اورا ہم بہ ہمشیرہ خود کہ در دکن بود، دادہ آمدہ و متکفل پرورش آں بزرگ بود ایں جا بکمال بے تعلقی می گزرانیدند لیکن در فکر احباب چناں مصروف بودند کہ مردم در فکر اہل و عیال خویش" [2]	میں نے مولوی فخر الدین صاحبؒ کو دیکھا تھا کہ سوائے ایک فرزند کے جس کو وہ اپنی بہن کے پاس جو دکن میں تھیں چھوڑ آئے تھے اور اُن کی پرورش کی وہ متکفل تھیں یہاں کمال بے تعلقی سے گزر اوقات کرتے تھے، لیکن اپنے احباب کے لئے اتنی فکر کرتے تھے جتنی کوئی شخص اپنے اہل و عیال کے لئے کر سکتا ہے۔

شاہ فخر الدین صاحبؒ کے بعد غلام قطب الدین صاحبؒ ہی سجادہ نشین ہوئے۔ وہ اپنے زہد اور تقدس کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ محمد اکبر شاہ اور بہادر شاہ ظفر [3]

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۱

[2] ملفوظات شاہ عبد العزیزؒ ص ۱۱۸

[3] بہادر شاہ خود بھی پیری مریدی کرتا تھا۔ خاص مریدوں کو دو روپیہ مہینہ بھی دیتا تھا۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ۔ ج ۹ ص ۳۴۶ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اُن کے مُرید تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

"حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ بادشاہ .... باعتقاد تمام مریداں فرزند رشید حضرت فخر صاحبؒ گشتند و بعضے فرزنداں و متعلقان خود را نیز مرید کنانیدند۔"

بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے ؎

مرید قطب دیں ہوں، خاکپائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں، ان کا غلام کم تریں ہوں میں
اِن ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگرنہ یوں تو بالکل روسیہ شل نگیں ہوں میں
نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ میخانے سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھستا اُن کے آستانے پر جبیں ہوں میں
مجھے تو خانقاہ و مے کدہ دونوں برابر ہیں
ولیکن یہ تمنا ہے کہ اُن کا ہوں کہیں ہوں میں
یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہیں رہنما میرے
سمجھتا اُن کو اپنا حامیٔ دنیا و دیں ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر اُن کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

غلام قطب الدین صاحبؒ نے ۱۸ محرم ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء کو وصال فرمایا [1]۔ حضرت قطب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

روزنامچہ (ص ۲۰ ص ۱۶۲) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غالب نے سراج المعرفت کے دیباچہ میں اس کی مذہبی حیثیت کا ذکر کیا ہے (اردوئے معلیٰ جلد دوم ص ۴) نیز ملاحظہ ہو آثار الصنادید۔ ص ۸۵

[1] "واقعات دار الحکومت دہلی" میں آپ کا سنہ وصال (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحبؒ کے جوار میں آسودہ ہوئے۔

غلام قطب الدین صاحبؒ کے بھی ایک ہی فرزند تھے۔ اُن کا نام میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب تھا۔ دلی میں خواص و عوام سب اُن کا ادب و احترام کرتے تھے۔ سر سید کا بیان ہے:

"اس زمانے میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے، حضور والا اور تمام سلاطین و جمیع امرا عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں"۔ لہ

دلی کا ہر شخص امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، اُن سے ملتا تھا۔ غالب کو اُن سے خاص عقیدت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں کالے صاحب کے مکان سے اُٹھ آیا ہوں۔ بلی ماروں کے محلے میں ایک حویلی کرائے کو لے کر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا۔ صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا"۔ ٢ہ

بہادر شاہ ظفر کو بھی اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ لکھتا ہے:

نظام خانۂ محشر جہاں تمھیں تو ہو — قیام سلسلہ و خانداں تمھیں تو ہو
نہ کیونکر تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین — خدا رکھے تمھیں اُن کا نشاں تمھیں تو ہو
تمھارے در پہ جھکا کر سر ارادت خلق — کہے ہے کعبۂ امن و اماں تمھیں تو ہو
نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل — کہ شمع محفل صاحب دلاں تمھیں تو ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

سنہ ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء درج ہے۔ (ج ۲، ص ۳۹۷) "مزارات اولیائے دہلی" میں سنہ ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء لکھا ہے۔ مناقب فریدی میں ۱۸ محرم سنہ ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء تاریخ وفات بتائی گئی ہے۔ میں نے مناقب فریدی (ص ۳۹) کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

لہ آثار الصنادید ص ۲۸۱

٢ہ اردوئے معلیٰ حصہ دوم ص ۱۷

تمھاری قوتِ باطن سے تقویت ہے مجھے — کہ میرے باعث تاب و تواں تمھیں تو ہو
بغیر آپ کے ہوں کیوں نہ جان و دل بےچین — کہ راحتِ دل و آرامِ جاں تمھیں تو ہو
ظفر کی چاہئے تمھیں نصرت نصیر الدین — کہ اس کے یار و مددگار تمھیں تو ہو

کالے صاحب خود بھی بادشاہ کے پاس اکثر جایا کرتے تھے۔ بمبئی کے احسن الاخبار اور دلی کے سراج الاخبار کے اقتباسات سے جو خواجہ حسن نظامی صاحبؒ نے بہادر شاہ کے روزنامچے کے نام سے شائع کئے ہیں۔ بادشاہ کے ان سے گہرے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے ——— بادشاہ کی طرف سے اُن کا وظیفہ بھی مقرر تھا ——— تقریبات کے موقع پر بادشاہ اُن کے سارے اخراجات برداشت کرتا تھا۔ لہ

حکیم میر قطب الدین باطن کالے صاحب کے مرید تھے۔ انھوں نے گلشن بےخار کے جواب میں "نغمۂ عندلیب" ٢ہ تذکرہ لکھا تھا۔

کالے صاحب کی حویلی گلی قاسم جان میں تھی جواب احاطہ کالے صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ کالے صاحب نے ۱۵ صفر سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء کو وصال فرمایا۔ مہرولی میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ ٣ہ

کالے صاحب کے پانچ بیٹے تھے:

۱. غلام نظام الدین
۲. غلام معین الدین
۳. وجیہ الدین
۴. امین الدین
۵. کمال الدین

لہ کالے صاحبؒ کے بہادر شاہ سے تعلقات کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا مضمون "۱۸۵۷ء سے پہلے کی دلی" مطبوعہ "برہان"، جولائی ۱۹۵۷ء ص ۵ تا ۸
نیز ملاحظہ ہو "بہادر شاہ کا روزنامچہ" ص ۶۹، ۸۶، ۹۲ وغیرہ

٢ہ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ء

٣ہ مناقب فریدی ص ۲۷

پہلے دو صاحبزادے ایک سیدزادی سے تھے۔ بقیہ ایک شہزادی سے۔[1]

کالے صاحب کے بعد اُن کے فرزند اکبر، غلام نظام الدینؒ سجادہ پر بیٹھے۔ ان کے مُریدوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ غدر میں کالے صاحب کی املاک ضبط ہو گئیں۔ نظام الدین صاحب حیدرآباد چلے گئے۔[2] پھر جب حالات درست ہوئے تو دلی واپس آ گئے۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں وصال فرمایا اور باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔[3]

غلام نظام الدینؒ نے چونکہ لاولد وصال فرمایا تھا، اس لئے اُن کے بعد اُن کے بھائی غلام معین الدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔ کمال الدین صاحب اورنگ آباد چلے گئے تھے۔ جہاں اُن کے لڑکے میاں سیف الدینؒ وغیرہ پیدا ہوئے۔ اب میاں سیف الدینؒ کی اولاد میں کوئی صاحب اورنگ آباد کے سجادہ نشین ہیں۔

دہلی میں سجادگی کالے صاحبؒ کے نواسوں میں رہی۔ میاں کالے صاحبؒ[4] کی لڑکی میاں عبدالسلام صاحب سے منسوب تھیں۔ ان سے ایک لڑکے میاں عبدالصمد صاحب تھے۔ وہ ہندو اور مسلمان دونوں میں مقبول تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے مزارات نئی دہلی میں لیڈی ہارڈنگ ہسپتال کے قریب ہیں۔ جہاں بہت اچھی مسجد اور درگاہ بنی ہوئی ہے۔ اپریل ۱۹۴۷ء کے منادی میں خواجہ حسن نظامی صاحب نے لکھا ہے: "آج کل میاں عبدالصمد صاحب کے فرزند حاجی میاں صاحب سجادہ نشین ہیں۔ وہ پوری طرح اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور دہلی کے ہزاروں ہندو مسلمان اُن کے مرید و معتقد ہیں۔"[5]

---

۱ مناقب المحبوبین۔ ص ۵۱۔۵۰

۲ غالب کا خط بنام انوار الدولہ سعد الدین خان شفق۔ اردوئے معلیٰ حصہ اول ص ۱۳۱

۳ مناقب فریدی ص ۳۹

۴ منادی، ۲۱ اگست ۱۹۳۶ء

۵ مکتوب خواجہ حسن نظامی بنام مصنف مطبوعہ منادی ۸/۶ اپریل ۱۹۴۷ء

حاجی میاں صاحب نے ۱۰ رجب ۱۳۸۶ھ (۱۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء) میں رحلت فرمائی۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے احمد میاں صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ اُن کا وصال ۱۶ شعبان ۱۳۹۶ھ (یکم اگست ۱۹۷۶ء) کو ہوا۔ اب اُن کے پوتے محمد باقر صاحب عرف محمد میاں سجادہ نشین ہیں۔

خلفاء شاہ فخر صاحبؒ کے وصال کے فوراً بعد مولانا سید احمد صاحبؒ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ اس دوران میں حضرت شاہ فخر صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا قطب الدین صاحب اورنگ آباد سے تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سجادہ پر متمکن ہوئے۔[1]

شاہ فخر صاحبؒ کے بعد اُن کے مدرسے کا کام سید احمد صاحبؒ غلام فرید چشتیؒ اور حاجی لعل صاحبؒ نے سنبھالا۔ اور اُن کے علمی فیض کو حتی المقدور جاری رکھا[2] گو شاہ صاحبؒ کے زمانہ کی رونق اور شان واپس نہ آ سکی۔

حضرت شاہ فخرالدین صاحبؒ کو بجا طور پر نظامیہ سلسلہ کا "مجدد" کہا جاتا ہے۔ انھوں نے نظامیہ سلسلہ کو نئی زندگی بخشی اور اپنے خلفاء کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج کر نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں۔ حسین فخری نے لکھا ہے:

"خلفائے مرشدی و مخدومی در
ہفت اقالیم دائر و سائر و محیط اند"[3]

پیرومرشد (شاہ فخر صاحبؒ) کے
خلفاء سات اقلیم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ان کے خلفاء میں خصوصیت کے ساتھ شاہ نور محمد صاحبؒ نے پنجاب میں، شاہ نیاز احمد صاحبؒ نے یوپی میں، حاجی لعل محمد صاحبؒ نے دہلی کے اطراف و جوانب میں مولانا جمال الدینؒ نے رام پور میں۔ میر ضیاء الدینؒ نے جے پور میں، میر شمس الدینؒ نے اجمیر میں سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں بڑی پُرخلوص جدوجہد کی۔

---

۱ مناقب المحبوبین ص ۶۸

۲ مناقب المحبوبین ص ۶۹

۳ شجرۃ الانوار (قلمی)

شاہ فخر الدین صاحبؒ کے ملفوظات، سوانح اور دیگر معاصر کتب میں جن خلفاء کے نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ——— سید بدیع الدین
(۲) ——— مولوی نور اللہ
(۳) ——— مولوی مکرم
(۴) ——— مولوی فرید الدین
(۵) ——— مولوی روشن علی
(۶) ——— مولوی حسن علی
(۷) ——— محمد غوث نبیرہ شاہ کلیم اللہ
(۸) ——— محمد غوث گرت پوری
(۹) ——— حاجی خدا بخش
(۱۰) ——— محمد قطب الدین شرقی
(۱۱) ——— میاں عبداللہ
(۱۲) ——— سید احمد
(۱۳) ——— مولوی عبدالوہاب بیکانیری
(۱۴) ——— مولوی محمد صالح
(۱۵) ——— مولوی علاء الدین
(۱۶) ——— شیخ محمد زماں
(۱۷) ——— شاہ مراد
(۱۸) ——— حافظ سعداللہ
(۱۹) ——— ملا گل محمد
(۲۰) ——— سید قمر الدین منت
(۲۱) ——— محمد فتح اللہ

NafseIslam

(۲۲) ——— صوفی یار محمد
(۲۳) ——— حاجی محمد واصل
(۲۴) ——— سید محمد میر
(۲۵) ——— عظیم الدین
(۲۶) ——— میاں محمد امان
(۲۷) ——— خلیفہ محمد پناہ
(۲۸) ——— مولوی عظمت اللہ
(۲۹) ——— رفیع الدین خاں
(۳۰) ——— شاہ محمد اعظم
(۳۱) ——— غلام فرید چشتی
(۳۲) ——— میر محمد عظیم بن عبدالرحمٰن
(۳۳) ——— ظہور اللہ
(۳۴) ——— میاں عصمت اللہ
(۳۵) ——— حاجی احمد
(۳۶) ——— شاہ قمر الدین
(۳۷) ——— شاہ روح اللہ
(۳۸) ——— سید شریف
(۳۹) ——— مولانا حسن علی

دہلی کے بعض مشہور شاعر اور ادیب شاہ فخر صاحبؒ کے حلقۂ مریدین میں شامل تھے۔ خواجہ احسن اللہ بیانؔ دہلوی، مرزا مظہر جان جاناںؒ کے شاگرد تھے۔ لیکن شاہ فخر صاحبؒ سے بیعت تھے۔ وہ دہلی کے بلند پایہ شاعروں میں گنے جاتے تھے۔ شیفتہؔ اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

"حدیثش شیریں و دل آویز سخنش نمکیں و شور انگیز از شیوا بیانی اوست"[1]

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عنایت اللہ حجام، سودا کے شاگرد تھے اور حضرت شاہ فخر صاحبؒ سے بیعت تھے شیفتہ لکھتے ہیں:

"مولانا فخرالدین را علیہ الرحمۃ دستِ ارادت بدامن زدہ فکر تشش بدل می سازد۔" [۱]

میر قمر الدین منت کو گورنر جنرل کی طرف سے ملک الشعراء کا خطاب ملا تھا۔ وہ شاہ فخر صاحبؒ سے بیعت پر فخر کرتے تھے۔ [۲]

میر غلام حسین یاد، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے رشتہ دار اور شاہ فخر صاحبؒ کے مرید تھے۔ [۳]

مولوی سید بدیع الدین جید عالم اور بزرگ تھے۔ مناقب فریدی کے مصنف نے ان کو شاہ فخر صاحبؒ کا بے مثل خلیفہ بتایا ہے۔ اُن سے بڑا فیض جاری ہوا۔ درس و تدریس، ارشاد و تلقین میں ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ اُن کے بعد میر عیوض علی دہلوی خلیفہ ہوئے۔ اُن کے بعد کارِ خلافت مولانا ظہیر الدین کیرانوی نے انجام دیا۔ موخر الذکر نے ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۳ء میں وصال فرمایا۔ قصبہ بنت میں آسودہ ہیں۔ [۴]

میر محمدی صاحب شاہ فخر صاحبؒ کے خلفاء میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ انھوں نے دہلی میں شاہ صاحبؒ کے کام کو جاری رکھا۔ شجرۃ الانوار کے مصنف کا بیان ہے:

"در ارشاد و رہنمائی عباد دریں	اس شہر میں بڑی خوبی کے ساتھ
شہر بخوبیہا معروف اند و باوصفا	خلق خدا کی رہنمائی میں معروف
حمائد موصوف بسیارے از اہل	ہیں۔ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں
شہر و شاہزادہا مرید میر صاحب	بہت سے اہل شہر اور شہزادے
اند۔"	میر صاحب کے مرید ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ نمبر (۱) و صفحہ ہذا ۱، ۲، ۳ تذکرہ گلشن بے خار ص ۲، ۳، ۵۶، ۹۳

۴ مناقب فریدی ص ۹

ان کو اپنے پیر و مرشد سے بڑا عشق تھا۔ لکھا ہے:

"بر نام پیر خود و مرشد خود جان از دست می دہند۔" [۱]

مولوی بشیر الدین نے ان کا اصلی نام مولانا امام الدین بتایا ہے۔[۲] مصنف مناقب فریدی نے عماد الدین سید محمد لکھا ہے۔[۳]

شاہ فخر صاحبؒ نے ان کو خلافت دے کر شاہی خاندان کی اصلاح و تربیت کے لئے متعین فرما دیا تھا۔ مناقب فریدی میں لکھا ہے کہ وہ "شاہ ولایت قلعہ معلی بنائے گئے تھے اور شاہ فخر صاحبؒ سے شاہی خاندان کے جو افراد بیعت تھے اُن کی تعلیم و تربیت اُن ہی کے سپرد تھی۔"[۴] ہر وقت اُن کے یہاں شہزادوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ بہادر شاہ کے روزنامچے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، اور نہایت دھوم دھام سے اس کی سواری ان کی خانقاہ میں پہونچتی تھی۔[۵] مرزا سلیم خلف اکبر شاہ ثانی ان کا مرید اور معتقد تھا۔[۶] مرزا خجستہ بخت نے میر محمدی کے وصال کے بعد ان کی جانشینی کا دعویٰ کیا۔[۷]

میر صاحب نے ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء میں وصال فرمایا۔[۸] مرزا سلیم شاہزادے نے فرطِ عقیدت سے اپنے مکان کے صحن میں ہی دفن کیا۔ جواب میر محمدی کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔[۹] اور حبشی قبر کے پاس واقع ہے۔

۱ شجرۃ الانوار (قلمی)

۲ واقعات دار الحکومت دہلی۔ ج ۲ ص ۱۳۳

۳، ۴ مناقب فریدی ص ۳۸

۵ بہادر شاہ کا روزنامچہ ص ۱۱۳

۶، ۷ واقعات ج ۲ ص ۱۵۲

۸ مناقب فریدی ص ۳۸ - ۳۹

۹ واقعات ج ص ۱۵۲

میر محمدی کے بعض مریدین کے نام یہ ہیں :

(۱) ——— مرزا خجستہ بخت بن شاہ عالم

(۲) ——— شہزادہ سلیم بن اکبر شاہ

(۳) ——— میراں شاہ محمد بن بہادر شاہ ظفر

(۴) ——— میر جلال الدین

(۵) ——— مولوی گل محمد

(۶) ——— مولوی نوازش علی

(۷) ——— شیخ ابراہیم ذوق

(۸) ——— مرزا روش بخت

مولانا ضیاء الدین | مولانا ضیاء الدینؒ نے جے پور میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت اور مذہب اسلام کی تبلیغ و ترویج میں بہت کوششیں کی تھیں۔ ابتدائی زمانے میں وہ ملازمت پیشہ تھے اور اخفائے حال کی کوشش کرتے تھے۔ پیر کا حکم ہوا کہ جے پور جاکر ارشاد و تلقین کا کام کرو۔ چنانچہ جے پور آکر اسلامی شعار کی ترویج میں کوشاں ہو گئے۔ حسین بخش فخری کا بیان ہے کہ اُن ہی کی کوششوں سے جے پور میں "طریقہ اسلام و صلوٰۃ و اذان جاری ہوا۔ لکھا ہے :

در شہر جے نگر (جے پور) کہ قریب مقام راجہ است و در آں شہر غلبہ کفر و کافراں بسیار تا حال ہویدا است، و در آنجا بت خانہ و بت پرست بدرجہ کمال اند، استقامت نمودند۔ و مردماں خاص و عام بہ آں سید السادات میر ضیاء الدین تولا نمودند و بسبب کشف و کرامات و خرق عادات و قوت باطنی راجہ و ہمگی سرداران راجہ و تمامی اہل شہر چہ از ہنوداں کافراں و چہ مسلماناں مطیع و فرماں بردار آں سید پاک شدند۔" [2]

---

[1] مناقب فریدی ص ۳۹-۴۰ [2] شجرۃ الانوار (قلمی)

آج تک اُن کا قائم کیا ہوا مدرسہ "مدرسہ ضیاء العلوم" کے نام سے جاری ہے۔ اس مدرسہ کے مختصر سے کتب خانے میں حدیث کی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے۔

مولوی جمال الدین | شاہ فخر صاحبؒ کے عزیز ترین خلفاء میں تھے اور پیر کے حکم کے مطابق رامپور میں قیام فرمالیا تھا۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے :

"مریداں بسیاری دارند، صاحب کشف و کرامت اند۔ مردمانِ آں نواحی فیض یاب آں جناب اند۔" [1]

مولوی جمال الدینؒ کا وطن لاہور تھا۔ وہاں سے علوم عقلی و نقلی کی تکمیل کے لئے دہلی آگئے تھے اور یہاں شاہ عبد العزیزؒ کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے حدیث کا درس لیتے تھے۔ بعد کو وہ شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ [2]

مولوی صاحب نہایت منکسر المزاج اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔ ہندو مسلمان سب ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ منشی جانکی داس دیوان صدر رامپور کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی کہ جس کو معبود حقیقی جانتے ہو اس کی یاد سے غافل نہ رہنا۔" [3]

نواب سید احمد علی خاں والیٔ رامپور کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ اور اکثر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ۱۰۳ سال کی عمر پائی تھی۔" اس لئے شاہ فخر صاحبؒ کے خاندان کے اکثر بزرگوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ کالے صاحب رامپور تشریف لائے تو آپ شہر کے دروازے سے ان کی پالکی کو کاندھے پر لائے۔" [4]

مولوی صاحبؒ علوم ظاہری کا درس بھی دیتے تھے۔ اُن کے خلفاء میں شاہ غلام رسول خاں صاحب بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد اس سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔ انوار العارفین میں مولوی جمال الدین صاحب کا سنہ وفات ۲۹ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء

---

[1] شجرۃ الانوار (قلمی) [2] انوار العارفین ص ۵۱۲

[3]، [4] تذکرہ کاملان رامپور ص ۹۲-۹۱

درج ہے[۱]۔ تذکرہ کاملان رامپور میں ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء دیا ہوا ہے۔[۲]

مولانا حاجی لعل محمد صاحبؒ حضرت شاہ فخر صاحبؒ کے ارشد خلفاء میں تھے۔ انھوں نے پیر کے وصال کے بعد دہلی میں اُن کی روایات کو قائم رکھا۔ لکھا ہے:

"مریدان و خلفائے بسیار دارند، ذات گرامی صفات حضرت حاجی محمد لعل صاحب در مدرسہ و در شہر از مغتنمات است۔" [۳]

شاہ فخر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے خلفاء کو عاجز کر کے خلافت دی ہے مگر حاجی صاحب کی عاجزی نے مجھے عاجز کر کے خلافت لی ہے۔ وہ نہایت کریم النفس اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں۔ ۱۲ سال تک خواجہ اجمیریؒ کے آستانہ پر حاضر رہے۔ تین مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اُن کی روحانی طاقت بھی زبردست تھی۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ایک مرید جامع مسجد میں مراقبہ کر رہے تھے۔ جب آنکھ بند کرتے آنکھ کھل جاتی۔ آخر کار پوچھنے لگے کیا اس وقت مسجد میں شاہ فخر صاحبؒ کے مریدوں میں سے کوئی شخص موجود ہے؟ معلوم ہوا کہ حاجی لعل محمدؒ مسجد کے گوشے میں وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔[۴]

حاجی صاحبؒ نے ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء کو وصال فرمایا۔ سلطان المشائخ کے مزار مبارک کے قریب مزار ہے۔ آپ کے بعد مرزا بخش اللہ بیگ صاحب نے ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن انھوں نے صرف تین شخصوں کو مرید کیا۔ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں وصال فرمایا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔ ان کے بعد خواجہ

۱۔ انوار العارفین ص ۵۱۲

۲۔ تذکرہ کاملان رامپور ص ۹۲

۳۔ شجرۃ الانوار

۴۔ سلسلۃ الذہب ص ۵۹

۵۔ مناقب حافظیہ ص ۵۹

محب اللہ صاحبؒ سجادہ پر بیٹھے۔ اُن کے مریدین کی تعداد کثیر تھی۔ سب سے زیادہ مشہور مرید اور خلیفہ حضرت خواجہ میاں محمد صاحبؒ تھے جو ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں خواجہ صاحبؒ کے بعد سجادہ پر بیٹھے۔ وہ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ہوشیار پور میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔ اُن کی سوانح عمری "یادِ پیر" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء میں وصال فرمایا۔ آج کل خواجہ علی محمد شاہ صاحب سجادہ نشین ہیں۔ وہ بہت سی خوبیوں کے بزرگ ہیں اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

شاہ صادق علیؒ بہار میں شاہ فخر صاحبؒ کے ایک خلیفہ شاہ صادق علیؒ تھے۔ انھوں نے سلسلہ کی اشاعت میں کافی سرگرمی کا ثبوت دیا اور پیر بیگھہ، سہسرام، آرہ وغیرہ مقامات پر خانقاہیں قایم کیں۔ اُن کے خلیفہ شاہ قیام اصدقؒ تھے جنھوں نے بہار میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا۔

باب چہارم

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ

شاہ نور محمد مہارویؒ، شاہ فخر صاحبؒ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔ مولانا غلام سرور کا بیان ہے:

حضرت مولانا را آنچہ عنایت بے	حضرت مولانا کی جو عنایت بے غایت
غایت والطاف بے قیاس بحق وے	اور الطاف بے قیاس ان پر تھا، اپنے
مصروف بود بحال احدے از خلفائے	خلفاء میں سے کسی پر نہ تھا۔
خود نبود۔ [1]	

پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ و ترویج اُن ہی کی پُرخلوص جد و جہد کا نتیجہ تھی۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بعد پنجاب میں چشتیہ سلسلہ کے کسی بزرگ نے ترویج سلسلہ میں اس قدر کوشش نہیں کی جتنی اٹھارویں صدی میں شاہ نور محمد مہارویؒ نے کی تھی۔ مناقب المحبوبین کے فاضل مصنف نے صحیح لکھا ہے:

"پس اول کسیکہ بعد از حضرت گنج شکرؒ واولاد و خلفاء ایشاں سکہ" بر یں

---

[1] خزینۃ الاصفیاء۔ جلد اول، ص ۵۰۶

ملک مذکور زد، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ؒ بود، کہ چنداں فیض ازیں جناب در ملک پنجاب و سندھ وغیرہ انتشار یافت کہ در ہر قریہ و شہر و بلدہ دروشیاں غلامان آں حضرت و غلامان غلام آں حضرت صاحب ذوق و وجد و سماع و صاحب خانقاہ موجود اند و جوق در جوق گروہ علماء آمدہ ربقۂ اطاعت و غلامی آنجناب باعتقاد تمام در گردن خود انداختہ داخل سلسلۂ چشتیہ نظامیہ شدند۔"[1]

تونسہ شریف، احمد پور، چاچڑاں، مکھڈ، جلال پور، سیال، گولڑہ وغیرہ مقامات کی خانقاہوں کے چراغ اُن ہی کے ذریعہ روشن ہوئے۔ حاجی نجم الدین ؒ نے لکھا ہے کہ شاہ نور محمد ؒ کے خانقاہ قائم کرنے سے قبل پنجاب اور سندھ میں خاص طور سے مہار، بھاول پور اور ملتان کے گرد و نواح میں قادریہ اور سہروردیہ سلسلہ کا زور تھا۔ شاہ نور محمد صاحب ؒ کی خانقاہ قائم ہونے کے بعد:

"رونق دیگر سلسلہا در پیش ایں سلسلہ نظامیہ چناں گم شد کہ در پیش آفتاب نور ستارگاں و چراغاں گم می شود۔"[2]	دوسرے سلسلوں کی رونق اس سلسلہ نظامیہ کے سامنے اس طرح گم ہو گئی جیسے آفتاب کے سامنے ستاروں اور چراغوں کا نور گم ہو جاتا ہے۔

پیدائش اور خاندان | شاہ نور محمد صاحب ۱۴ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ (۲ اپریل ۱۷۳۰ء) کو چوٹالہ[3] میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد کا نام ہندال تھا۔ قوم سے کھرل[4] تھے، مناقب المحبوبین میں اُن کا نسب نامہ درج ہے[5]۔ چھٹی پشت کے بعد اُن کے بزرگوں

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۰۶-۱۰۵

[2] مناقب المحبوبین ص ۱۰۶

[3] "از مہار شریف سہ کروہ است سمت مشرق متعلق بلدہ بھاول پور" مناقب المحبوبین ص ۵۴

[4] قوم پنوار کی ایک شاخ ہے۔ [5] ص ۵۳

کے نام بالکل ہندوانی شروع ہو جاتے ہیں۔ بعد کے ناموں میں بھی کچھ ہندوانی رنگ ہے۔ چنانچہ خود شاہ صاحب کا خاندانی نام بہیل تھا۔ جس کو حضرت شاہ فخر صاحب ؒ نے بدل کر نور محمد کر دیا تھا[1]۔ ایک مرتبہ شاہ فخر صاحب ؒ نے اُن کے اجداد کے متعلق پوچھا تو عرض کیا:

"زراعت می کردند و مواشی می چرانیدند و می دوشیدند و مال مردماں می دوویدند"۔[2]

شاہ نور محمد صاحب ؒ کی والدۂ ماجدہ کا نام عاقل بی بی تھا۔ وہ کمال (قوم چھینڈ) کی لڑکی تھیں۔ کمال قصبہ کبھوڑہ[3] میں رہتے تھے۔ عاقل بی بی کی شادی سے قبل ایک بزرگ شیخ دریا نیکوکارہ[4] نے ان کو ایک زبردست ولی کی ماں ہونے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا:

"از فیضِ او ہمہ عالم سیراب خواہد شد"[5]

ابتدائی تعلیم اور بچپن کے حالات شاہ نور محمد ؒ کے والد چوٹالہ سے مہار آ گئے تھے اور وہیں مستقل قیام فرما لیا تھا۔ جب شاہ نور محمد ؒ کی عمر ۵ سال کی ہوئی تو والد ماجد نے قرآن پاک پڑھنے کے لئے حافظ محمد مسعود ؒ کے پاس بٹھایا جو

"یکے از صلحاء وقت و متقیانِ زمانہ بود۔"[6]	اپنے زمانہ کے متقی اور پرہیزگار لوگوں میں تھے۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۱

[2] مناقب المحبوبین۔ ص ۸۷

[3] "کہ از مہار شریف سمت جنوب قریب سی و پنج کروہ یا چہل خواہد شد" مناقب المحبوبین ص ۵۳

[4] حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری ؒ کے سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔

[5] مناقب المحبوبین ص ۵۵ [6] مناقب المحبوبین ص ۵۶

اُن ہی کی خدمت میں شاہ صاحبؒ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ ایک دن شیخ احمد دودی والہؒ[۱] جو مرتاض بزرگ تھے، مولوی مسعود کے مدرسہ میں آئے۔ شاہ نور محمدؒ کو دیکھا تو فرمانے لگے: "سبحان اللہ ایک زمانہ آئے گا کہ اس بچے کے در پر بادشاہ سر رکھیں گے۔" حافظ مسعود کو تعجب ہوا اور تمسخر آمیز لہجہ میں کہا:

سبحان اللہ، دریں زماں چنیں	سبحان اللہ، اس زمانے میں ایسے
اولیاء کامل ماندہ اند کہ پسر جندال	اولیاء کامل رہ گئے ہیں کہ جندال جٹ[۲]
جٹ را کہ بر سر خود گنج داردی گویند	کے بیٹے کے متعلق جس کے سر پر گنج ہے
کہ بادشاہ بر درایں سجدہ خواہند کرد[۳]	یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ اس کے در پر
	سر جھکائیں گے۔

کسے معلوم تھا کہ ایک دن بہاول پور کا نواب بہاول خاں ان کی آستانہ بوسی کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھے گا!

حافظ مسعود کی تعلیم سے جب فارغ ہوئے تو والد اور بھائیوں کی رائے ہوئی کہ ان کو کسی کاروبار میں ڈالا جائے۔ لیکن ان کی قسمت میں علم و عرفاں، سلوک و باطن کے اعلیٰ منازل مقدر ہو چکے تھے۔ انھوں نے اس رائے کو پسند نہیں کیا اور تعلیم جاری رکھنے پر اصرار کیا، اور موضع بڈھیراں[۳] تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ تحصیل علوم کے بعد موضع ببلا[۴] آئے۔ یہاں شیخ احمد کھوکر سے چند کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ڈیرہ غازی خاں چلے

---

۱ "ایں بزرگ مرید سلطان محمود لنگاہ بود، در سلسلہ قادریہ توسل می داشت، خانقاہ ایں ہر دو پیر و مرید ہم در قصبہ دودہ است۔ متعلق کوٹ کمالیہ و ایں قصبہ مذکور بر کنار دریائے راوی است۔ مناقب المحبوبین ص ۵،

۲ مناقب المحبوبین ص ۵،

۳ مہار شریف سے چند میل کے فاصلے پر۔

۴ متعلقہ پاک پتن

آئے۔ یہاں شرح ملا تک علم حاصل کیا۔

لاہور میں تحصیل علم ڈیرہ غازی خاں کچھ عرصہ قیام کے بعد شاہ صاحبؒ محکم دین سیلانی کے ساتھ لاہور آگئے۔ محکم دین، شاہ صاحب کے دوست، اور ہم سبق تھے ان کے مزاج میں ذرا تیزی زیادہ تھی اور اسی وجہ سے وہ مدت العمر مجرد رہے۔ شاہ صاحبؒ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

"مرد خوب صاحب شوق و بسے بزرگ بودہ اند[۱]"

جب شاہ صاحب لاہور آئے تو اُن کے والدین کو اس کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ بہت عرصہ تک اُن کو سخت پریشانی رہی[۲]۔ انھوں نے لاہور میں سخت تکلیفیں اٹھائیں بعض اوقات گدائی کر کے پیٹ پالنا پڑا[۳]۔ لیکن ذوق و شوق میں کمی نہ آئی بلکہ اور زیادہ انہماک کے ساتھ کسب علوم میں مشغول ہوئے۔

دہلی میں آمد لاہور سے شاہ نور محمدؒ نے تکمیل تعلیم کے لئے دہلی کا رُخ کیا۔ اس زمانے میں نواب غازی الدین خاں کے مدرسے کی بہت شہرت تھی۔ چنانچہ اسی مدرسے میں داخل ہو گئے اور حافظ برخوردار جی سے کافیہ پڑھنا شروع کیا۔ شاہ فخر صاحبؒ ابھی اورنگ آباد سے دہلی نہیں آئے تھے۔ میاں برخوردار جی اس مدرسے میں درس دیتے تھے۔ اُن کے متعلق شاہ نور محمد صاحب فرمایا کرتے تھے:

"میاں برخوردار جی، مرد خوب	میاں برخوردار جی، اچھے آدمی تھے
و صاحب نسبت بودند۔"[۴]	اور صاحب نسبت تھے۔

وہ چشتیہ سلسلہ میں بیعت تھے۔ شاہ نور محمدؒ پر خاص التفات تھا۔ دن میں ایک مرتبہ

---

۱ مناقب المحبوبین ص ۵،

۲ مناقب المحبوبین ص ۸۹

۳ مناقب المحبوبین ص ۵،

۴ مناقب المحبوبین ص ۸۵

کھانا کھاتے تھے، اور شاہ نور محمدؒ کو ساتھ کھلاتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس عزیز شاگرد کو قطبی کا درس دینا شروع کیا۔ ابھی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ ان کو گھر جانا پڑا۔ اور شاہ نور محمدؒ کا سلسلۂ تعلیم یک لخت منقطع ہو گیا۔

شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضری | شاہ نور محمدؒ کو اپنی تعلیم کے رک جانے کا بڑا ملال تھا۔ ایک دن دلی میں ایک حوض کے کنارے نہایت اُداس اور غمگین بیٹھے تھے، حافظ محمد صالح ساکن بھیرہ نے اُداسی کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے:

"استادان مشفق و رفیق وطن رفتند تسکین خواندن نمی شود"

حافظ صاحب نے بتایا کہ حال ہی میں ایک بڑا عالم اور پیرزادہ دکن سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کوئی علم حاصل کرنا چاہے گا تو اس کو پڑھا دوں گا۔ قلندر بخش نامی ایک شخص میرے پاس آیا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے کھانے پہننے کو بھی وہی بزرگ دیتے ہیں۔ شاہ نور محمدؒ نے وہاں چلنے کی درخواست کی۔ چنانچہ اگلے دن دونوں شاہ فخر صاحبؒ کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حویلی کے دروازے پر پہونچے تو خوشحال ملازم نے بتایا کہ شاہ صاحب، خانم کے بازار تشریف لے گئے ہیں۔ دونوں ناکام واپس ہوئے۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر شاہ نور محمدؒ تنہا شاہ صاحبؒ سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ حویلی کے دروازے پر پہونچے تو ایک دربان کو بیٹھا ہوا پایا، خیال ہوا کہ ناواقفیت میں اندر کس طرح جایا جائے۔ کچھ دیر سوچا پھر ہمت کر کے اندر داخل ہوئے۔ حویلی کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ اس دروازے کے مقابل ایک دالان تھا۔ کمرے میں ایک تخت پر صاف چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ گاؤ تکیہ لگا ہوا اور شاہ فخر صاحبؒ تشریف فرما تھے۔ شاہ نور محمدؒ کا عالم یہ تھا کہ تمام انگرکھا پھٹا ہوا تھا، ایک چادر جسم پر لپٹی ہوئی تھی سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ کبھی اپنی حالت کو دیکھتے تھے، کبھی دالان کی طرف، اور اندر قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اچانک شاہ فخر صاحبؒ کی نظر اُن پر پڑی۔ فوراً اپنے پاس بلایا۔ شاہ نور محمدؒ جب قریب آئے تو فوراً تخت سے

اتر کر کھڑے ہو گئے۔ معانقہ کیا اور اس محبت سے ملے "گویا یاران قدیم از مدت جدا ماندہ۔ بیک دیگر بغل گیری می کنند"۔ پھر نور محمد صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب تخت پر بٹھا لیا اور پوچھا تمھارا وطن کہاں ہے؟ نور محمد صاحبؒ نے جواب دیا۔ نواحی پاک پٹن، پوچھا۔ کیا بابا صاحبؒ کی اولاد سے ہو؟ عرض کیا نہیں۔ لیکن پاک پٹن کا نام سنتے ہی خوشی کے آثار چہرہ پر نمایاں ہو گئے، اور دریافت فرمایا۔ یہاں کیوں آئے ہو؟ عرض کیا، میں نے سُنا ہے کہ حضور تعلیم دیتے ہیں۔ میں بھی کرم کا امیدوار ہوں پوچھا، پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ عرض کیا۔ میاں برخوردار جیو کے پاس۔ فرمایا۔ ہمارا پڑھانا مدت سے موقوف ہے۔ ایسا کرو کہ فی الحال اُن ہی سے پڑھ لو، اس کے بعد ہمارے پاس آجانا۔ شاہ نور محمد صاحبؒ نے جواب میں عرض کیا:

"عرصہ ما بین بسیار است، و مسافت بعید، وقت ما در یں آمد و رفت ضائع خواہد شد"۔ یہ سُن کر شاہ صاحبؒ نے تبسم فرمایا اور یہ شعر پڑھا ؎

ما برائے وصل کردن آمدیم
نے برائے فصل کردن آمدیم

اور فرمایا۔ خیر ہمارے پاس پڑھ لیا کرو!

شاہ فخر صاحبؒ سے تحصیل علم | شاہ نور محمد صاحبؒ اب طالب علم کی حیثیت سے شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ شاہ فخر صاحبؒ کے تبحر علمی کو دیکھ کر حیرت زدہ سے ہو گئے۔ اب تک وہ چھوٹے چھوٹے مدرسوں میں معمولی معمولی استادوں سے پڑھ رہے تھے۔ اب ایک ایسے عالم کے پاس پہونچنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جو علم کا ایک بحر ذخار تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اُن کے تبحر علمی کا ذکر کرتے ہوئے بے اختیار پکار اُٹھے تھے: "سبحان اللہ بحر علوم بودند"۔ [1]

شاہ نور محمدؒ نے قطبی کا سبق لینا شروع کیا۔ ابھی کتاب ختم نہ ہوئی تھی کہ شاہ

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۸

صاحب نے فرمایا "تم علمِ ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ جتنا پڑھ لیا ہے وہ ضرورت کے لئے کافی ہے۔ اب اس علم میں مشغول ہو جاؤ جس کے تم لائق ہو"۔[1] اس بیان سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے علومِ ظاہری کا خاتمہ قطبی ہی پر کر دیا تھا، لیکن تکملہ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نور محمد صاحبؒ نے اور زیادہ اکتسابِ علوم کیا تھا اور حدیث کی سند لی تھی۔[2]

بیعت شاہ نور محمد صاحبؒ نے ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء میں شاہ فخر صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ شاہ فخر صاحبؒ کے دہلی تشریف لانے کے بعد وہ پہلے شخص تھے جس نے ان سے بیعت کی۔ بیعت ہونے کا مفصل واقعہ خود انھوں نے اپنی مجلس میں ایک مرتبہ بیان کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ سے مرید کرنے کے لئے جب استدعا کی تو فرمایا: پہلے استخارہ کر لو۔ جیسا اشارہ ہوگا ویسا کیا جائے گا، شاہ صاحبؒ نے استخارہ کیا۔ خواب میں دیکھا کہ کھانے کا طبق ان کے ہاتھ پر ہے اور شاہ فخر صاحبؒ کا جبہ اُن کی گردن میں پڑا ہے۔ شاہ فخر صاحبؒ آگے آگے جا رہے ہیں، اور وہ اُن کے پیچھے چل رہے ہیں صبح کو یہ خواب شاہ فخر صاحبؒ سے بیان کیا۔ فرمایا۔ چند روز استغفار پڑھو۔ پھر حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے عرس کے دن حضرت قطب صاحبؒ کے مزار مبارک پر لے جا کر اُن کو مرید کر لیا۔[3]

پاک پٹن اور مہار میں قیام بیعت کرنے کے کچھ عرصہ بعد، شاہ فخر صاحبؒ نے پاک پٹن کا قصد کیا۔ شاہ نور محمد صاحبؒ اس سفر میں اُن کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب دونوں پاک پٹن پہونچ گئے تو شاہ فخر صاحبؒ نے شاہ نور محمدؒ کو مہار جا کر اپنی والدہ سے ملنے کا حکم دیا۔ تعمیلِ ارشاد میں وہ وطن روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں اُن کا حلیہ اور لباس درویشانہ تھا۔ مہار پہونچ کر وہ سب سے پہلے اپنے استاد محمد مسعود

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۸۵

[2]، [3] مناقب المحبوبین ص ۸۴

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ حافظ مسعود ہی کی خدمت میں تھے کہ لوگوں نے اُن کی والدہ کے پاس جا کر کہا کہ دہلی سے ایک شخص آیا ہے۔ آؤ۔ اس سے چل کر اپنے بیٹے کا حال دریافت کر لو۔ چنانچہ عاقل بی بی اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر مسجد میں آئیں اور اپنے بیٹے کا حال دریافت کرنے لگیں۔ حافظ صاحب کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ سعادت مند بیٹے کو معلوم ہوا تو بے اختیار ماں کے قدموں میں گر پڑا۔

خرم آں لحظہ کہ مشتاق بیارے برسد
آرزومند نگارے بہ نگارے برسد

مہار شریف جب تک قیام رہا اُن کا یہ معمول تھا کہ تمام دن مسجد میں مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن حافظ شرف الدین نے اجو حافظ محمد مسعود کے عزیز اور دوست تھے ان سے دریافت کیا "اے میاں بابل تم دہلی میں اتنے عرصہ رہے۔ وہاں کیا حاصل کیا؟" جواب دیا:

"ہندوستانی صاحبزادہ از پیرزادگان دکھن در دہلی آمدہ بود
در خدمت او می ماندم و دیگچہ ہائے او می لیسیدم"[1]

یہ سن کر حافظ شرف الدین صاحب نے افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ تو نے کیوں اپنی عمر خراب کی۔ دیکھ مولوی احمد یار، مولوی محمد صالح اور مولوی اسد اللہ اور فلاں فلاں لوگ دہلی گئے اور علم حاصل کر کے آئے۔ اور تو وہاں دیگچیاں چاٹتا رہا۔

مہار میں آٹھ دن قیام کے بعد شاہ نور محمدؒ نے روانگی کی اجازت مانگی۔ والدین نے مجبوراً اجازت دے دی۔ آپ پاک پٹن پہونچے۔ شاہ فخر صاحبؒ محبت سے ملے گھر کا اور والدہ کا حال دریافت کیا۔ اس کے بعد "برجِ نظامی" میں مشغولِ عبادت ہو جانے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں شاہ فخر صاحبؒ نے اپنا یہ دستور بنا لیا تھا کہ جو شخص مُرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا اُس کو شاہ نور محمدؒ کے پاس بھیج دیتے۔ چنانچہ اس

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۵۹

طرح سینکڑوں آدمی شاہ صاحبؒ کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوگئے۔ عرس ختم ہونے کے بعد شاہ فخر صاحبؒ نے ان سے کہا میرا ابھی دو مہینے یہاں قیام کا ارادہ ہے تم اپنی والدہ کے پاس ہو آؤ۔ مولانا نور محمدؒ وطن چلے گئے۔ قبلۂ عالم کے بھائی ملک سلطان برہان اور اُن کے چچا لکھمیر اور استاد محمد مسعود، شاہ فخر صاحبؒ کے حلقۂ مریدین میں شامل ہونے کے لئے ساتھ آئے تھے۔ یہ سب لوگ شاہ نور محمدؒ کے خلوص اور اعتقاد سے متاثر ہو کر شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

کچھ دن یہ قافلہ پاک پٹن میں مقیم رہا۔ اس کے بعد شاہ فخر صاحبؒ دہلی تشریف لے آئے اور یہ لوگ وطن واپس ہوگئے۔

مہار میں قیام کی ہدایت ایک دن شاہ فخر صاحبؒ نے شاہ نور محمدؒ سے فرمایا:

"اے نور محمد! خلق را با تو کار خواہد بود"

یہ سُن کر آپ کی حیرت اور استعجاب کی انتہا نہ رہی۔ عرض کیا "میں ایک کمترین پنجابی ہوں، کس طرح اس اعلیٰ مرتبہ کے لائق سمجھا گیا"۔ لیکن وہ مرشدِ کامل جس کی نظر میں کیمیا کا اثر تھا اس "پنجابی" کی صلاحیتوں سے واقف تھا۔ اُس نے اپنے مرید کے استعجاب کو دیکھا اور خاموش ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد خلافت عطا فرما کر مہاران[1] قیام کرنے کا حکم دیا۔ مرید نے فوراً تعمیل کی اور مہاران روانہ ہوگئے۔

لکھا ہے کہ قبلۂ عالم کے مہاران چلے جانے کے بعد شاہ فخر الدین صاحبؒ یہ دوہہ اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

تن مشکے من چھیر نا سرت ملوؤں ہار
مکھن لے گیا پنجابی چھاچھ پیو سنسار[2]

---

[1] "در ریاست نواب بہاول خاں بہ قریہ مہاران کہ از پاک پٹن بجانب غرب بفاصلہ چہل کروہ واقع است رخت اقامت انداخت۔" خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۵۰۶

[2] مناقب المحبوبین ص ۷۷، نیز سلسلۂ عالیہ چشتیہ ص ۳۱

نواب غازی الدین خاں نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

شیخ در حق او چنیں فرمود
کیں زما ہر چہ بودہ است ربود
نیز ارشاد زآں شاہ دین است
کایں زماں قطب وقت خود است[1]

مہار میں قیام خانقاہ مہار پہونچ کر شاہ نور محمد صاحبؒ نے مسند ارشاد بچھائی۔ خلوص اور حقانیت کا اثر یہ ہوا کہ بہت ہی جلد خلقت کا ہجوم لگنے لگا۔ ایک مرتبہ ایک شخص مہار سے دہلی آ رہا تھا۔ شاہ نور محمدؒ نے اس سے کہا کہ شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونا، سلام عرض کرنا اور کہنا کہ آنجناب کی توجہ سے یہاں خوب روشنی دیکھی۔ وہ شخص دہلی آیا اور جب شاہ فخر الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر پنجابی میں کہا:

"حضرت جی بنیاں پڑیو اور کھیو آسان روشنی اچھی ڈٹھی"[2]

اپنے مرید کی کوششوں کی کامیابی کا حال سُن کر شاہ فخر صاحبؒ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ کئی مرتبہ یہ جملہ دہروا کر سُنا اور پھر فرمایا:

"میاں نور محمد مردے خوب است۔ و نسبت شائستہ بہم رسانیدہ"[3]

شاہ نور محمد صاحبؒ کی خانقاہ کے متعلق نافع السالکین میں لکھا ہے:

"ہزاراں گروہ مردماں می آیند و زیارت می کنند"[4]	ہزاروں آدمی وہاں حاضر ہوتے اور زیارت کرتے ہیں۔

جب وہ پاک پٹن جاتے تھے تو ۵۰۰، ۵۰۰ درویش اُن کے ہمراہ ہوتے تھے[5]۔ اور

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۷۷

[2، 3] شجرۃ الانوار (قلمی)

[4] نافع السالکین ص ۸

[5] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۲۹

مہار کا یہ قافلہ درویشانہ شان کے ساتھ بابا صاحبؒ کے عرس میں شریک ہوتا تھا۔
شاہ نور محمدؒ کی صحبت میں اس قدر کشش اور تعلیم میں اس قدر تاثیر تھی کہ جو وہاں جاتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، جو اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو جاتا، اس کی زندگی میں حیرت انگیز تغیر ہو جاتا۔ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ فرمایا کرتے تھے:

"عجیب تاثیر بود کہ دستِ ایشاں گرفتے او را تاثیر شدے[1]"

شاہ نور محمدؒ کا زیادہ وقت تلقین و ارشاد میں صرف ہوتا تھا۔ اُن کی مجلس ہر وقت گرم رہتی تھی[2]۔ جو شخص آتا تھا اس کی وضع، استعداد، لیاقت اور مذاق کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ کبھی کسی کی گفتگو سے مکدر خاطر نہ ہوتے تھے۔ گفتگو سے انحراف نہ فرماتے تھے[3]۔ جو شخص سوال کرتا اس کا شافی جواب دیتے۔ خانقاہ میں امیر و غریب سب ہی آتے تھے۔ امراء و اہل دول کا اکثر جمگھٹا رہتا تھا۔ بعض لوگوں کو اس سے غلط فہمی بھی ہوتی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ نور محمدؒ کو دنیاداروں سے کوئی خاص لگاؤ یا تعلق نہیں تھا۔ ان کے مشہور مرید اور خلیفہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کا بیان ہے:

"قبلۂ عالم را قدس سرہ از صحبت دنیاداراں بسیار نفرت بود[4]"	قبلۂ عالم (شاہ نور محمدؒ) کو دنیاداروں کی صحبت سے سخت نفرت تھی۔

شاہ نور محمدؒ کے ملفوظات قاضی محمد عمر سید پوری نے خلاصۃ الفوائد کے نام سے اور مولوی محمد گہلویؒ[5] نے خیر الافکار کے نام سے جمع کیے ہیں۔

---

[1] نافع السالکین ص ۹۹ ۱۲۶

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۰

[3] مناقب المحبوبین ص ۸۶

[4] تکملہ سیر الاولیاء ص

[5] مولوی محمد گہلویؒ حضرت نور محمد نارووالہ کے مرید تھے۔ انھوں نے یہ ملفوظ (باقی اگلے صفحہ پر)

اصلاح و تربیت مریدین شاہ نور محمدؒ اپنے عام مریدوں کی اصلاح و تربیت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ خلفاء کو تو وہ تعلیم و تربیت کے بعد مکمل کر دیتے تھے[1]۔ وہ ہر مرید کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق توجہ فرماتے تھے، بالکل ایک طبیب کی مانند، جو مریض کے مزاج اور مرض کی نوعیت کو دیکھ کر دوائیں دیتا اور علاج کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حکیم مولوی محمد عمر سے فرمانے لگے کہ مہار دار الشفا ہے۔ یہاں حکیم موجود ہے۔ حکیم صاحب نے فوراً جواب دیا:

"شفا بخش امراض ظاہری و باطنی ذات شریف حضور است کہ ہر آیندہ را از زیارت حضور شفا صوری و معنوی حاصل می شود۔"

شاہ نور محمدؒ اپنے مریدوں کو درستیٔ اخلاق اور اتباعِ شریعت کا درس دیتے تھے۔ اُن کے ملفوظات میں ان ہی دو چیزوں پر جگہ جگہ زور دیا گیا ہے۔ اخلاقی تعلیم میں خاص طور سے ان باتوں پر زور دیتے تھے

(۱) یکے آنکہ غصہ بر کسے نکند، کہ غصہ جوہرے است در باطن، و اظہارِ آں نورِ معرفت را میراند۔"	اول یہ کہ کسی پر غصہ نہ کریں۔ غصہ باطن میں جوہر ہے اس کے اظہار سے نور معرفت ختم ہو جاتا ہے۔
(۲) دویم آنکہ اگر کسے در حق احدے شکایت کند آں را مآول بالخیر باید نمود۔"	دوسرے یہ کہ اگر کوئی کسی کی شکایت کرے تو اس کو خیر کی طرف مائل کرنا چاہیے۔
(۳) محاسبہ در امور نباید کرد	امور میں محاسبہ نہیں کرنا چاہیے

ان تینوں ہدایتوں میں اخلاقی اصلاح کا راز مضمر تھا۔ اور تمام اخلاقی زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اپنے پیر اور قبلۂ عالم کے ذکر میں جمع کیا تھا۔ مناقب المحبوبین ص ۶۴

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۲

ان ہی کے گرد گھومتی تھی۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان اصولوں کی تشریح کی ہے ان کی حقیقت و ماہیت کو سمجھایا ہے[1]

شاہ نور محمدؒ اتباعِ شریعت کی بھی خاص تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اُن کے دل میں شریعت کا بڑا احترام تھا۔ فرمایا کرتے تھے:

"قالب را موافق شریعت کردن وانضمام قلب با اتباعِ شریعت است۔ وعوام را پرسش ازیں خواہد بود"[2]

اتباعِ سنت کا یہ حال تھا کہ کہا کرتے تھے:

"چیزے کہ مروی از جنابِ رسالت مآب صلعم نباشد بغیر ضرورت چگونہ بکار بردہ شود"[3]	جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہ ہو اس پر بغیر ضرورت کیوں عمل کیا جائے۔

وہ اپنے مریدوں کو خلقِ خدا کے درمیان رہ کر اصلاحی جد و جہد کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ "افاضۂ خلق"[4] اُن کی نظر میں اہم ترین کام تھا۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ کا قصہ سنایا کہ اُن کے دل پر عنایاتِ الٰہی نازل ہونی شروع ہوئیں، تو اس خیال سے کہ تنہائی میں شاید اس میں اور ترقی ہو، گوشہ نشین ہو گئے۔ فوراً قلبی کیفیات بند ہو گئیں[5]۔ شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ عوام میں رہ کر اُن کی اصلاح کی کوشش کرنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

وحدتِ وجود کے متعلق شاہ صاحبؒ کا مسلک وہی تھا جو شاہ کلیم اللہ

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۷
[2] مناقب المحبوبین ص ۹۴
[3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۶
[4] مناقب المحبوبین ص ۹۲
[5] مناقب المحبوبین ص ۹۴

صاحبؒ کا تھا۔ اس مسئلہ پر عوام میں گفتگو کو ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔

"بر امم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے اظہار وحدت وجود"	امم ماضیہ پر جو حوادث نازل ہوئے وہ صرف وحدت وجود کے اظہار کے باعث ہوئے۔

قبلۂ عالم کے ارشاد و تلقین کا اثر مریدوں پر بہت گہرا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جو کسی سے ناخوش ہوا سے خوش کرنا چاہیے۔ حافظ محمد جمالؒ پر ان کے کلمات کا ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے فوراً وہاں سے اُٹھ کر اپنے دشمن کے قدموں پر سر رکھ دیا[1]۔ مناقب المحبوبین میں ایک عورت کا واقعہ درج ہے کہ تھوڑی دیر اُن کی مجلس میں بیٹھ کر اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ "کلام عرفان و توحید" بیان کرنے لگی[2]۔

مرشد کی نظر میں | شاہ فخر صاحبؒ کو شاہ نور محمدؒ سے بڑی محبت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ نور محمد نے تمام عمر میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا اور نہ کبھی کسی تکلیف کا موقع دیا[3]۔

وہ اپنے پیر و مرشد کا اتباع اس طرح کرتے تھے کہ بقول مولانا گل محمد احمد پوری:

"از خصائل آں حضرت بود کہ ہیچ حالت از احوال حضرت مولانا مولوی صاحب رضی اللہ عنہ ذکر نمی فرمودند مگر کہ بآں حالت خود موصوف می بودند"[4]

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۷
[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۷
[3] مناقب المحبوبین ص ۹۶-۹۵
[4] فخر الطالبین ص ۱۵ (قلمی)
[5] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۲۴

پیر سے اُن کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ زندہ رہے، ۶ مہینے مہار میں رہتے تھے، اور ۶ مہینے دہلی میں[1] شاہ فخرؒ بھی ان پر انتہائی شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ پنجابی میرے پاس نہ آتا تو میں دل میں ارمان لے کر دنیا سے جاتا[2]۔ ایک مرتبہ اُن کی مجلس میں حضرت سید رسول نما کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے۔ حق تعالےٰ نے ہمیں ایک ایسا مرید دیا ہے جو "خدا نما" ہے[3]

شاہ فخر صاحبؒ کا یہ دستور تھا کہ جب شاہ نور محمد صاحبؒ وطن کو روانگی کا قصد کرتے تو اپنے مریدوں کو اُن کی دعوتیں کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ ان کی خدمت میں نذر نیاز پیش کرو۔ چنانچہ جب شاہ نور محمدؒ وطن جاتے تو صد ہا روپیہ فتوح کا اُن کے پاس جمع ہو جاتا تھا[4]

ایک دن شاہ فخر صاحبؒ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اے نور محمد۔ سبحان اللہ۔ کہاں دکن، کہاں پاک پٹن۔ پروردگار کی قدرت دیکھ کہ مجھے دکن سے بلایا اور تجھے پاک پٹن سے بھیجا"۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از شام
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است[5]

معاصرین کی نظر میں شاہ نور محمد صاحبؒ ان ممتاز بزرگوں میں سے تھے، جن کے تعبد، ریاضت اور تبلیغی جد و جہد کی تعریف معاصرین تک نے کی ہے۔ ان کے پیر بھائی جس طرح تذکروں میں ان کا ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

---

۱ مناقب المحبوبین ص ۶۰

۲ مناقب المحبوبین ص ۴۶

۳ مناقب المحبوبین ص ۶۸

۴ مناقب المحبوبین ص ۴۶

۵ مناقب المحبوبین ص ۹۰

اپنے ہم عصروں کی نگاہ میں بڑی عزت اور وقعت رکھتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور بزرگ مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان سے استفادہ کیا تھا[1]۔ مناقب فخریہ کا مصنف ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"و مظہر اتم و مرید مراد اں حضرت و مقبول حضرت اللہ و محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرشد آفاق و ہادی اقوام و مامور از حضرت رسالت بتربیت خلائق مشغول بحق۔ فارغ از علائق، مخدومنا و مولانا خواجہ نور محمد است مد ظلہ العالی کہ چندیں ہزار کس نعمت از خوانش دریافتہ و لذت از مائدہ او چشیدہ"[2]

دوسرے معاصر، یعنی مصنف فخر الطالبین نے انھیں "افتخار درویشاں، مرہم دل ریشاں سر آمد اتقیا، جامع علوم حیا، صفائے چہرۂ محبوباں، کہربائے دل معشوقاں، مسند نشیں مسکنت و دانائے سر حلقہ درمندان الٰہی" لکھا ہے

حسین بخش فخریؒ نے ان کی تبلیغی مساعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

حضرت مولانا صاحب آں مخصوص خود را خلافت دادہ طرف سرزمین پاک پٹن روانہ نمود، ہرگاہیکہ میاں نور محمد در آں جا رفتہ سکونت ورزید۔ مردماں آں نواحی از خاص و عام، ہزار د

حضرت مولانا صاحب نے اپنے اُن مخصوص مرید کو خلافت دے کر پاک پٹن کی طرف روانہ فرما دیا۔ جوں ہی میاں نور محمد نے وہاں پہونچ کر سکونت اختیار کی۔ اس علاقے کے لوگ خاص اور عام، ہزاروں کی تعداد میں اُن کے

---

۱ انوار الرحمٰن ص ۷،

۲ مناقب فخریہ ص ۲۶ (قلمی)

ہزار، از میاں نور محمد تولا نمودند و مرید شدند و اکثر از آنہا خلافت نمودہ فیض رسان خاص و عام گشتند"	سلسلے میں منسلک ہونے لگے اور اُن میں سے بہت سے مُریدوں نے خلافت پائی۔ خاص و عام کی رہنمائی اور فیض رسانی کا کام کیا۔

علالت اور وصال شاہ نور محمدؒ کو اپنے پیر و مرشد شاہ فخر صاحبؒ سے عشق تھا۔ اُن کی وفات کا ان پر بے حد اثر ہوا[1]۔ پیر کے بعد گو وہ ۱۶ سال تک زندہ رہے۔ لیکن طبیعت کبھی خوش اور بحال نہ رہی۔ شاہ صاحبؒ کے وصال کے بعد فوراً ہی اُن کو "کاست بدنی" کی شکایت ہوگئی تھی۔ کچھ دنوں بعد اُن کے عزیز مرید اور خلیفہ حضرت نارووالہ صاحب نے وصال فرمایا۔ صدمہ دُگنا ہوگیا پیر اور مرید کے غم میں اُن کا مرض ترقی کر گیا۔ وصال سے ایک سال قبل، انھوں نے تمام اعزا و اقربا سے بے تعلقی اختیار کر لی۔ جب خاموشی کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا؛

کلام من تفسیر و حدیث است
بکدام گفتہ شود، و کہ می فہمد[2]

جب شاہ نور محمد صاحبؒ کی حالت نازک ہوئی تو مریدوں کو مزار کے متعلق اُن کی مرضی دریافت کرنے کا خیال ہوا۔ خواجہ محمد عاقل نے لوگوں کے اصرار پر دریافت کیا کہ حضور کا مزار کہاں بنایا جائے؟ جواب میں ارشاد ہوا

"من غیب داں نیستم، حق تعالیٰ می داند کہ کجا خواہم مرد"[3]	میں غیب کا جاننے والا نہیں ہوں حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ میں کہاں مروں گا۔

۳ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، کسی نے تاریخ وفات

---

[1]، [2] مناقب المحبوبین

[3] تکملہ سیر الاولیاء، ص ۲۵ - ۱۲۸

کہی ہے

حیف واویلا جہاں بے نور گشت[1]

۱۲۰۵ھ

مزار مبارک تاج سرور میں ہے۔ وہاں حضرت بابا فریدؒ کے پوتے اور شیخ بدرالدین سلیمانؒ کے بیٹے تاج الدین سرورؒ آسودہ ہیں اور ان ہی کی نسبت سے ان کا جگہ کا نام تاج سرور پڑ گیا ہے۔ فریدی خانوادہ کے لوگ بکثرت وہاں آباد ہیں۔ اسی بنا پر اسے "بستی چشتیاں" بھی کہا جاتا ہے۔ شاہ نور محمد صاحبؒ کو تاج سرور صاحبؒ کے مزار سے بڑی عقیدت تھی۔ ہر جمعہ کو وہاں جاتے تھے، اور وہیں خانقاہ بھی قائم کر لی تھی اُن کے متعلق ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا تھا کہ:

"شیخ تاج الدین سرور کامل مکمل اند، اما صاحب ارشاد نیستند[2]"

اولاد شاہ نور محمد صاحبؒ کی ایک زوجہ عظمت بی بی تھیں۔ اُن کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ تھے:

شیخ نور الصمد
شیخ نور احمد
شیخ نور الحسن

لڑکیوں کے نام یہ تھے: زینب بی بی اور صاحب بی بی۔ دونوں لڑکیوں کی شادی ہوگئی تھی۔ لیکن کسی نے اولاد نہیں چھوڑی[3]۔

شیخ نور الصمد، شاہ فخر صاحبؒ کے مرید تھے۔ شیخ نور احمد اپنے والد ماجد

---

[1] مہر کا سجع تھا ع "ز نور محمد جہاں روشن است"
مناقب المحبوبین ص ۹۱

[2] مناقب المحبوبین ص ۹۲

[3] مناقب المحبوبین ص ۱۰۴

سے بیعت تھے۔ شیخ نور الحسن، قاضی عاقل محمد کے حلقۂ مریدین میں شامل تھے۔ [1]

شاہ نور محمدؒ کے بعد اُن کے بڑے لڑکے شیخ نور الصمد مسندِ سجادگی پر بیٹھے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ قوم مہاران نے اُن کو شہید کر دیا۔[2] اُن کے بھی تین لڑکے تھے۔

شیخ نور حسین
شیخ غلام نبی
شیخ غلام مصطفٰے

تینوں علم وعمل، زہد وورع میں اپنے دادا کی مخصوص روایات کے حامل تھے۔ شیخ نور الصمد صاحبؒ کی شہادت کے بعد شیخ نور احمدؒ مسند نشین ہوئے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری کا بیان ہے:

"خاص وعام از شرق تا غرب از فیض وجود ایشاں بہرہ یاب اند"[3]	شرق سے غرب تک خاص اور عام اُن سے مستفیض ہوتے ہیں۔

شیخ نور احمدؒ کے چھ لڑکے تھے:

① —— میاں خواج محمود
② —— حافظ غلام فرید
③ —— حافظ نبی بخش
④ —— حافظ خدا بخش
⑤ —— حافظ قادر بخش
⑥ —— حافظ گنج بخش

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۹۱
[2] نافع السالکین ص ۱۰
[3] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۳۰
[4] حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مناقب فریدی ص ۲۳ وغیرہ

شیخ نور احمدؒ کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے میاں خواج محمودؒ مسند نشین ہوئے اُن کے بعد اُن کے لڑکے نور بخش سجادہ پر بیٹھے۔ اُن کے بعد میاں نور جہانیاںؒ اور خواجہ محمد یوسفؒ نے مسندِ سجادگی کو رونق بخشی۔ آج کل میاں محمود بخش صاحب سجادہ نشین ہیں۔ خواجہ نظام الدین صاحب اُن کے متعلق فرماتے ہیں:

وہ ایک نہایت برگزیدہ ہستی، صوم وصلوٰۃ کے پابند۔ احکام شرعی کے پورے عامل، عابد اور متقی ہیں۔ تمام اوقات نیک کاموں میں بسر فرماتے ہیں، اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر۔"[1]

---

[1] مکتوب خواجہ نظام الدین تونسوی بنام مصنف

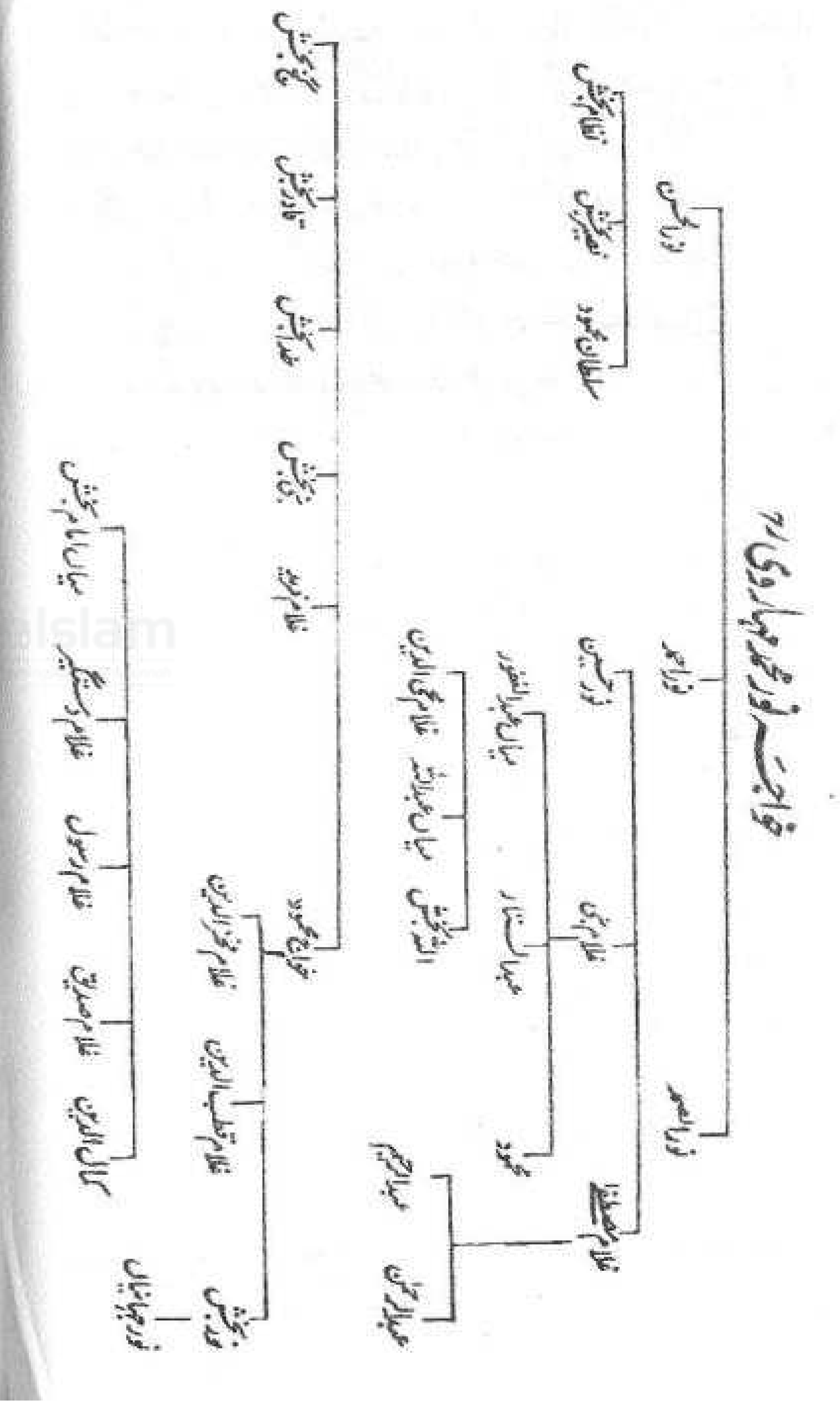

خلفاء و مریدین | خواجہ نور محمد صاحبؒ کے خلفاء نے تونسہ شریف، حاجی پور، چاچڑاں وغیرہ مقامات پر نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کیں اور سلسلہ کا فیض تمام پنجاب میں پھیلا دیا۔ ان کے مریدوں کی تعداد کافی تھی۔[۱] بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:

(۱) شاہ محمد سلیمان تونسویؒ
(۲) حضرت نارووالہ صاحبؒ
(۳) قاری عزیز اللہ
(۴) نواب غازی الدین
(۵) حافظ غلام حسین
(۶) قاری صبغۃ اللہ
(۷) میاں محمد فاضل نیکوکارہ
(۸) میاں غلام حسین بھٹی
(۹) غلام محمد کبڑی
(۱۰) حافظ ناصر
(۱۱) مولوی محمد مسعود جہانگ والا
(۱۲) نور الحق
(۱۳) غلام محمد سکنہ میراوالی
(۱۴) محمد غوث بجیدانہ
(۱۵) محمد بخش چشتی
(۱۶) اصالت خاں
(۱۷) نواب لطف اللہ خاں
(۱۸) مولوی نور محمد سکنہ نواح بہاول پور
(۱۹) مولوی محمد حسین
(۲۰) حافظ نبی
(۲۱) مولوی محمد اکرم ڈیرہ غازی خاں
(۲۲) مولوی محمد عجیب
(۲۳) اختیار خاں
(۲۴) مخدوم نوبہار اوچی صاحب
(۲۵) عبد الوہاب اوچی
(۲۶) مخدوم عبد الکریم
(۲۷) مخدوم محب جہانیاں
(۲۸) مولوی تاج محمود ساکن گڑھی
(۲۹) شیخ جمال چشتی. فیروزپوری
(۳۰) حافظ عظمت میرن شاہ
(۳۱) سید صالح محمد شاہ

شیخ نور محمد نارووالہ صاحبؒ | نارووالہ صاحبؒ شاہ نور محمدؒ کے عزیز ترین اور قدیم ترین خلیفہ تھے۔ پیر نے سب سے پہلے ان ہی کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ وہ بڑے جید عالم اور

۱؎ مناقب المحبوبین ص ۴۷

صاحب ذوق بزرگ تھے۔ شاہ فخر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میاں نارووالہ سے "بوئے شکربار" آتی ہے[1]۔ پہلی بار جب وہ شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں اپنے پیر کے ہمراہ حاضر ہوئے تھے تو شاہ صاحبؒ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا:

ماراازچشمان ایشاں عشق بنظر می آید"[2]	ہم کو ان کی آنکھوں سے عشق ٹپکتا نظر آتا ہے۔

مصنف مناقب فخریہ اُن کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"مولانا نور محمد ساکن نارو مردے است کہ در شان او ایں آیۃ کریمہ کافی است۔ حَاشَ لِلّٰہِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ"[3]

جس وقت وہ قبلۂ عالم سے مرید ہوئے تھے۔ اس وقت وہ خود بڑے اعلیٰ پیمانہ پر درس تدریس کے کام میں مشغول تھے۔ لیکن جب قبلۂ عالم کی خدمت میں پہونچے تو بزرگوں کی روایات کے مطابق اُن سے تصوف کی کچھ کتابوں کا درس لیا۔ رسالہ اسرار الکمالیہ میں لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین ملتانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تین آدمی (خود، نارووالہ صاحبؒ اور قاضی عاقل محمد) قبلۂ عالم کی خدمت میں لوائح، سواء السبیل، تسنیم وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ جب پڑھ کر اپنے مقام پر واپس آتے تھے تو پھر نارووالہ صاحبؒ سے اس کی تحقیق کرتے تھے۔

واگر در ظاہر ایں فیض از قبلۂ عالم بودے اما در حقیقت ایں ہمہ فیض ادراک مسائل و فہم آں کما حقہٗ از میاں صاحب نارووالہ بود کہ ما ہمہ را بہ بیان واضح می فہمانید"	اگرچہ ظاہر میں یہ فیض قبلۂ عالم کا ہوتا تھا لیکن حقیقت میں سب کچھ فیض اور مسائل کا ادراک میاں صاحب نارووالہ ہی سے حاصل ہوتا تھا کہ وہ ہر چیز کو صاف طریقہ پر سمجھا دیتے تھے۔

نارووالہ صاحبؒ شریعت و سنت کے بے حد پابند تھے۔ خیر الاذکار میں لکھا ہے:

"آں حضرت جامع شریعت و	حضرت شیخ شریعت، طریقت حقیقت

[1] مناقب المحبوبین۔ ص ۱۱۶۔
[2] مناقب فخریہ۔ ص ۱۲۹ (قلمی)

طریقت و حقیقت بود و پاس مراعات ظاہر شریعت بدرجہ اتم بود کہ ہیچ مستحبے فوت نمی شد و ہر دم با وضو می بودند در مراتب طریقت و آداب و مجاہدہ و ریاضت چناں مصروف بودند کہ ہیچ کس را یارائے ذکر امور دنیاوی نبودے"	کے جامع تھے۔ شریعت کا احترام اس قدر تھا کہ کبھی کوئی مستحب تک فوت نہ ہوتا تھا۔ ہر دم باوضو رہتے تھے۔ مراتب طریقت، آداب و مجاہدہ اور ریاضت میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ کسی کو اُن کے سامنے دُنیا کے امور کے ذکر کی جرأت نہ ہوتی تھی

اُن کے سینے میں عشق حقیقی کی آگ فروزاں رہتی تھی اور وہ ان ہی بھڑکتے ہوئے شعلوں سے اپنا دل بہلایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرید نے نواب غازی الدین خاں کے باغ[1] میں رنگ برنگ کے پھولوں کو دیکھنے کی درخواست کی فرمایا ؎

ما اسیراں را تماشائے چمن درکار نیست
داغہائے سینۂ ما کمتر از گلزار نیست[2]

نارووالہ صاحب بے حد منکسر المزاج بزرگ تھے۔ باوجود جید عالم ہونے کے اُن میں علمی غرور قطعاً نہ تھا۔ لکھا ہے:

باوجود آں کمالیت خود را چناں قاصر می دانستند کہ گویا مبتدی اند"[3]	باوجود اس کمال کے اپنے آپ کو اتنا قاصر سمجھتے تھے کہ گویا مبتدی ہیں۔

اپنے مریدوں کی اصلاح و بیت میں خاص دل چسپی لیتے تھے۔ اُن کے اوقات

[1] یہ باغ دہلی میں نواب غازی الدین خاں نے بنوایا تھا۔ نواب موصوف کو قبلۂ عالم سے بڑی عقیدت تھی اور ان سے خلافت پائی تھی۔
[2] مناقب المحبوبین ص ۱۰۹
[3] مناقب المحبوبین ص ۱۱۰

کے متعلق دریافت فرماتے اور مناسب موقع ہدایات دیتے تھے — ایک مرید کو لکھتے ہیں:

اوقات شریف را موزع دارند۔ وقت تعلیم تعلیم، وقت ذکر ذکر"۔[1]

شاہ نارو والہ صاحبؒ نے ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۲۰۴ھ / ۱۷۸۹ء کو وصال فرمایا۔ لفظ "چراغ" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ان کا مزار حاجی پور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ اُن کی قبر پر کسی قسم کا سایہ نہ ہو "تا مانع نورِ آسمانی نگردد"۔ اُن کے مریدوں نے یہ اطلاع شاہ نور محمد صاحبؒ کو کی۔ انھوں نے نہایت اصرار کے ساتھ اُن کے مزار پر عمارت بنوادی۔ شاہ نور محمدؒ کو اُن کے وصال سے سخت صدمہ ہوا۔ فرمایا:

"اگر میاں صاحب چندے	اگر میاں صاحب کچھ اور مہلت
مہلت یافتند، عالمے از ایشاں	پاتے تو ایک عالم ان سے روشن
روشن می شد"۔[2]	ہو جاتا۔

اور ان کے مریدوں کو ہدایت فرمائی کہ جب کوئی حاجت ہو تو بے تکلف ان سے کہہ دیا کریں۔

شاہ نارو والہ صاحبؒ کے ملفوظات مولوی محمد صاحبؒ نے خیر الافکار کے نام سے مرتب کئے ہیں۔

شاہ نارو والہ صاحبؒ کے ایک فرزند تھے جن کا نام حافظ محمد تھا۔ شاہ صاحبؒ کے بعد وہی مسند نشین ہوئے۔ اُن کے تین بیٹے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن،

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۱

[2] مناقب المحبوبین ص ۱۱۳

[3] خلاصۃ الفوائد (ملفوظ خواجہ نور محمدؒ) بحوالہ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۱

[4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۲ - مناقب المحبوبین ص ۱۱۷

مولانا عبدالرحیم اور مولانا غلام رسول

نارو والہ صاحبؒ کے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں:

①	عبداللہ خاں	ڈیرہ غازی خاں
②	مولوی محمد حسن	راجن پور
③	نور محمد بڈرہ	محمد پور
④	مولوی ابوبکر	حاجی پور
⑤	مولوی محمد کہلوی	(جامع خیر الاذکار)

مولوی حافظ غلام حسین | قبلۂ عالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ "تجرید، تفرید، توحید، میں یگانۂ زمانہ تھے۔ تمام عمر آستانۂ شیخ پر گذار دی۔ ۹ ر ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو وصال فرمایا۔ شاہ نور محمد صاحبؒ کے قریب سپردِ خاک کئے گئے۔ اُن کے خلفاء میں غلام مرتضیٰ صاحب بہت شہرت اور عظمت کے مالک تھے۔

نواب غازی الدین خاں | نواب غازی الدین خاں، شاہ فخر صاحبؒ کے مرید تھے اور قبلۂ عالم سے خلافت پائی تھی۔ قبلۂ عالم کے مناقب میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ذکرِ نور محمد آں ہمہ نور — گر نویسم جہاں شود پُر شور
دست نسبت عیاں کشید او را — جذب دل سوئے جاں کشید او را
پیکر او تمام پیکرِ جاں — ہست معنیش زگو ہر جاں

کارش از فخرِ دیں گرامی شد — وارثِ نسبتِ نظامی شد
شیخ در حق او چنیں فرمود — زما ہر چہ بودہ است ربود
ہم بگفتا کزیں جہاں آرا — شدہ امیدِ مغفرت ما را

ہست امروز او مرادِ جہاں — مرجع خاص و عام شیخ زماں

باب پنجم

حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ

حضرت شاہ نیاز احمدؒ، شاہ فخر صاحبؒ کے مشہور ترین خلفاء میں تھے، علم وفضل میں یکتائے عصر، زہد وتقویٰ میں بے مثال۔ بریلی میں ان کی خانقاہ مرجع خلائق تھی۔ تشنگان معرفت اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے دور دور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولانا غلام سرور کا بیان ہے:

خلق بے شمار بہ حلقۂ ارادت
وے درآمد ومردماں از اقالیم
دور و دراز یعنی از کابل وقندہار
وشیراز وبدخشاں بہ خدمت
بابرکت وے حاضر آمدہ مستفید
ومستفیض شدندہ[1]

بے شمار خلق ان کے حلقہ ارادت میں
شامل تھی۔ اور لوگ دور دراز ملکوں
سے یعنی کابل، قندہار، شیراز، اور
بدخشاں سے ان کی خدمت میں حاضر
ہوکر فیض اٹھاتے اور فائدہ حاصل
کرتے تھے۔

خود شاہ صاحبؒ کا عالم یہ تھا کہ عشق حقیقی کے نشے میں چُور رہتے تھے۔ درد عشق اُن کا

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۵۱۳

سرمایۂ حیات تھا۔ یہ آگ ہر وقت ان کے سینے میں سلگتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے شرارے شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ وہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن جب کبھی کہتے تھے اپنا دل نکال کر رکھ دیتے تھے۔ ان کے لفظ لفظ سے اثر ٹپکتا تھا۔ اُن کا شعر اعماقِ روح سے نکلتا اور سننے والے کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا کلام اس زمانہ کے صوفیہ میں بہت مقبول ہوا۔ صاحب خزینۃ الاصفیا نے لکھا ہے:

حضرت شاہ دل آگاہ بہ شعر رغبت تمام داشت۔ و اشعار آب دار متضمن حقایق و معارف گفتے۔ چنانچہ دیوان نیاز کہ از تصانیف آں حضرت است بسیار مرغوب و مطبوع طبع جماعت اصفیاء است۔ [1]	حضرت شاہ صاحب شعر کی جانب بڑی رغبت رکھتے تھے اور نہایت آب دار اشعار جن میں حقایق و معارف کا ذکر ہوتا تھا، کہتے تھے۔ چنانچہ دیوان نیاز جو ان کا کلام ہے جماعت صوفیہ میں بے حد مرغوب ہے۔

ولادت اور ابتدائی حالات شاہ نیاز احمد صاحبؒ کی ولادت سرہند میں ہوئی تھی۔ غلام سرور نے سال ولادت ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء دیا ہے لیکن خانقاہی تذکروں میں ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء درج ہے۔ اور اسی سے اُن کی زندگی کے اہم واقعات کی تطبیق ہوتی ہے والد ماجد شاہ رحمت اللہ صاحب طبیب تھے۔ بیٹے کے ساتھ بریلی آگئے تھے۔ اور یہیں اُن کا مزار ہے۔ شاہ نیاز احمد صاحبؒ جب سرہند کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو دہلی میں شاہ فخر الدین صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے حاضر ہوئے اور اپنی ذہانت اور دل جمعی کے باعث ۱۷ سال کی عمر میں معقول و منقول، فروع و اصول، حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر لیا۔ اساتذہ [2]

---

[1] جلد اول ص ۵۱۴   [2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے

میں شاہ فخر صاحبؒ کے علاوہ دو نام اور ملتے ہیں: مولوی خواجہ احمد خاں اور حکیم قدرت اللہ قاسم۔ علوم ظاہری سے فراغت کے بعد شاہ فخر الدین دہلویؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی، اور علوم باطنی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دن رات اسی میں غرق رہنے لگے۔ آپ کی لیاقت، استعداد اور سعئ پیہم سے پیر بہت متاثر ہوئے۔ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور بریلی میں اقامت کی ہدایت کی۔ بریلی پہونچ کر انھوں نے اپنی خانقاہ قایم کی، جو بہت جلد، بقول مولانا غلام سرور ”معدن فیوض ربانی“ اور ”مطلع انوار سبحانی“ بن گئی۔ جگہ جگہ سے لوگ آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو ہندوستان میں جو کچھ فروغ ہوا، وہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب دہلویؒ کے دو مریدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ شاہ نور محمد صاحبؒ نے پنجاب میں اور شاہ نیاز احمد صاحبؒ نے یوپی میں سلسلے کو خوب پروان چڑھایا۔

دہلی میں درس و تدریس اس زمانہ کے صوفیہ نے درس و تدریس کا کام اپنے پروگرام کا ایک لازمی جزو بنا لیا تھا۔ چنانچہ شاہ نیاز احمد صاحبؒ نے بھی کافی عرصہ تک دہلی میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ مصحفی نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی ”شانِ علم“ اور ”وجاہت“ دیکھی تھی۔ ریاض الفصحاء کے ایک بیان سے دہلی میں ان کی تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ بریلی میں بھی جاری رہا۔ اور یہاں ہندوؤں نے بھی اُن سے تلمذ حاصل کیا۔ راجہ کندن لال اشکی، راجہ رتن سنگھ زخمی اور راجہ منوں لال کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل فخر ہیں۔

مصحفی اور شاہ صاحبؒ مصحفی نے دہلی میں شاہ نیاز احمد صاحبؒ سے شرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[2] مجموعہ نغز (ج ۲ ص ۲۰۰) میں حکیم قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے: ”میاں نیاز احمد سلمہ الصمد مشقہائے بسیار در تحصیل علوم رسمیہ کشیدہ، محنتہائے بے شمار در استحصال فنون کسبیہ بحد رسیدہ“

[1] ریاض الفصحاء ص ۳۳۹

تلمذ حاصل کیا تھا۔ ریاض الفصحا میں لکھتے ہیں :

"چندروز میزان ہم از ایشاں در شاہ جہاں آباد خواندہ بود" [1]	میں نے چندروز شاہ جہاں آباد میں ان سے میزان بھی پڑھی تھی۔

جب مصحفی لکھنؤ چلے گئے اور ان کے شاعرانہ کمالات کا شہرہ شاہ صاحبؒ کے کانوں تک پہنچا تو اپنی ایک غزل مصحفی کو لکھ کر بھیجی ؎

کسیکہ سر نہاں است دور علن کہ ہمہ اوست
عروسِ خلوت و ہم شمع انجمن ہمہ اوست
ز مصحف رخ خوباں ہمیں نمود رقم
کہ خط و خال و رخ و زلف پرشکن ہمہ اوست
نظر بہ عیب مکن در طیور باغ وجود
کہ طوطیان چمن زاغ و ہم زغن ہمہ اوست
از سر عشق چو واقف شوی یقیں دانی
کہ قیس و لیلےٰ و شیریں و کوہ کن ہمہ اوست
شنیدہ ام بہ صنم خانہ از زبانِ صنم
صنم پرست، و صنم ہم صنم شکن ہمہ اوست
رساند مطرب خوش گو ہمیں ندا در گوش
کہ چوب و تار صدائے تنن تنن ہمہ اوست

شاہ صاحب بہ حیثیت اُردو شاعر شاہ نیاز احمد صاحبؒ کو سوز و گداز سے بھری ہوئی طبیعت قسام ازل سے ودیعت کی گئی تھی۔ عشق ان کے خمیر میں تھا۔ جذباتِ عشق و محبت کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ شعر بہت کم کہتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے اردو اور فارسی دونوں دیوان بہت مختصر ہیں [2] لیکن جو کچھ

[1] ریاض الفصحا ص ۲۲۹ [2] (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت میں کم نہیں۔ ان کی فکرِ رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو انتہائی حسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں آورد نہیں۔ وہ قلبی واردات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سوز و گداز، درد، علومعانی کے علاوہ نفاست، سلاست اور روانی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ انھوں نے فکر رسا پائی تھی۔ اور اس پر خود ان کو ناز تھا۔ کہتے ہیں ؎

رکھتے ہیں نیاز یہ اہل دل ترے شعر سننے کا اشتیاق
غزل ایک دوسری اور کہہ تجھے حق نے فکرِ رسا دیا

ایک جگہ اپنی فصیح البیانی کا ذکر کرتے ہیں ؎

بھلا ایک غزل اور بھی ایسی کہیو
تجھے میں فصیح البیان دیکھتا ہوں

سلاست اور روانی حضرت نیازؒ کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ وہ نہایت بلند خیالات کو انتہائی سادگی، نفاست اور دلکشی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس سادگی میں ادبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ یہاں آمد ہی آمد ہے، آورد کا نام نہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں :

روا‌ں آنکھوں سے ہے سیلاب گل گوں   الٰہی چشم ہے یا چشمۂ خوں

اے اہلِ نظر نرگسِ بیمار سے کہہ دو   اک تو ہی نہیں میں بھی ہوں ان آنکھوں کا مارا

کروں کیا بیاں ہم نشیں اثر اس کے لطف نگاہ کا   کہ تعینات کی قید سے مجھے ایک دم میں چھڑا دیا

فرشِ زمیں ہے خاک نشینوں کا بسترا   بے خان و مانِ عشق کا تکیہ ہے خشت سنگ
مجھ سے مریض کو طبیب ہاتھ تو اپنا مت لگا   اس کو خدا پہ چھوڑ دے بہر خدا جو ہو سو ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شاہ صاحبؒ کے دیوان کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلا ایڈیشن ۱۲۶۵ھ میں مطبع قطب الاخبار سے شائع ہوا تھا۔

غمِ جدائی کو ہم جانیں یا خدا جانے   بلاکشوں پہ جو گزری تری بلا جانے

بعض چھوٹی بحر کی غزلیں اپنی روانی، سادگی اور شگفتگی میں بے نظیر ہیں ؎

ستارے نہیں یہ شبِ تار کے   شرارے ہیں آہِ شرربار کے
مبارک رہے تجھ کو واعظ بہشت   میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے
جو دیکھے تجھے بلبل اے رشکِ گل   نہ پھٹکے کبھی گرد گلزار کے
صفائی ترے سلکِ دنداں کی دیکھ   ہوئے غرق دریا گہربار کے
کہاں فصلِ گل ہے کہاں وہ بہار   چلو مل کے رو دیں گلے خار کے
غزل اور ایسی ہی کہیو نیاز   کہ مشتاق ہیں تیرے اشعار کے

حضرت نیاز کو زبان پر بڑی قدرت تھی۔ وہ نہایت ہی سنگلاخ زمین میں بہت ہی بے تکلف شعر کہتے تھے اور کمال یہ ہے کہ ان اشعار میں بھی آورد کا شبہ نہیں ہوتا۔ ایک غزل کا مطلع ہے ؎

لشکرِ غم آ پڑا اقلیمِ دل پر ٹوٹ ٹوٹ
یاں ندائے الاماں تھی واں صدائے لوٹ لوٹ

اس زمین میں تقریباً ۲۰ شعر کہے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

چشمِ بد سے دور رہیو کیا ہی آب و تاب ہے   ہوں گی یہ آنکھیں بنائی موتیوں سے کوٹ کوٹ
دیکھ میرا خونِ اشک اس نے کہا شب مجھ کو دیکھ   تیری آنکھوں میں گئی میری حنا سب چھوٹ چھوٹ

شیفتہ نے گلشن بے خار میں ان کے یہ اشعار منتخب کئے ہیں۔[1]

وہ جو نقشِ پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی   سو کشش نے دامنِ ناز کی اسے بھی زمیں سے مٹا دیا
مجھے بے جنوں خوابِ عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال   یہ جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا
صبر و قرار و شکیب طاقت و تاب و تواں   اور تو سب چل بسے رہ گئی اک جان تو
ہجر کی جو مصیبتیں عرض کیں اس کے روبرو   نازو ادا سے مسکرا کہنے لگا جو ہو سو ہو

---

[1] گلشن بے خار ص ۲۳۳ نول کشور ۱۹۱۰ء

وحدتِ وجود | شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے دیوان کا اصل موضوع وحدتِ وجود ہے۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان کا سارا کلام اسی سے لبریز ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگارِ کثرت   گر سرِّ معرفت کو پاوے شعور تیرا

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا   از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا

عالم کہے جس کو جہاں یعنی جہان جسم و جان   شانیں ہیں سب اس ذات کی جس کو کہیے ہستا ایک

بے امتیاز بیش و کم دانے میں ہیں یہ سب بہم   بیخ و درخت و شاخ و گل میوہ برگ و بار ایک

طوطی ہو جب درِ استاں سو سو طرح سے دے نوا   ہر دم نئی بولے صدا اور ہے وہاں منقار ایک

نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہو جیو   ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا

جسے ذات بے رنگ و بے چوں کہیں ہیں   بہ ہر رنگ جلوہ کناں دیکھتا ہوں

صورتِ گل میں کھل کھلا کے ہنسا   شکلِ بلبل میں چہچہا دیکھا
شمع ہو کر کے اور پروانہ   آپ میں آپ کو جلا دیکھا
کر کے دعویٰ کہیں انا الحق کا   بر سرِ دار وہ کھینچا دیکھا

کائنات ان کے نزدیک ایک بحرِ رواں ہے، مسلسل اور متواتر۔

اگر کوئی جانے جہاں غیرِ حق ہے   سو میں اس کو دھوکا گماں دیکھتا ہوں
جو کچھ کہ پیدا ہے سب عینِ حق ہے   کہ ایک بحرِ ہستی رواں دیکھتا ہوں

ازل سے لے کے ابد تک وہی جو ہے سو ہے — بہ رنگ بحرِ رواں جس میں ہے نہ توڑ جوڑ

اسی مسئلے کو ریاضی سے بھی ثابت کرتے ہیں۔ جو رشتہ ایک (مبتداء الاعداد) اور دوسرے اعداد میں ہے وہی رشتہ خدا اور کائنات کے درمیان ہے۔

تعینات کے نقطوں سے ہے کثیر احد — وہی ہے ایک یہ دس سو ہزار لاکھ کروڑ

رہیں دیدۂ بینا میں ہم سا کم و بسیار ایک — کثرت نمایاں اتنی ہو جتنا کرے تکرار ایک

مسکین شاہ صاحبؒ سے روایت ہے کہ شاہ نیاز احمد صاحبؒ کی مجلس میں ایک بار حسین بن منصور کا ذکر تھا۔ فرمایا:

حضرت غوث الاعظم فرمودند کہ اگر وے در وقت ما بودے بیک توجہ مقامیکہ وے را بود میگزار نیدیم"[1]	حضرت غوث الاعظم صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر وہ (حسین بن منصور) ہمارے وقت میں ہوتے تو ہم ایک توجہ میں انھیں اس مقام سے آگے بڑھا دیتے۔

وحدتِ ادیان شاہ نیاز احمد صاحبؒ وحدتِ ادیان کے قائل تھے۔ ان کی حریتِ فکر و ضمیر کا یہ عالم ہے کہ کہتے ہیں ؎

یہ سب ادیان و ملل ہیں شاخ ہائے یک درخت — ایک جڑ سے ہیں یہ نکلی ڈالیاں سب پھوٹ پھوٹ

گر بادۂ توحید پئیں اہلِ مشارب — ہفتاد و دو ملت کی ہو تکرار فراموش

جو رب الحرم ہے صنم بھی وہی ہے — حرم و دیر میں یکساں دیکھتا ہوں
اسے برہمن اور اُسے شیخ مانے — یہ آپس کا جھگڑا یہاں دیکھتا ہوں

عشقِ حقیقی شاہ نیاز احمد صاحبؒ صوفی تھے، عشقِ الٰہی ان کے خمیر میں تھا۔ وہ عشق

---

[1] سراج السالکین قلمی، ص ۴

کے بندے تھے، عشق کی دنیا میں رہتے تھے۔ عارف رومؒ کی طرح اُن کے قلب کی دھڑکنوں میں یہ آواز پوشیدہ تھی ؎

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

عشق کے ان پر اتنے احسان ہیں کہ کہتے ہیں ؎

کہاں تک کہوں لطف و احسانِ عشق
کہ جوں جوں گھٹا میں بڑھایا مجھے
یہاں تک دیا مجھ کو حُسنِ عروج
کہ بندے سے مولا بنایا مجھے

عشق کی دنیا میں پہونچ کر وہ عقل و ہوش کو الوداع کہتے ہیں ؎

جونہی آمد آمد عشق کا مجھے دل نے مژدہ سُنا دیا
خرد و حواس و شکیب نے وہیں کوس کوچ بجا دیا
جب بر در دل حضرت عشق آن پکارے
گوشے ہوئی عقل اور ہوئے اوسان کنارے

جب شاہ فخر الدین صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ؎

جبھی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا لیا
جو کچھ لکھا پڑھا تھا نیازؔ نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

علوم ظاہری کو خیر باد کہہ کر وہ اس شان سے عشق کے میدان میں قدم رکھتے ہیں ؎

عشق کے میدان میں آ صورتِ انسان بنا
عاشقِ مولا ہوا چاند کا جیسے چکور

جذباتِ عشق ان کے سینے میں متلاطم ہوتے ہیں، بے اختیار پکار اٹھتے ہیں ؎

جوش زن ہے عشق کی مے اب خمِ دل میں نیازؔ
گہہ اُبل کر وہ گرے گہہ خم سے نکلے پھوٹ پھوٹ

کیا جوش میں ہے اب مے وحدت خم دل میں
ابلے ہے پڑی روحی وعطار سے کہہ دو

آتش عشق ان کے سینے کو جلا دیتی ہے ۔

کہیں عاشق نیاز کی صورت
سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

طوفان اشک امنڈتا ہے۔ بے اختیار نیاز کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں ۔

یا الٰہی زورق گردوں سنبھال
بے طرح امڈا ہے یہ طوفان اشک

ایک لمحہ رکتا ہے۔ سوچتا ہے کہ حقیقتاً اشکوں نے اس کی یاوری کی ہے ۔

بھک چکے تھے ہم تو اے یارو ابھی
گر نہ ہوتا اس گھڑی احسان اشک

عشق نے شاہ صاحبؒ کی شاعری میں ایک درد، سوز اور گرمی پیدا کر دی ہے جو جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ محسوس بھی کرتے ہیں، اس لئے اس کی آتش انگیزی بھی بے پناہ ہوتی ہے۔ ہر لفظ جو ان کی زبان سے نکلتا ہے۔ گرمی اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے ۔

تبحر علمی اور تصانیف | شاہ نیاز احمد صاحبؒ بڑے جید عالم تھے۔ ان کی تصانیف ان کی علمیت کی شاہد ہیں۔ عزیز میاں صاحبؒ نے خاکسار مصنف کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا ــــ "حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابیں ہیں۔ جن میں سے چند نام کے حسب ذیل ہیں :

(۱) شمس العین
(۲) رسالہ راز و نیاز
(۳) تحفہ نیاز بہ حضرت بے نیاز
(۴) رسالہ التسمیۃ المراتب
(۵) مجموعہ قصائد عربیہ

(۶) شرح قصائد عربیہ
(۷) حاشیہ شرح چغمنی "[1]

رسالہ شمس العین ان کی زندگی میں ہی علمی حلقوں میں مقبول ہو گیا تھا۔ ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں جب اس پر نظر ثانی کا ارادہ کیا تو اس خیال سے

از بسکہ ایں رسالہ در اکثر اکناف	چوں کہ یہ رسالہ اکناف و اطراف
و اطراف منتشر گشتہ و از نظر بسیاری	میں پھیل چکا ہے اور بہت سے صاحب
بزرگان صاحب حال گذشتہ	حال بزرگوں کی نظر سے گزرا ہے اس
و قبولیت یافتہ و تحریف و اصلاح	لئے ترمیم و اصلاح کو مناسب نہ سمجھا
صلاح کار ندیدہ برحال خود	اور ویسے ہی رہنے دیا ۔
داشت ؛	

شمس العین کی کئی شرحیں بھی شاہ صاحبؒ نے لکھی تھیں۔ جو کشف العین اور نور العین کے نام سے مشہور رہیں ۔

رسالہ راز و نیاز مختصر رسالہ ہے جس میں تصوف کے مسائل نیز اشغال وغیرہ سے بحث ہے۔ تحفہ نیاز تصوف کے مسائل سے منتہی طلبار کو روشناس کرانے کے لئے لکھا گیا تھا

رسالہ تسمیۃ المراتب کا موضوع بھی تصوف ہے۔ شاہ صاحبؒ نے منطق پر ایک رسالہ شاہ آل رسول مارہرویؒ کے واسطے املا کرایا تھا۔ بعض چھوٹے چھوٹے رسائل لیعرفون، لیعبدون، حاشیہ ملا جلال وغیرہ بھی ملتے ہیں۔ ان تصانیف میں شمس العین شاہ صاحبؒ کے افکار کی بہترین ترجمان ہے ۔

شاہ صاحبؒ کے اشعار سے بھی تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ فلسفہ و منطق وغیرہ کی

---

[1] مکتوب حضرت عزیز میاں بنام مصنف

اصطلاحات جگہ جگہ اپنے اشعار میں استعمال کرتے ہیں۔[1]

خلفاء و مریدین شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ان کے سلسلہ کی خانقاہیں قائم تھیں۔ حضرت عزیز میاں صاحبؒ نے ایک مکتوب میں ان کے خلفاء کی مندرجہ ذیل فہرست ارسال فرمائی تھی:

(۱) تاج الاولیاء شاہ نظام الدین صاحبؒ
(۲) مولوی عبداللطیف صاحب سمرقندی
(۳) مولوی نعمت اللہ خاں بخاری کابل
(۴) حافظ وزیر خواجہ کابل
(۵) مولوی محمد حسین مکہ معظمہ
(۶) میر محمد سمیع صاحب بدخشانی
(۷) مسکین شاہ صاحب ولایتی
(۸) ملا عوض محمد بدخشانی
(۹) مولوی یار محمد کابلی
(۱۰) محمد عثمان وزیر خیلی کابل
(۱۱) ملا جان محمد خاں اخون کابل
(۱۲) مخدوم عبدالشہید صاحب یارقندی
(۱۳) حاجی ہاشم صاحب کابل
(۱۴) محمد فخر عالم شاہ جہاں پوری
(۱۵) سید احمد علی شاہ آبادی
(۱۶) سید حشمت علی شاہ آبادی
(۱۷) میاں فخر الدین صاحب
(۱۸) خلیفہ وجیہہ الدین
(۱۹) مرزا اسد اللہ بیگ بریلوی
(۲۰) حاجی شرف الدین ردولی
(۲۱) سید صاحب شاہ زادہ کیر ڈراجمیر شریف
(۲۲) سید ضیاء الدین
(۲۳) محمد عبداللہ خاں صاحب شاہ جہاں پور
(۲۴) مولا داد خاں شاہ جہاں پور
(۲۵) مولوی محمود عالم پھپھرایونی
(۲۶) بخش اللہ شاہ آبادی
(۲۷) حکیم رحیم اللہ پھپھرایونی
(۲۸) مولوی عبدالرحمان جاورہ
(۲۹) غلام مولیٰ اکبر آبادی
(۳۰) محمد کفایت اللہ
(۳۱) مولوی عبیداللہ جی پھیلی
(۳۲) مولوی عبدالرحمان

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کا مضمون "حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی بہ حیثیت اردو شاعر" مطبوعہ رسالہ "اردو" اکتوبر ۱۹۵۳ء ص ۴۰

(۳۳) شاہ شمس الحق لکھنؤ
(۳۴) شاہ نور الدین بریلوی
(۳۵) مولوی مستان خاں شاہ جہاں پور
(۳۶) خلیفہ عبدالرسول کابل
(۳۷) مخدوم جی بدخشانی

سجادہ نشین شاہ نیاز احمد صاحبؒ نے ۶ رجمادی الاخری ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء کو بمقام بریلی وصال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے خلف اکبر حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی شاہ نصیر الدین بدایوں تشریف لے گئے تھے، اور وہیں ان کا لاولد انتقال ہوا۔ شاہ نظام الدین بڑے پایہ کے بزرگ تھے ہزاروں عقیدتمند ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شاہ محمد سلیمان پھلواروی کا بیان ہے کہ شاہ نظام الدین صاحبؒ باوجود ضعف و نقاہت اُن کے مواعظ میں شرکت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ عرض کیا کہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ جواب میں فرمایا: "بھئی یہ زمانہ اب لامذہبیت اور بے دینی کا آگیا ہے اور دینی و روحانی بیانات کی قدر لوگ کم کرنے لگے ہیں۔ اس لئے میں خاص کر آتا ہوں تاکہ اور لوگ بھی شرما شرمی شریک ہوجائیں اور مجالس وعظ کی رونق زیادہ ہو۔"[1] ان کے مریدوں میں دو بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں (۱) مولانا عبدالسلام صاحب نیازی دہلویؒ اور (۲) مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم پھپھرایونی، مولانا عبدالسلام صاحب جید عالم تھے۔ فلسفہ، ریاضی اور الٰہیات پر خاص نظر رکھتے تھے۔ وحدتِ وجود پر ان کی گفتگو بڑی پرجوش اور عالمانہ ہوتی تھی۔ ان کا ایک مختصر رسالہ کاشف الاسرار (فاتحۃ الکتاب) سورہ فاتحہ کی تفسیر میں شائع ہوچکا ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم بزرگوں کی دیرینہ روایات کے حامل تھے اور اپنے سلسلہ کے مشائخ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔

شاہ نظام الدینؒ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ محی الدین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے پھر شاہ صاحبؒ کے نواسے حضرت عزیز میاں صاحبؒ سجادہ پر

---

[1] خاتم سلیمانی حصہ چہارم ص ۹۶

بیٹے۔ وہ رازؔ تخلص کرتے تھے۔ شعر میں درد، ترنم اور سوز کی فراوانی پائی جاتی ہے انھوں نے شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے کچھ اشعار کی تضمین کی ہے۔ جن میں راز و نیاز کی باتیں بڑے انداز سے کہی ہیں۔ ان کے خلفا میں ایک بزرگ مولوی سید انوار الرحمٰن صاحب بسمل تھے جو بڑے زاہد، عالم، اور شگفتہ مزاج بزرگ تھے۔[1]

عزیز میاں صاحبؒ نے ۱ جنوری ۱۹۶۶ء کو وصال فرمایا۔ اُن کے بڑے لڑکے حسن میاں سجادہ نشین ہوئے۔ انھوں نے کل ۵۷ سال کی عمر پائی اور ۱۰ جون ۱۹۸۰ء کو رحلت کی۔ اب اُن کے بڑے بیٹے حسنی میاں سجادہ نشین ہیں۔ شاہ نیاز احمد صاحبؒ کی خانقاہ کو عزیز میاںؒ کے زمانہ میں بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ اُن کی شخصیت میں بڑی کشش تھی متعلقین اور منسلکین سلسلہ سے اُن کے روابط بہت گہرے اور مخلصانہ تھے۔

مسکین شاہ صاحبؒ | شاہ نیاز احمد صاحبؒ کے خلفا میں ایک خاص مرتبہ کے مالک تھے۔ قصبہ کشتوار نواح کشمیر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بزرگ عہدہ قضا پر مامور تھے۔ آپ بھی کچھ عرصہ قاضی رہے۔ پھر سب سرمایہ راہِ خدا میں لٹا کر دنیا سے کنارہ کش ہوگئے۔ سب سے پہلے قادریہ سلسلہ میں حضرت کنگال شاہؒ سے بیعت کی پھر نقشبندیہ سلسلہ میں حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ مسئلہ وحدت وجود پر کچھ اطمینان چاہتے تھے۔ بالآخر شاہ نیاز احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان ہی کے ہوگئے۔ حکیم محمد شاہ کشمیری نے ملفوظات مسکین شاہ میں ان کا یہ بیان نقل کیا ہے:

> "ملفوظات تاج المحققین حضرت مولانا نیاز احمد دامت برکاتہٗ فراہم نکردم سببش آنست کہ از ایشاں خرقہ تبرکاً یافتہ بودم نہ خلافتاً"[2]

---

[1] اُن کا کلام جو تصوف اور ادب کا گنجینہ ہے "وجدان و عرفان" کے نام سے اُن کے صاحبزادے سید مصباح الرحمٰن صاحب بخاری نے شائع کیا ہے (بزم راجستان جے پور)، نیز ملاحظہ ہو تذکرہ بسمل مرتبہ سید مصباح الرحمٰن بخاری (راجستان بک ڈپو۔ جے پور)

[2] سراج السالکین (قلمی) ص ۵ اب، اس کا عکسی نسخہ انعام الحق صاحب کے لطف و کرم سے مصنف کو حاصل ہوا۔

بایں ہمہ ان کی شہرت شاہ نیاز احمد صاحبؒ ہی سے تعلق کی بنا پر ہوئی شاہ صاحبؒ نے ان کو جے پور روانہ فرمایا۔ جہاں ہندو اور مسلمان سب ہی آپ سے عقیدت رکھنے لگے۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء کو وصال فرمایا۔ خزینۃ الاصفیاء میں تاریخ وفات لکھی ہے ؎

شاہ مسکیں چوں بحق شد واصل
رفت نزدِ خدا خدا آگاہ
گفت تاریخ رحلتش سرور
کہ امام بہشت مسکیں شاہ

۱۲۷۵ھ

ان کے خلیفہ سیکر میں شاہ ولی محمد صاحبؒ، فتح پور[1] میں محبوب علی شاہ صاحبؒ، کرنال میں فیض اللہ شاہ صاحبؒ، الہ آباد میں مولانا سکندر علی صاحبؒ، لکھنؤ میں گل محمدؒ، جے پور میں مولانا صادق علی شاہ صاحبؒ تھے۔ خانقاہ میں سجادہ نشینی اُن کی اولاد میں رہی اور اُن کے بیٹے ظہیر الدین شاہؒ مسند نشین ہوئے۔ پھر مظہر الحق شاہؒ اور مولانا فضل حق شاہؒ سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں مولانا فضل حق شاہؒ کا انتقال ہوا اور اُن کے بیٹے اکرام الحق شاہ صاحب خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ آج کل خانقاہ مسکین شاہ ان ہی کے زیر نگرانی چل رہی ہے۔ انھوں نے ۱۹۷۳ء میں اپنے بڑے بیٹے انعام الحق صاحب کی سجادگی کا اعلان کر دیا تھا۔ انعام الحق صاحب میں تصوف کا ذوق اور خانقاہی زندگی کی ضروریات کا احساس ہے۔ مسکین شاہ صاحبؒ کے ملفوظات حکیم محمد شاہ کشمیریؒ نے سراج السالکین کے نام سے جمع کئے ہیں۔

---

[1] ان کے حالات میں ایک مختصر تذکرہ حکیم سید اکرام حسین صاحب رضوی سیکری نے ۱۹۶۳ء میں سعید آرٹ پریس حیدر آباد سے شائع کیا تھا۔

باب ششم

حضرت خواجہ محمد عاقلؒ

خواجہ محمد عاقلؒ، حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے۔ پنجاب میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ چاچڑاں، کوٹ مٹھن، احمد پور وغیرہ مقامات کی خانقاہیں ان ہی کی کوششوں سے وجود میں آئیں حاجی نجم الدینؒ کا بیان ہے:

ہزارہا مخلوق از دروازۂ ایشاں	ہزارہا مخلوق نے ان کے دروازے
فیض یاب شدند، وصدہا صاحب	سے فیض پایا اور سینکڑوں صاحب
خانقاہا از ایشاں مبعوث شدند[1]	خانقاہ ان سے مبعوث ہوئے۔

اُن کے علمی تبحر، پابندیٔ شرع، بزرگانہ شفقت، اخلاق و مروت کا دور دور شہرہ تھا۔ لوگ بڑی عقیدت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ اُن ہی کی پُرخلوص جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ پنجاب کے نہایت ہی دور افتادہ اور غیر معروف علاقوں میں مذہبی اور روحانی تعلیم کا چرچا ہو گیا اور اُن کے خرمنِ کمال کے خوشہ چین دور دور پھیل گئے۔

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۳

خاندان ونسب | خواجہ محمد عاقلؒ ایک معزز فاروقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے اجداد کو شاہانِ مغلیہ اور امراءِ وقت کی نظروں میں خاص عزت حاصل تھی۔ اُن کے ایک بزرگ حضرت محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمد کا ارادت خاں (وزیر شاہ جہاں) مرید تھا۔ شاہ جہاں نے اُن کو پانچ ہزار بیگہ اراضی اخراجات کے واسطے دی تھی اور اس مضمون کا ایک فرمان عطا کیا تھا [1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ الخ

مورخہ بست و پنجم شہر ربیع الاول سنہ ۸
جلوس مطابق سنہ ۱۰۴۴ھ [2]

بدین مضمون کہ

درین زمان فرمان سعادت نشان فرخندہ عنوان بغرض اینکہ موازی پنج ہزار بیگہ زمین قابل زراعت از پرگنہ منگلوٹ سرکار صوبہ دارالامان ملتان در وجہ مدد معاش بنام خادمان کرامت نشان پیر و مرشد طریقت ہادی راہ حقیقت راہبر راہ شریعت و معرفت غواص بحر عرفان، زبدۂ خداپرستان حضرت قبلہ میاں صاحب مخدوم نور محمد کوریجہ دام اللہ ظلہ و خلفہ معہ فرزندان از ابتدائے فصل خریف بازگشت ارئی ہشت سنہ ۹۹۹

---

[1] مناقب فریدی ص ۴۷-۴۶   [2] مطابق ۱۶۳۴ء

فصلی مقرر راست امر رفیع القدر شرف صدور یافت کہ زمین مذکورہ بہ میاں صاحب معز الیہ عنایت فرمودیم کہ حاصلات آنہا فصل بفصل سال بسال صرف مایحتاج خود نمودہ دعائے خیر دولت ابد پیوند اشتغال می فرمودہ باشند، باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال و ابل پرگنہ اراضی مذکور در محل پیمودہ حسب الحکم اشرف الاعلیٰ این امر جلیل القدر را مستمر دانستہ در زمین مذکور از مالیہ سرکار یک صد و چہل چاہ چک بستہ و یک مسجد مبارک و سرائے رنگین پختہ درس خواندن طالب علماں ساختہ بتصرف میاں صاحب معز الیہ دہند و بوجہات و سائر جہات اخراجات شل مغلیہ و پیش کش و جرمانہ و خالصانہ و محصولانہ و دروغگانہ و مہرانہ و دہ نیمی مقدمی و صدودی و قانونگوئی و ضبط ہر سال و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و در ہر سال و ہر فصل سند مجدد نطلبند، واجب الارشاد عمل نمودہ تخلف نوازند۔" تحریر بتاریخ

مناقب فریدی میں عالمگیر اور شاہانِ مابعد کے فرامین بھی درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس جاگیر کو برقرار رکھا اور شاہ نور محمد کوریجہ سے اپنی عقیدت

کا اظہار کیا۔

نور محمد کوریجہ کے تین فرزند تھے: (۱) سلطان مخدوم (۲) مخدوم محمد یعقوب (۳) حاجی محمد اسحٰق اول الذکر نے لاولد وصال فرمایا، موخر الذکر کی اولاد بہروں ضلع ڈیرہ غازی خان میں آباد ہو گئی۔ محمد یعقوب کے دو بیٹے ہوئے:

(۱) مخدوم غلام حیدر۔ ان کا مزار دریائے سندھ کے کنارے یاراوالی میں ہے۔

(۲) مخدوم محمد شریف۔ ان کے دو بیٹے تھے: ایک قاضی نور محمد، دوسرے قاضی محمد عاقل۔ [۱]

مخدوم محمد شریف یاراوالی میں مقیم ہو گئے تھے اور وہاں ان کے کثیر تعداد میں مرید ہو گئے تھے۔ وہ بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ زہد و ورع، قناعت و توکل میں یگانۂ روزگار تھے۔ حاجی نجم الدینؒ نے لکھا ہے کہ وہ "عالم باعمل" اور "صاحب برکت" تھے[۲] خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان کو زہد و ورع میں لاثانی بتایا ہے[۳]

کوٹ مٹھن | مناقب فریدی میں کوٹ مٹھن کے آباد ہونے کے متعلق یہ روایت درج ہے کہ جب مخدوم محمد شریف یاراوالی میں آکر آباد ہوئے تو مٹھن خاں بلوچ رئیس یاراوالی ان کا مرید و معتقد ہو گیا۔ ایک دن آپ کا گذر اس جگہ سے ہوا جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے۔ دریا کے کنارے پر یہ پُرفضا مقام دیکھ کر آپ نے خان موصوف سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور وہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ خان نے یہ تجویز قبول کر لی۔ اور مخدوم سے گذارش کی کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں۔ اس طرح کوٹ مٹھن وجود میں آیا[۴] مخدوم محمد شریف کی صحبت کی کشش نے دُور دُور سے علماء و مشائخ کو کھینچ بلایا۔

---

[۱] مناقب فریدی ص ۴۸ — [۲] مناقب المحبوبین ص ۱۱۹

[۳] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۸ — [۴] مناقب فریدی ص ۴۹

اور اس کی حیثیت بہت جلد ایک روحانی مرکز کی ہو گئی۔

کوریجہ لقب | شاہ محمد عاقلؒ کا خاندانی لقب کوریجہ تھا۔ شاہی فرامین میں ان کے بزرگوں کے نام کے ساتھ یہ لقب ملتا ہے۔ حاجی نجم الدینؒ نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ خواجہ صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ ایک دن مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے اور پوچھا کہ کیا کسی نے اذان کہہ دی ہے؟۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے مٹی کے ایک برتن کو جو قریب ہی رکھا تھا اٹھایا اور کہا کہ اے "کوزہ" تو اذان کہہ اس وقت سے ان کو "کوریجہ" کہنے لگے۔ کوزہ کو سندھی زبان میں "کورا" کہتے ہیں اور کہنے کے لئے "جا" استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ "کوراجو" ہو گیا۔ جس کے معنی ہوئے "کوزہ بگو" رفتہ رفتہ کوراجو سے کوریجہ ہو گیا۔ [۱]

تعلیم | خواجہ محمد عاقلؒ نے بہت تھوڑی عمر میں کلام پاک حفظ کر لیا تھا[۲]۔ اُن کے والد ماجد مخدوم محمد شریف جو "محدثِ دوراں"[۳] تھے خود اُن کو تعلیم دیتے تھے۔ فاضل باپ نے اپنے ہونہار بیٹے میں علم و ادب کا وہ ذوق و شوق پیدا کر دیا جو آخر عمر تک ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ اور جس سے ہزاروں شائقینِ علم و ادب نے فائدہ اٹھایا۔

خواجہ صاحب نے اپنے والد کے علاوہ شاہ فخر صاحبؒ اور خواجہ مہارویؒ سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ شاہ فخر صاحبؒ نے ان کو شرح عبدالحق اور سوار السبیل کا درس دیا تھا[۴]۔ خواجہ مہارویؒ سے انھوں نے حدیث کی سند حاصل کی تھی[۵]۔

---

[۱] مناقب المحبوبین ص ۱۱۹ - ۱۱۸ — [۲] مناقب فریدی ص ۵۰

[۳] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۹ — [۴] مناقب المحبوبین ص ۱۲۱

[۵] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۸۰ - ۱۷۹ پر سلسلہ حدیث اس طرح درج ہے:
شیخ محمد عاقلؒ، شیخ نور محمدؒ، شیخ فخر الدین دہلویؒ، شیخ نظام الغوری ثم اورنگ آبادیؒ
شیخ حافظ محمد اسعد الانصاری المکی ثم اورنگ آبادی، شیخ محمد ابراہیم کردی شہرا وزیؒ،
شیخ محمد ابراہیم کردیؒ

خواجہ صاحب کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جزوی مسائل تک صحت اور حوالوں کے ساتھ یاد رہتے تھے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری کا بیان ہے کہ:

در عصر خود شرقاً غرباً مماثل آنحضرت	شرق و غرب میں ان جیسا اس زمانہ
در علم ظاہری ہم کسے نبود [1]	میں علم ظاہری میں کوئی نہ تھا۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

"خلوص علم از اصول و فروع باں مشابہ
بود کہ بدرجہ اجتہاد رسیدہ بود" [2]

قیام مدارس اور سلسلہ درس و تدریس | خواجہ محمد عاقل کو ابتدا ہی سے درس و تدریس کا بڑا شوق تھا انھوں نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ بڑے بڑے عالم اس مدرسہ میں درس و تدریس کے لئے مقرر کئے۔ وہ خود سو سے زیادہ طلبار کو درس دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی ایک لنگر خانہ بھی تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شدانی تشریف لے گئے تو وہاں بھی مدارس قائم کئے اور طلبار و اساتذہ کے لئے لنگر کی سہولتیں بہم پہنچائیں [3]۔ ان کے قائم کئے ہوئے مدارس میں جن کتابوں کی تعلیم کا خصوصی ذکر ملتا ہے وہ یہ ہیں:

مشکوٰۃ شریف، احیاء العلوم، صحیح بخاری، لوائح و شرح قصیدہ، سواء السبیل تسنیم، فصوص الحکم، شرح وقایہ مع حواشی، ہدایہ، شرح مواقف، شرح ہدایۃ الحکمۃ، میر ہاشم، شرح عقاید، خیالی، مطول وغیرہ۔ [4]

خواجہ مہاروی کی خدمت میں | تحصیل علم کے بعد خواجہ محمد عاقل اور اُن کے بڑے بھائی میاں نور محمد کو اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے لئے مرشد کامل کی تلاش اور جستجو پیدا ہوئی۔ اگرچہ خود ان کے والد ماجد بڑے صاحب کمال بزرگ تھے لیکن

---

[1] تکملہ سیر الاولیار ص ۱۳۹ — [2] ایضاً

[3] تکملہ سیر الاولیار ص ۱۴۰ — [4] ایضاً

بقول خواجہ گل محمد

"داعیہ آنجناب شہباز بلند پرواز بود" [1]

اسی اثنا میں خواجہ مہاروی کی شہرت سُنی۔ اتفاقاً ان کے بڑے بھائی کی موضع یارن والی میں خواجہ مہاروی سے ملاقات بھی ہوگئی۔ پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہوگیا:

"صولت و ہیبت آں بادشاہ گدا
لباس در گرفت" [2]

اور زبان حال سے بے اختیار یہ اشعار پڑھنے لگے ؎

بشبہائے سیہ کے بد امیدم
کہ روزے گردد ایں روز سفیدم
شبم را صبح فیروزی برآید!
غم و رنج شبانروزی سرآید
کہ بودم گمرہی در ظلمت شب
رسیدہ جان ز گمراہیم برلب
برآمد از افق رخشندہ ماہے
بکوئے دوستم بنمود راہے [3]

اسی رات کو ایک قاصد خواجہ محمد عاقل کو بلانے کے لئے کوٹ مٹھن بھیجا گیا وہ فوراً آکر ملے اور اوچ میں خواجہ نور محمد کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے۔

دہلی کا سفر اور شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضری | خواجہ محمد عاقل کو کئی مرتبہ [4]

---

[1] و [2] تکملہ سیر الاولیار ص ۱۳۵ — [3] تکملہ سیر الاولیار ص ۱۳۶

[4] مناقب فریدی میں ان کے تین مرتبہ دہلی تشریف لانے کا ذکر ہے۔ تکملہ میں لکھا ہے کہ دو مرتبہ دہلی گئے (ص ۱۳۶)۔ مناقب المحبوبین نے فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ لکھا ہے کہ دو تین مرتبہ رفتہ اند۔ ص ۶۰، ۵۹

شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ پہلی بار جب وہ خواجہ مہارویؒ کی ہمراہی میں مہار سے دہلی تشریف لائے تھے تو سارا سفر پاپیادہ کیا تھا۔ جب مرشد نے اس کا سبب دریافت کیا تو عرض کیا "میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ حضرت شاہ فخر صاحبؒ کی زیارت کو پاپیادہ جاؤں گا"[1] دوسری مرتبہ وہ دہلی اس طرح آئے کہ پہلے اپنے وطن سے مہار خواجہ مہارویؒ کی خدمت میں گئے، وہاں معلوم ہوا کہ خواجہ صاحبؒ دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ فوراً دہلی کا رخ کردیا۔ دہلی پہونچے تو شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کچھ پاس نہ تھا۔ صرف ایک لوٹا تھا اس کو فروخت کرکے مٹھائی خریدی۔ خواجہ مہارویؒ کو اس کا علم ہوا تو دو اشرفیاں دیں کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کردو۔[2]

مناقب فریدی میں لکھا ہے کہ دوسری بار جب وہ شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تھے، تو علاوہ فیضِ باطنی کے کچھ مسائلِ تصوف بھی سمجھے تھے،[3] مناقب المحبوبین کا بیان ہے کہ انھوں نے شاہ فخر صاحبؒ سے شرح عبدالحق اور سواء السبیل پڑھی تھیں[4] آخری بار جب وہ مولانا فخر صاحبؒ سے رخصت ہوئے تو انھوں نے چار کتابیں عنایت فرمائی تھیں۔ (۱) مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اس پر مولانا کے ہاتھ کا حاشیہ لکھا ہوا تھا۔ مناقب المحبوبین کے مصنف نے اس نسخہ کی زیارت کی تھی۔ (۲) کتاب مطول۔ (۳) سواء السبیل۔ (۴) ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی، شرح رباعیات جامی وغیرہ تھی۔[5]

مجاہدات | قاضی محمد عاقلؒ نے نہایت سخت مجاہدات کئے تھے۔ حافظ محمد جمالؒ کا بیان ہے

[1] و [2] تکملہ ص ۱۴۷، مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ خواجہ مہارویؒ نے ۴۰۰ اشرفیاں پیش کرنے کے لئے دی تھیں۔ (ص ۱۲۲)

[3] مناقب فریدی ص ۵۸

[4] و [5] مناقب المحبوبین ص ۱۲۱

قاضی صاحبؒ نے جتنے مجاہدے کئے ہیں، مشکل سے کوئی دوسرا شخص کرسکتا ہے۔[1] ذکر جہر میں ان کو بڑی دلچسپی تھی۔ آخر زمانہ میں بھی، جب ان کا بدن پیرانہ سالی کے باعث کمزور اور نحیف ہوگیا تھا، وہ نہایت پابندی سے ذکر جہر کرتے تھے۔ ان کے ذکر کی آواز میلوں تک جاتی تھی۔[2] نواب غازی الدین خاں نے اسماء الابرار میں لکھا ہے کہ قاضی صاحبؒ کے ذکر کی آواز مہار سے شہر فرید تک (جو تین چار میل کے فاصلہ پر ہے) جاتی تھی۔[3]

قاضی صاحبؒ "حبس دم" کی بھی مشق کرتے تھے۔ خواجہ گل محمد کا بیان ہے کہ انھوں نے مجاہدۂ حبس دم کو کمال تک پہونچا دیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے:

شغل حبس مثل مار بر گنج است ہر کہ
اگر نداند ترسد بگنج می رسد۔[4]

شغل حبس دم خزانے پر سانپ کی مانند ہے جو اس کے نقصان سے نہیں ڈرتا وہ خزانہ تک پہونچ جاتا ہے۔

عبادت میں مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ان لوگوں سے جو بلا ناغہ حاضر خدمت ہوتے تھے، یہ دریافت فرمالیتے تھے کہ اتنے دنوں کہاں رہے۔ کوئی جواب میں عرض کرتا کہ بندہ تو روزانہ حاضر ہوتا ہے تو فرماتے: "من ندیدہ ام"۔[5]

قید و بند کے مصائب | قاضی محمد عاقل کے بڑے بھائی قاضی نور محمد ڈیرہ غازی خاں میں ٹھیکے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ٹھیکے کی رقم ادا نہ ہوئی تو ناظم ڈیرہ نے شاہ محمد عاقلؒ کو جو ضامن تھے، حراست میں لے لیا۔ ۹ مہینے تک شاہ صاحبؒ نے قید و بند کے مصائب برداشت کئے۔ اس زمانہ میں بھی انھوں نے اپنا سارا وقت عبادت اور ریاضت میں صرف کیا۔ رہائی کے بعد فرمایا کرتے تھے۔

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۷

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۸

[3] بحوالہ مناقب المحبوبین ص ۱۱۹

[4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۸

[5] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۵

اگر آں نہ ماہ مرا بدست نمی آمد	اگر وہ تو مہینے (قید و بند کے) مجھے میسر
شاید از نتیجہ شغل بے نصیب می رفتم [1]	نہ آتے تو شاید شغل کے ثمرہ سے محروم رہتا۔

قید کے زمانہ میں پیر و مرشد کی جانب سے حضرت نارووالہ صاحبؒ نے متعدد بار رہائی کے لئے اعمال ان کے پاس بھیجے۔ لیکن انھوں نے کوئی عمل نہیں پڑھا۔ بعد کو جب لوگوں نے عمل نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

"برائے خلاص نفس خود عمل کردن حیا دامن گیر می شد" [2]

مقبولیت خلافت ملنے کے بعد کچھ عرصہ تک خواجہ محمد عاقلؒ نے سلسلہ کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی۔ شیخ مہارویؒ کو علم ہوا تو نہایت سختی کے ساتھ لکھا کہ "تم فیض کو عام کیوں نہیں کرتے اور خلق اللہ کو داخلِ سلسلہ کیوں نہیں کرتے۔ میں اس کی اطلاع شاہ فخر صاحبؒ کو کروں گا۔" یہ سن کر خواجہ صاحب لرز گئے اور نہایت ادب سے عرض کیا:

کدام کس پیش من آمدہ است	کون شخص ایسا ہے جو میرے پاس آیا
کہ آں رد نمودم۔ اگر مرضی مبارک	ہو اور میں نے اسے رد کر دیا ہو۔ اگر
باشد خود بہ خود بگویم"	آنجناب کی مرضی ہو تو خود بخود اس
	کی تحریک کر دیا کروں۔ (کہ وہ میرا
	مرید ہو جائے۔

اپنے مرید کا یہ انکسار اور عجز دیکھ کر خواجہ مہارویؒ کو جوش آگیا۔ فرمانے لگے:

اے میاں صاحب! روزے	میاں صاحب! ایک دن آئے گا
باشد کہ ملائک آسماں بنام شما	کہ آسمان کے فرشتے تمہارے نام کی منادی
منادی دہند، و خلائق از شرق	کریں گے اور خلقت مشرق اور مغرب

[1]، [2] تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۴۹
[3] تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۵۰

و غرب بر آستان شما جبہہ سایند	تمہارے آستانہ پر جبہہ سائی کرے گی
سبحان اللہ! شما می فرمائید کہ	سبحان اللہ! تم کہتے ہو کہ میرے پاس
پیش من کسے نمی آید [1]	کوئی نہیں آتا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد پیر کی پیشین گوئی صحیح ہوئی اور عقیدت مندوں کے ہجوم ان کے گرد لگ گئے۔

فتوح اور لنگر قاضی صاحب کا لنگر ابتدائی زمانہ سے ہی جاری تھا۔ طلباء اور فقراء کو اس سے کھانا ملتا تھا۔ لیکن ایک زمانہ شاہ صاحب پر ایسا بھی گذرا تھا کہ مسلسل فاقہ رہتا تھا اور لنگر کے سب متعلقین، فقرا اور طلباء کو یہ مصائب برداشت کرنے پڑتے تھے۔

خواجہ گل محمد احمد پوریؒ اس تنگی اور عسرت کے زمانہ میں قاضی صاحبؒ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب فتوح میسر نہ آتی تو کچھ نہ پکتا تھا۔ جب کچھ آجاتا تو کھانے کا انتظام ہو جاتا۔ لیکن خود خواجہ صاحب کا عالم یہ تھا کہ جب تک تمام متعلقین، درویش اور طالب علم کھانا نہ کھا لیتے، خود کھانے کو ہاتھ تک نہ لگاتے تھے [2]

خواجہ گل محمد ہی نے لکھا ہے کہ ان کے متعلقین وغیرہ کی تعداد پانچسو تھی [3] اور یہ تعداد اس وقت تھی جب فقر و فاقہ کے مصائب بھی برداشت کرنے پڑتے تھے۔ جب باب فتوح کھل گیا تو لنگر سے کھانے والوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ لکھا ہے:

در آں وقت نہ واردین را تعداد	اس وقت نہ آنے والوں کا شمار تھا،
بود، نہ طعام را انداز، یکے دربار	نہ کھانے کا انداز۔ ایک شاہی دربار
شاہنشہی بود۔ [4]	تھا (جو چلتا رہتا تھا)

[1] تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۵۰
[2]، [3]، [4] تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۴۹

اتباعِ سنت | خواجہ محمد عاقلؒ اتباعِ سنت کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ احکامِ شریعت اور سنتِ نبوی پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ وصال سے کچھ پہلے حضور سرورِ کائناتؐ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں :

"تو مارا بسیار خوش کردی کہ ہمگیں سنتہائے مارا زندہ کردی" [1]

خواجہ جلال پوری فرمایا کرتے تھے کہ ان کو درجۂ فنا فی الرسول حاصل تھا۔ [2]

توزیعِ اوقات | خواجہ محمد عاقلؒ اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ مغرب کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد شغل و ذکر میں مصروف ہو جاتے تھے۔ پھر کھانا کھا کر عشاء کی نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد مریدوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر ذکر جہر کرتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ طلباء کو درس شام کے وقت دیتے تھے۔ ڈیڑھ پہر دن باقی ہوتا تھا کہ اُن کا حلقۂ درس شروع ہو جاتا تھا۔ [3]

لباس و خوراک | خواجہ صاحبؒ عمدہ لباس زیبِ تن فرماتے تھے۔ شاہ فخر صاحبؒ نے ہدایت کی تھی کہ لطیف لباس اور لطیف غذا استعمال کرنا۔ یہ نصیحت سن کر ان کو بہت تعجب ہوا تھا لیکن پھر جب انھوں نے رسالہ خواجہ عبید اللہ احرار میں لکھا دیکھا کہ

سالک را باید کہ غذا و لباس	سالک کو چاہیئے کہ غذا اور لباس
لطیف استعمال کند۔ کہ انوار	لطیف استعمال کرے اس طرح
لطیف وارد می شود" [4]	لطیف انوار (قلب پر) وارد ہوتے ہیں۔

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۳

[2] ذکر حبیب ص ۸۰-۷۹ ؛

[3] مناقب فریدی ص ۵۵-۵۴ ؛ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۲

[4] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۴ ؛ مناقب فریدی ص ۵۵

تو شاہ فخر صاحبؒ کی نصیحت کی حکمت ان کے ذہن نشین ہو گئی۔

خواجہ صاحبؒ کا قمیص سینے پر سے چاک رہتا تھا۔ کلاہ قادری سر پر ہوتی تھی۔ جب باہر تشریف لے جاتے تو سرِ مبارک پر دستار یا سلاری (لنگی) باندھ لیتے تھے۔ تکملہ میں ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے :

پاجامہ از توسیلہ سیاہ و پاتہ بند سیاہ
مستعمل می شد، و بر دوش لونگی فقر یا لاچہ
یا دوپٹہ یا سلاری بہر کیف می رسید مستعمل می شد

ریشمین کپڑا کبھی استعمال نہ کرتے تھے۔

خواجہ صاحبؒ بہت قلیل الطعام تھے۔ تکملہ میں لکھا ہے :

در اکل و شرب آں حضرت از شصت و ہشت درم ارد ہفت
نان تنک و نرم تیار کردہ می شد بایں طریق کہ بر تابہ نیم پختہ
نمودہ بعد ازاں بر اخگرہا تمام پختہ می شد بایں صورت نان
تمام نرم می شود ———— ازاں نانہا دو نیم نان گہے
سہ بشوربہ چوزہ یا دال مونگ یا شلغم تناول می فرمودند و ہم
چنیں وقت شب می کردند"

اخلاق | شاہ صاحبؒ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ امیر و غریب، بوڑھے اور جوان سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ سب سے یکساں شفقت اور انکساری سے ملتے تھے۔ ہر ملنے والا یہ سمجھتا تھا کہ جس قدر التفات و اکرام اس پر ہے کسی پر نہیں۔ اکثر اوقات ایسا دیکھا گیا کہ بعض لوگوں نے بازو پکڑ پکڑ کر اپنی طرف رجوع کیا، لیکن آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے ان کو جواب دیا۔ لوگ زور زور سے گفتگو کرتے لیکن

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۴ مناقب فریدی ۵۵

[2] تکملہ ص ۱۴۳

آپ نہایت آہستگی اور خندہ روئی سے ان کو مطمئن کرتے۔ بعض مرتبہ خود ہنس کر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ میرے بازو پکڑ کر اور زور زور سے چیخ کر مخاطب کرتے ہیں، گویا میں بہرا ہوں۔ ؎۱

اصلاح مریدین | شاہ محمد عاقلؒ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ وہ ان میں صحیح مذہبی جذبات، خدا پر بھروسہ اور اس سے ہر مشکل میں مدد مانگنے کا صحیح جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ چیچک کے عمل کے متعلق ذکر ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے:

نسبت اثر بخود کردن عین شرک است
موثر حقیقی حق تعالیٰ است" ؎۲

شاہان مغلیہ کی عقیدت | اکبر شاہ ثانی نے شاہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شکوہ کو قاضی محمد عاقل صاحبؒ کا مرید کرایا تھا۔ بہادر شاہ ظفر کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ ایک شعر میں کہتا ہے ؎

دل فدا کرتے ہیں نام فخر دیں پر اے ظفر
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

وصال | قاضی صاحب تقریباً چار مہینے تک علیل رہے۔ ایک دن فرمانے لگے:

امروز در تمام ہرج سفر کشیدیم خوب شد
کہ بہ منزل رسیدیم۔ ؎۳

حاضرین حیران ہو گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ خواجہ گل محمد احمد پوریؒ یہ الفاظ سن کر رونے لگے

؎۱ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۴۴
؎۲ تکملہ ص ۱۹۵
؎۳ مناقب فریدی ص ۳۶
؎۴ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۵۱

اسی دن شاہ صاحبؒ نے انتقال فرمایا۔ شدانی سے کوٹ مٹھن لا کر سپرد خاک کیا گیا۔ ؎۱

۸ رجب ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء کو یہ واقعہ پیش آیا۔ تاریخ وصال ہے ؎

دل زداغ درد پُر سوز و لہب
جاں بلب شد چوں سخن گوید بلب
رفت از دار فنا سوئے بقا
رہبر دین ہدیٰ عالی نسب
مظہر نور محمد، فخر دین
شہ محمد عاقل، محبوب رب
ہادیٔ خلق خدا رفت از جہاں
حسرتا دردا و دریغا صد عجب
آہ واویلا و صد افسوس و درد
کز جہاں نور جہاں شد محتجب
خم تہی گشت و نماندہ صاف دُرد
درد باقی بہر مست و مضطرب
چونکہ تاریخ وصال
از دل پُر درد خود کردم طلب

؎۱ خواجہ صاحبؒ کا مزار ابتدا میں کوٹ مٹھن کے قدیم شہر میں تھا۔ ۱۹۱۹ء میں دریائے سندھ کے سیلاب میں قدیم شہر غرق ہو گیا اور مزار کو بھی نقصان پہونچا۔ جسد مبارک کو اس کے موجودہ مقام پر لا کر دفن کر دیا گیا۔ دیکھئے

H. A. Rose, Glossary of the Tribes and Castes of the Punjab and North-West Frontier Province, I p. 599

سر ز جیب بیخودی بر کرد و گفت
روز ہشتم بود از ماہ رجب ؎۱

سجادہ نشین | قاضی محمد عاقل صاحبؒ کے بعد ان کے صاحبزادے میاں احمد علیؒ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ طبیعت سادہ پائی تھی۔ فطرتاً خلیق تھے۔ ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء کو وصال فرمایا۔ کوٹ مٹھن میں سپرد خاک کئے گئے میاں احمد علیؒ کے دو لڑکے تھے:

(۱) میاں خدا بخش

(۲) خواجہ تاج محمود

میاں احمد علیؒ کے بعد میاں خدا بخش مسند نشین ہوئے۔ کچھ دنوں کوٹ مٹھن میں رہے، پھر چاچڑاں کو اپنا مستقر بنا لیا۔ مصنف تکملہ نے ان کی نسبت لکھا ہے:

انوار اسرار از ناصیۂ مبارک او ہویدا است
کہ مثل ایں وجود شریف کم کسے دیدہ باشد۔
در علم و حلم و جاہ و سخا در یں زمانہ عدیل او کسے
نیست، و قدم بر قدم جدِ خود حضرت سلطان
الاولیا می رود۔ و ترک یک مستحب از ان ذات
فائض البرکات نیامدہ باشد۔ ؎۲

مرزا محمود شاہ کے دو شعر ان کے متعلق بہت مشہور ہیں ؎

فقر گر خواہی برو در چاچڑاں — ہست محکم فیض حق سرکار ما
بن گیا کامل جو پہنچا چاچڑاں — میرے مرشد کا عجب دربار ہے

میاں خدا بخش مرجع خلائق بزرگ تھے۔ لوگ بہت عقیدت سے ان کی خدمت

؎۱ تکملہ سیر الاولیا ص ۱۵۳
؎۲ تکملہ سیر الاولیا ص ۱۵۵

میں حاضر ہوتے تھے۔ لنگر سے نفیس کھانے آنے والوں کو ملتے تھے۔ لیکن خود ان کی گذر اوقات سوکھی روٹی پر تھی۔ ؎۱ بیماروں کی دیکھ بھال کے لئے ایک طبیب ملازم تھا۔ دوا خانہ کا پورا اہتمام تھا، خود مریضوں کی دیکھ بھال اور عیادت فرمایا کرتے تھے۔

لکھا ہے کہ ان کے یہاں آنے والوں کی اس قدر کثرت تھی اور اس قدر زمیندار اور رئیس ان کی آستانہ بوسی کو حاضر ہوتے تھے کہ بارہ بارہ من غلہ روزانہ گھوڑوں کے خرچ میں آتا تھا۔ ؎۲

اتباع شریعت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ مصنف مناقب فریدی کا بیان ہے کہ ذات بابرکات سے کبھی کوئی سنت ترک نہیں ہوئی۔ ؎۳

اس زمانہ میں سکھوں کے مظالم کی خبریں ڈیرہ غازی خاں سے ان تک پہنچیں۔ مسلمانوں نے خود ان کے مظالم بیان کئے اور کہا کہ وہ نماز پڑھنے، اذان دینے اور تلاوت قرآن کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اور عدول حکمی پر قتل کرتے ہیں مسلمانوں کی دردناک داستانیں سُن کر ان کا دل بھر آیا اور فرمانے لگے "مسلمان بھائیوں پر یہ ظلم نہیں دیکھا جاتا"۔ لکھا ہے کہ انھوں نے ان مظالم سے تنگ آکر ہجرت کا ارادہ کر لیا تھا۔ ؎۴

میاں صاحب نے کبھی نواب راجاؤں سے جاگیریں قبول نہیں کیں۔ نواب بہاول پور نے چند موضع پیش کئے تو فرمایا —— میرے پیروں نے کبھی کسی کی ایسی چیز قبول نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ جب ریاست اور زمینداری ہوئی تو مال گزاری وغیرہ کو پیش آئیں گے اور کبھی نہ کبھی عدالت تک جانا ہوگا۔ جب ان کاموں میں مصروف ہوئے تو پھر فقیری کہاں۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ ؎۵

؎۱ مناقب فریدی ص ،،
؎۲ مناقب فریدی ص ۱۰
؎۳ مناقب فریدی ص ۵، ؎۴ مناقب فریدی ص ۵،
؎۵ مناقب فریدی ص ۶ - ۵، ۶، ۷، ۸،

میاں صاحب درس کے معاملہ میں نہایت سختی اور پابندی سے کام لیتے تھے ان کے زمانہ میں کئی مدرسے جاری رہے۔ وہ خود صبح کے وقت حدیث وفقہ وتصوف کا درس دیتے تھے۔[1] ان کے ملفوظات "سر دلبران"[2] حقائق ومعارف کا گنجینہ ہیں۔

میاں خدا بخش صاحبؒ نے ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء کو وصال فرمایا۔ مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔ خلفاء میں یہ بزرگ مشہور ہیں:

①	غلام فخر الدین	⑥	مخدوم عنایت شاہ
②	صاحبزادہ نصیر بخش	⑦	حیدر بخش
③	کریم حیدر	⑧	قاضی فتح محمد ملتانی
④	مولوی غلام کبریا	⑨	سید لال شاہ
⑤	مولوی محمد صالح ملتانی		

میاں خدا بخش صاحب کے دو صاحبزادے تھے:

① مولانا غلام فخر الدین ② مولانا غلام فرید

میاں صاحبؒ کے بعد مولانا غلام فخر الدین مسند نشین ہوئے۔ وہ نہایت درجہ شرع کے پابند تھے۔ بڑا قوی حافظہ تھا۔ احادیث نبوی نوک زبان پر رہتی تھیں۔[3] آراضی جو والیان ریاست بھاول پور نے حضرت میاں خدا بخش صاحب کو پیش کی تھی اور انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ انھوں نے قبول کرلی۔[4] ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء کو وصال فرمایا اور اپنے والد کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔[5]

ان کے بعد مولانا غلام فرید سجادہ نشین ہوئے۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے:

خواجہ غلام فرید چشتی چاچڑاں شریف والے بڑے ولی کامل گذرے

---

[1] مناقب فریدی ص ۷۶، ۷۵، ۷۶، ۷۸ [2] مطبع مصطفائی، لاہور ۱۳۰۸ھ

[3] مناقب فریدی ص ۸۹-۹۲-۹۴ [4] ایضاً ص ۸۹-۹۲-۹۴

[5] ایضاً ص ۸۹-۹۲-۹۴

ہیں ہمیشہ عشق الٰہی میں محو رہتے تھے۔[1] اُن کی پنجابی، فارسی اور اردو شاعری میں بڑی کشش اور تاثیر ہے۔ پنجاب میں انکے ذریعہ تصوف کے افکار و نظریات کی ترویج میں بڑی مدد ملی۔

خلافت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ انھوں نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو عوارف کے اصولوں پر عامل تھے۔[2] ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء کو وصال فرمایا۔

| میاں تاج محمود | میاں احمد علیؒ کے دوسرے صاحبزادے، میاں تاج محمودؒ سے بھی نظامیہ سلسلہ کی خوب ترویج ہوئی۔ ان کے پانچ صاحبزادے تھے:

①	خواجہ محمد شریف	④	خواجہ شبیر محمد
②	خواجہ گل محمد	⑤	خواجہ غوث بخش
③	خواجہ خیر محمد		

ان پانچوں صاحبزادوں نے سلسلہ کو فروغ دیا۔ میاں غوث بخش کے ایک صاحبزادے میاں ہوت تھے۔ ان کے صاحبزادے میاں عبد اللہ تھے۔ ان سے بھی سلسلہ کو خوب ترقی ہوئی۔

میاں تاج محمود کے مشہور خلفاء یہ تھے ——————

①	میاں فضل علی خاں ——————	مزار سکھانی
②	میاں محمد ——————	مزار کوٹ مٹھن
③	مولوی محمد حامد ——————	ساکن شدانی
④	مولوی چندودہ ——————	مزار سیت پور

| خلیفہ اکبر | خواجہ محمد عاقلؒ کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحبؒ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان ہی کی سفارش پر خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔[3] قاضی صاحبؒ کے مریدوں کی اصلاح وتربیت بھی فرماتے تھے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۱۶۳

[2] مناقب المحبوبین ص ۹۴

[3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۵۸

کو انھوں نے کشکول پڑھائی تھی۔ انھوں نے ۳ ربیع الآخر ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء کو وصال فرمایا۔

مولوی عبداللہ | خواجہ محمد عاقل ؒ کے خلیفہ تھے۔ بے حد مجاہدہ کیا تھا۔ سیاحت بھی کافی کی تھی۔ جید عالم تھے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی ؒ کی مشہور کتاب تسنیم کی شرح تسنیم کے نام سے لکھی تھی۔ ایسا غوجی پر ان کا حاشیہ بہت مشہور تھا۔ ان کا مزار احمد پور میں ہے۔

مولوی محمد اعظم | قاضی صاحب ؒ کے عزیز ترین خلفاء میں تھے۔ سفر و حضر میں شیخ کے ساتھ رہتے تھے۔ خواجہ گل محمد اور ان میں بڑی محبت تھی۔ ایک پیالہ میں کھاتے اور ایک لحاف میں سوتے تھے۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو وصال فرمایا۔

میاں شریف | قاضی صاحب ؒ کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے سلسلہ کی اشاعت میں خاص حصہ لیا۔ تکملہ میں لکھا ہے:

> "ازآں حضرت خلافت یافتہ و بسیار خلق اللہ از دست مبارک ایشاں در سلسلہ سلطان الاولیاء داخل شدہ و می شوند، اللہ تبارک و تعالیٰ بکرم و فضل خود روز افزوں دارد و در سلوک مریداں روش غریب و نمط عجیب دارند و از مشاہدہ و مکاشفہ او شاں بسیار معاملہ شہرہ آفاق است"۔[1]

ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے میاں بشیر الدین نے پھر میاں محکم الدین اور میاں محمد غوث وغیرہ نے سلسلہ کو جاری رکھا۔

مولوی گل حسن | قاضی محمد عاقل ؒ کے مرید تھے۔ شاعر خوش گو تھے۔ قاضی صاحب ؒ کو ان کا کلام بہت پسند تھا۔ وحدت وجود ان کا خاص موضوع تھا۔ اُن کی ایک غزل ہے ؎

چوں ز خود بیروں شدم خود آں شدم
چوں ز جاں بالا شدم جاناں شدم

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۵۸

زندہ بودم پیش ازیں از جاں کنوں
جاں ز من شد زندہ من جاناں شدم

عشق بودم عشق مارا محو کرد
ذات پاک از جملۂ الوان شدم

نیستم در خود کہ میگویم ز خود
من بری از کفر و از ایماں شدم

گل حسن در کسوت بلبل نگر
نغمہ ہائے عشق را گویاں شدم

خواجہ گل محمد احمد پوری | بڑے عالم تھے۔ قاضی صاحب ؒ کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ ۹ محرم ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء کو احمد پور علاقہ بہاول پور میں وصال فرمایا تھا۔ بزرگان سلسلہ کے حالات میں ایک کتاب تکملہ سیر الاولیاء تصنیف کی تھی۔ تکملہ کے خاتمہ پر محمد نجم الدین سجادہ نشین خانقاہ نے ایک تتمہ کا اضافہ کیا تھا، اس میں خواجہ احمد پوری ؒ کے حالات درج ہیں۔[1]

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۲۰۸-۲۲۳

باب ہفتم

حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ

ملتان، اسلامی ہند کی ابتدا سے سہروردیہ سلسلہ کا مرکز رہا ہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے یہاں سہروردیہ سلسلہ کی ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی تھی کہ ملتان و منصورہ کا سارا علاقہ ان کا حلقہ بگوش ہوگیا تھا۔ صدیوں تک اس خطہ میں سہروردیہ سلسلہ کے علاوہ کسی دوسرے سلسلہ کو اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اٹھارہویں صدی میں وہاں جس شخص نے چشتیہ سلسلہ کا کام سب سے پہلے شروع کیا وہ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے ایک عظیم المرتبت خلیفہ حافظ محمد جمالؒ تھے۔ وہ علم و عمل کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر ایک طرف روحانی اور علمی اعتبار سے ان کا پایہ بلند تھا، تو دوسری طرف شجاعت و تہور، مجاہدانہ جذبات اور سرفروشی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت مہارویؒ نے ان کو ملتان میں چشتیہ سلسلہ کی ترویج و تبلیغ کی غرض سے شاہ فخر صاحبؒ کے اشارہ پر متعین کیا تھا۔ لکھا ہے ——

روزے در مجلس حضرت مولانا صاحبؒ حضرت قبلہ عالم ہم نشستہ بودند و حافظ صاحبؒ ہم در آنجا	ایک دن حضرت شاہ فخر صاحبؒ کی مجلس میں حضرت مہاروی بیٹھے ہوئے تھے۔ حافظ صاحبؒ بھی وہاں تھے۔

"نشستہ بودند تذکرہ ایں افتاد کہ درملتان تصرف ہیچ ولی بعظمت بہاؤالدین زکریا ملتانی پیش نمی رود۔ وہیچ شیخ درآنجا کسے را بیعت نمی کند۔ مولانا صاحب فرمودند میاں نور محمد صاحب! تا ہنوز بہ ملتان ولایت بہاالحق بود۔ لہٰذا تصرف ولی دیگر کارگر نمی شد، اماں حالا ملتان حوالہ مایاں شدہ است کہ مریدے از مریدان خود درآنجا فرستند وبگویند کہ در خانقاہ بہاؤالدین زکریا خلق را مرید کنند تصرف خود کنند"

اس بات کا ذکر چھڑا کہ ملتان میں شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرف کام نہیں کرتا اور کوئی شیخ وہاں نہیں جاتا اور کسی کو بیعت نہیں کرتا۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا، میاں نور محمد صاحبؒ! اب تک ملتان میں بہاالحقؒ کی ولایت تھی۔ لہٰذا وہاں کسی دوسرے ولی کا تصرف کام نہیں کرتا تھا لیکن اب ملتان ہمارے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ لازم ہے کہ تم وہاں اپنا کوئی مرید بھیجو اور کہو کہ خانقاہ شیخ بہاؤالدین زکریا میں خلق کو مرید کرے اور اپنا تصرف کرے۔

قبلۂ عالم نے دہلی سے واپسی پر حافظ صاحب کو ملتان بھیج دیا۔ انھوں نے مولوی خدا بخش کو خانقاہ بہاالحق میں بیٹھ کر مرید کیا۔ [2]

قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضری حافظ محمد جمال صاحبؒ کا ابتدائی زمانہ تھا کہ مرشد کی تلاش شروع ہوئی۔ اسی جستجو اور فکر میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ کے مزار مقدس پر حاضر ہوئے، اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ہر شب کو ایک کلام پاک ختم کرتے تھے، اور پیر کامل کے لئے دعا مانگ کر سو جاتے تھے۔ ایک رات کو خواب میں اشارہ پایا کہ حضرت شیخ نور محمد مہارویؒ کی خدمت میں حاضر ہو، چنانچہ

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۶ - ۱۲۷

[2] مناقب المحبوبین ص ۱۲۶

فوراً مہار کو روانہ ہو گئے اور قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید کرنے کی درخواست کی۔ قبلۂ عالم نے پوچھا "تم نے کچھ ظاہری علم بھی حاصل کیا ہے؟" کسر نفسی سے عرض کیا "قرآن پاک اور نماز روزہ سے متعلق کچھ مسائل پڑھے ہیں۔" قبلۂ عالم کا یہ اصول تھا کہ علماء کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ کھانے کے وقت جب مولوی محمد حسین نے (جو قبلۂ عالم کے عزیز مرید اور محرم راز تھے) حافظ صاحبؒ کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے، معانقہ کیا اور حالات دریافت کئے۔ قبلۂ عالم نے یہ دیکھا تو فوراً دریافت کیا "کیا تم ان کو جانتے ہو؟" مولوی محمد حسین نے عرض کیا "ہم دونوں نے ایک ہی استاد سے پڑھا ہے۔ یہ بڑے جید عالم ہیں۔ ہم لوگ جوان کے ہم جماعت تھے ان کو اپنی طالب علمی کے زمانہ میں 'علامۃ العصر' کہا کرتے تھے۔" یہ سن کر قبلۂ عالم حافظ صاحبؒ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ آپ نے اپنا علم ہم سے کیوں چھپایا تھا عرض کیا:

"قبلۂ من، شنیدہ ام گروہ فقراء از فرقۂ علماء نفرت دارند لہٰذا علم خود را از حضور پنہاں داشتم"

قبلۂ من! میں نے سنا ہے کہ فقراء علماء سے نفرت رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے اپنے علم کو حضور سے پوشیدہ رکھا۔

قبلۂ عالم نے جواب دیا:

"حافظ صاحب! مایاں طالبانِ عالمانیم مارا علماء می شناسند، جاہل چہ خواہد شناخت، مایاں از فرقۂ علماء بسیار خوشیم" [1]

حافظ صاحب! ہم تو علماء کے چاہنے والے ہیں۔ ہمیں تو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جاہل بے چارا کیا سمجھے گا۔ ہم فرقۂ علماء سے بہت خوش ہیں۔

اسی دن سے حافظ صاحبؒ قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ پیر سے تعلق رفتہ رفتہ عشق کی حد تک پہونچ گیا اور سفر و حضر تک میں اپنے شیخ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ عرصہ تک انھوں نے آفتابہ برداری اور وضو کرانے کی خدمت انجام

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۶

دی۔ قبلۂ عالم کی خانقاہ میں لنگر کا اہتمام ان ہی کے سپرد تھا۔[1][2]

حافظ صاحب کا علمی تبحر اور درس و تدریس کا شغل

حافظ صاحب کے علمی تبحر اور علمی دلچسپیوں کا اندازہ ملفوظات سے ہوتا ہے۔ وہ قرآن پاک کی آیات، احادیث کے فقرے پڑھتے تھے، مریدوں سے معنی پوچھتے تھے اور خود سمجھاتے تھے۔ ان کے علم و فضل کا یہ حال تھا کہ باریک سے باریک اور دقیق سے دقیق مسائل ان سے پوچھے جاتے تھے، اور وہ نہایت شافی اور مکمل جواب دیتے تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود سے خاص دلچسپی تھی۔ امام اکبرؒ اور مولانا جامیؒ کی تصانیف پر خاص عبور تھا۔ جس وقت ان کے غوامض و رموز کو سمجھاتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے۔[3]

حافظ صاحبؒ نے ملتان میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ علم و فضل کا اعلیٰ مرکز تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوریؒ نے دو سال تک اس مدرسہ میں پڑھا تھا اور حافظ صاحبؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔[4]

اخلاق

حافظ صاحبؒ نہایت با اخلاق بزرگ تھے۔ مناقب فخریہ میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"حافظ محمد جمال ملتانی کمال باطنی و تہذیب اخلاق و کمالات آراستہ"[5]	حافظ محمد جمال ملتانی باطنی خوبیوں تہذیب اخلاق اور دوسرے کمالات سے آراستہ تھے۔

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۲۴

[2] مناقب المحبوبین ص ۱۲۶

[3] مناقب المحبوبین ص ۱۳۵

[4] تکملہ سیر الاولیا ص ۱۳۵

[5] مناقب فخریہ ص ۳۰

غریبوں کی دل جوئی کو وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ غریب اور امیر سب کے یہاں دعوتوں میں جاتے لیکن غریب کے یہاں اس طرح جاتے کہ خوشی کا اثر چہرہ پر ظاہر ہونے لگتا۔[1] کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے بلکہ اگر کوئی ایسی حرکت کرتا تو اس کو ملامت کرتے تھے۔[2] ان کا دستور تھا کہ جب تک سب مریدین اور متعلقین کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے تھے خود کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔[3] بچوں سے بڑی خوشی سے باتیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو صراحتاً منع نہیں کرتے تھے بلکہ "تعریض و تمثیل" سے سمجھاتے تھے۔[4] اپنے پیر بھائیوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ہر دکھ درد میں ان کی امداد کے لئے تیار رہتے تھے۔ قاضی محمد عاقل صاحبؒ جب قید میں تھے تو انھوں نے پریشان ہو کر حافظ صاحب کو خط لکھا تھا جس میں یہ شعر اور ایک مصرعہ لکھا تھا ؎

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

ع بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

یہ خط پڑھتے ہی، حافظ صاحب ننگے پاؤں کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب سے جا کر ملے۔[5]

سکھوں سے مقابلہ

جس زمانہ میں حافظ صاحب نے ملتان میں ارشاد و تلقین کا کام شروع کیا تھا پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا۔ اور مسلمانوں کو طرح طرح کے آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ حافظ صاحب کے قیام کے زمانہ میں سکھوں نے کئی بار ملتان

---

[1] و [2] مناقب المحبوبین ص ۱۳۵

[3] مناقب المحبوبین ص ۱۳۶

[4] مناقب المحبوبین ص ۱۳۷

[5] مناقب المحبوبین ص ۲۸ - ۱۲۷

پر حملہ کیا لیکن حافظ صاحب کی زندگی میں ملتان پر ان کا قبضہ نہ ہو سکا۔[1] حافظ صاحب اگر ایک طرف عبادت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے تو دوسری طرف وہ عملی جہاد سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کی شجاعت، ہمت اور استقلال نے مسلمانوں کے مضمحل اعضا میں نئی روح پھونک دی تھی۔ سکھوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ انھوں نے انتہائی مردانگی اور عالی ہمتی سے کیا۔ جب حالات بہت خراب ہو گئے تو خود میدانِ جنگ میں اتر آئے۔ سکھوں کے حملہ کی اطلاع ملی تو ——

"حضرت حافظ صاحب، در قلعہ تیر و کمان گرفتہ موجود بودند" [2]	حضرت حافظ صاحب قلعہ میں تیر و کمان لئے ہوئے موجود تھے۔

پھر ایک دوسرے موقع پر ——

"می گویند کہ دراں وقت جنگ حافظ صاحب مرحوم در برج قلعہ ملتان تیر و کمان بدست خود گرفتہ تیر بر کافراں می انداختند" [3]	کہتے ہیں کہ جنگ کے وقت حافظ صاحب مرحوم قلعہ ملتان کے برج میں بیٹھے ہوئے کافروں پہ تیر برسا رہے تھے۔

۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء میں ایک مرتبہ پھر سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ حافظ صاحب اس وقت ملتان میں نہ تھے۔ جب اطلاع ملی تو چناب کو جلدی سے عبور کر کے معرکہ میں حصہ لینے کے لئے ملتان پہنچ گئے۔ [4]

ایک مرتبہ سکھوں نے بڑے ساز و سامان اور قوت کے ساتھ ملتان پر حملہ کیا۔ لوگوں میں پریشانی پھیل گئی۔ بعض لوگوں نے گھبرا کر "ہجرت" کر جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا

آواز جنگ بکفار عام است و اکنوں جنگ با ایشان

[1]، [2]، [3] مناقب المحبوبین ص ۱۲۷

[4] مناقب المحبوبین ص ۱۳۱

فرض عین کرد۔ پس الحال بیروں نمی رویم، کہ مارا دو درجہ است یکے درجہ غزا، دوم درجہ شہادت" [1]

یہ فرمانے کے بعد آپ نے مقابلہ میں خود سبقت فرمائی۔ خوف و ہراس سے وہ بالکل ناآشنا تھے۔ اللہ پر ان کو کامل اعتماد تھا۔[2] اور اسی تقویت پر وہ میدانِ جنگ میں کود جاتے تھے۔ تیر اندازی میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ لکھا ہے ——

"آں حضرت در پیشۂ تیر اندازی یگانہ بودند حتیٰ کہ ایں پیشۂ تیر اندازی تعلیم می کردند" [3]	فن تیر اندازی میں جناب شیخ بے مثال تھے۔ یہاں تک کہ اس کی دوسروں کو تعلیم بھی دیتے تھے۔

اصلاح رسوم اور اتباع شریعت

حافظ صاحب غیر شرعی رسوم کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ زاہد شاہ سے پوچھا کہ تم کہیں شادی کرنا چاہتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ مگر وہ لوگ سادات سے نہیں ہیں اور ہماری برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ شادی سادات میں کرنی چاہیے۔ فرمایا:

"نکاح سادات با غیر سادات در شرع جائز است تو گفتہ جاہلاں را چرا اعتبار می کنی" [4]	سادات کا نکاح غیر سادات سے شرع میں جائز ہے۔ تو جاہلوں کے کہنے پر کیوں اعتبار کرتا ہے

شریعت کا خاص احترام کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ——

احسن طریق وصول الی الحق طریقہ مشائخ است کہ رسیدہ است باسناد صحیح بر رسول علیہ السلام و	معرفت حق کا بہترین طریقہ وہ ہے جو مشائخ کا ہے اور جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے

[1]، [2]، [3] مناقب فخریہ ص ۱۳۷

[4] مناقب فخریہ ص ۱۳۰

آں آراستگی ظاہر شریعت است	اور وہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ
و مستقیم بودن برآں و پاک کردن	رکھنے کا ہے اور اس پر قائم رہنے کا ہے
باطن است از اوصاف ذمیمہ"[1]	اور باطن کو خراب عادتوں سے صاف کرنے کا۔

لباس حافظ صاحب اچھا لباس پہنتے تھے۔ تہ بند کم باندھتے تھے۔ اکثر پاجامہ پہنتے تھے کلاہ قادری[2] اوڑھتے تھے۔ کرتے کا گریبان چاک رہتا تھا۔ لکھا ہے ـــــ

"در اکثر اوقات و گاہے می پوشید قلندری کہ نوعے
است از انکر کہ کشادہ بغیر چین برکمر واندک
می بود کہ دستار سپیدی می بندید ند، بلکہ بطریق عمامہ
می بست چادر معلم راکہ در ہندی لنگی می نامند و در
سفر موزہ یا جرموق می پوشیدند و دوست می داشتند"[3]

ملفوظات حافظ محمد جمالؒ کے ملفوظات بہت کثرت سے مرتب کئے گئے تھے۔ مندرجہ ذیل ملفوظات خاص طور سے مشہور ہیں۔

(١) فضائل رضیہ — مرتبہ مولوی عبدالعزیز ساکنہ قصبہ بڑھیاران
(٢) انوار جمالیہ — مرتبہ منشی غلام حسن شہید ملتانی
(٣) اسرار الکمالیہ — مرتبہ زاہد شاہ مٹھیٹی

وصال حافظ صاحبؒ نے ۵ جمادی الاولی ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء کو وصال فرمایا۔ کسی نے تاریخ وصال کہی ہے ـــ

خرد ز سالِ وصالش چو جست وجوئے کرد
ندائے داد سروشم کہ یافت خوب وصال
۱۲ ـــ ـــ ۲۶

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۴۰
[2] اس کو کلاہ چہار ترکی بھی کہتے ہیں۔
[3] مناقب المحبوبین ص ۱۳۶

حافظ صاحبؒ نے دو شادیاں کی تھیں لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

خلفاء حافظ صاحبؒ چاروں سلسلوں میں مرید کرتے تھے لیکن

"طریقۂ خاص ایشاں چشتیہ بود"[1]

مریدوں کی تعداد بہت تھی۔ لکھا ہے ـــــ

مریدان ایشان نیز جماعتے کثیر اند"[2]

بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:

(١) مولانا خدا بخش ملتانیؒ
(٢) زاہد شاہ
(٣) مولوی غلام حسن
(٤) قاضی عیسیٰ خان پوری
(٥) مولوی عبید اللہ ملتانی
(٦) مولوی حامد
(٧) صاحبزادہ غلام فرید
(٨) مولوی عبدالعزیز بڑھیاری

مولوی خدا بخش ملتانیؒ حافظ صاحبؒ کے وصال کے بعد مولوی خدا بخش صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے وہ بڑے عالم تھے۔ توحید پر ایک رسالہ "رسالہ توفیقیہ" لکھا تھا۔ تکملہ سیر الاولیاء میں ان کے متعلق لکھا ہے:

یک نسیمے است از گلزار معانی بیان او شان
کردن قطرات امطار یا امواج بحار شمردن
است"[3]

مناقب فخریہ میں ان کو مردِ بے نظیر بتایا گیا ہے۔ انھوں نے چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی توسیع و اشاعت میں بڑی جد و جہد کی۔ حاجی نجم الدین صاحب کا بیان ہے کہ

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۳۸
[2] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۳۰
[3] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵
[4] مناقب فخریہ (قلمی) ص ۳۰

"صدہا مردم را از ایشاں فیض شد" [1]

اُن کے ملفوظات سر دلبراں کے نام سے شایع ہوئے تھے۔ [2]

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے انداز تلقین و ارشاد کو اپنایا تھا۔ لکھا ہے:

"عادت آنحضرت رضی اللہ عنہ چناں بود کہ افعل ولا تفعل صریح نگفتے بلکہ غالباً در ضمن قصص و اشعار و حکایات بیان فرمودی" [3]	(مولوی خدا بخش ملتانیؒ) کی عادت اس طرح تھی کہ کسی سے صاف یہ نہیں فرماتے تھے کہ "یہ کرو" "یہ مت کرو" بلکہ قصوں، اشعار و حکایات کے ذریعہ تلقین فرماتے تھے۔

---

[1] مناقب المحبوبین ص ۱۳۳

[2] مطبع مصطفائی واقع لاہور ۱۲۸۶ھ

[3] سر دلبراں ص ۴

باب ہشتم

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

پنجاب میں حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ کا فیض اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا نام شاہ نور محمد صاحبؒ مہارویؒ کے ذریعہ پہنچا، اور شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی۔ شاہ محمد سلیمانؒ بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ارشاد و تلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہان بادیہ ضلالت نے ہدایت پائی۔ ان کے خلفاء ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کئے کہ ایک بار پھر صوفیہ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہ سلسلہ نظامیہ کے آخری عظیم الشان بزرگ تھے۔ اُن کا تبحر، تقدس، اسلامی سوسائٹی کی اصلاح کیلئے جد و جہد اپنی نظیر آپ تھی۔

سالہا گوش جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبد گرداں زدہ است

شاہ محمد سلیمانؒ نے جس وقت پنجاب میں مسند ارشاد بچھائی تھی اس وقت سارا صوبہ سکھوں کے تسلط میں تھا۔ سلطنت مغلیہ کی تجہیز و تکفین کے آخری منازل طے ہو چکے تھے۔ انگریزوں کا اقتدار سرعت کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور تمام ملک کو گھیر

ہی لیا چاہتا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہ عبوری دور تھا۔ ایک حکومت ختم ہو رہی تھی دوسری حکومت کی داغ بیل پڑ رہی تھی مسلمانوں پر مغلوبیت اور افسردگی طاری تھی۔ قوائے عمل شل ہو چکے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ اپنی عظیم الشان تحریک کو چلانے میں مصروف تھے سکھوں کے مظالم اور چیرہ دستیوں سے تنگ آکر وہ جہاد پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور مسلمانوں کی عسکری اصلاح و تنظیم کی کوشش میں منہمک تھے۔ شاہ محمد سلیمانؒ بھی اسی ماحول میں سانس لے رہے تھے۔ انھوں نے گو عملی جہاد میں حصہ نہیں لیا لیکن شریعت و سنت کی تلقین میں برابر سرگرم رہے۔ وہ سلطنت کے واپس لے لینے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کی نظر میں "اسلامی شعار" کے احیاء کی ضرورت سب سے زیادہ مقدم تھی کہ اس کے بغیر حکومت اگر حاصل بھی کر لی جاتی تو اس کا قایم رکھنا ناممکن تھا ان کا عقیدہ تھا کہ

ع دین جڑ ہے یہ کٹی تو نخلِ دنیا پھل چکا

چنانچہ انھوں نے اعلان کیا کہ جب تک اتباع سنت و شریعت کا التزام نہ ہوگا حکومت کا خواب منت کش تعبیر نہ ہو سکے گا اور مسلمانوں کی پریشانیاں کم نہ ہوں گی۔ فرماتے ہیں:

"چوں مسلماناں اعمال حسنہ را	مسلمانوں نے اچھے اعمال چھوڑ دیے
ترک کردہ اند حق تعالیٰ برایشاں	ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو
کافراں را مسلط کردہ است"[1]	ان پر مسلط کر دیا ہے۔

وہ مسلمانوں کے تمام آلام و مصائب، ابتلاء و پریشانی، دکھ اور درد کا علاج درستی اعمال میں پاتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کوشش کا مرکز بھی اعمال کی اصلاح کو قرار دیا تھا وہ مسلمانوں کو صحیح طور پر اخلاق محمدی کا پیرو دیکھنا چاہتے تھے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کو وہ سب چیزوں سے مقدم تصور کرتے

---

[1] نافع السالکین ص ۱۰۹

تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس ہی کوشش اور جدوجہد میں صرف کر دیا۔ جب حکومت اور سلطنت جاتی ہے تو قوموں کے اخلاق و اطوار اور کردار بگڑ جاتے ہیں۔ ان کا اجتماعی شیرازہ منتشر ہونے لگتا ہے اور انتشار و ابتری کے ہولناک جراثیم زندگی کے ہر شعبہ میں سرایت کر جاتے ہیں۔ ذہن و فکر کی ابتری جسمانی انتشار سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ حضرت شاہ محمد سلیمان نے ان حالاتِ گرد و پیش میں جس طرح سرمایۂ ملت کی حفاظت کی وہ اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ انھوں نے حضرت احمد بریلویؒ کی تحریک کو ناکامیاب ہوتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے اب انھوں نے اس تحریک سے قطع نظر، حوادث کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا نیا پروگرام بنایا۔ ان کی کوششوں کا محور مختلف تھا۔ انھوں نے کسی موقع پر بھی جنگ و جہاد کی صراحتاً تلقین نہیں کی کہ اس کا وقت گزر چکا تھا۔ لیکن انھوں نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور بیدار کرنے کی کوشش کی جن میں مستقبل کی تشکیل و تجدید کا سامان موجود تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو شریعت و سنت پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائی کہ اسی میں ان کے درد کا درماں اور مصائب کا علاج تھا۔

شاہ صاحبؒ کی جلائی ہوئی اس شرع و سنت کی شمع کے گرد دور دور سے پروانے جمع ہوئے۔ ان کے خرمن کمال سے ہزاروں نے فیض حاصل کیا، سنگھڑ اور تونسہ کا غیر آباد اور غیر معروف علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ جہاں سے ہزاروں عقیدت مند تربیت پا کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ علامہ اقبال نے صحیح لکھا ہے کہ "جس قوم سے خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور خواجہ فرید چاچڑاں شریف والے اب اس زمانہ میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اس کی روحانیت کا خزانہ ابھی ختم نہیں ہوا"[1]۔ سیال، گولڑہ، جلال پور، حیدرآباد، شیخاواٹی، راجپوتانہ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہو گئیں اور ایک بار پھر پرانی محفلوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

---

[1] اقبال نامہ حصہ دوم مرتبہ شیخ عطاء اللہ، لاہور ۱۹۵۱ء ص ۳۷۷

خاتم سلیمانی کا مصنف لکھتا ہے "اس نقارہ کی آواز پنجاب، ممالک متحدہ، راجپوتانہ سے گزر کر جزیرہ سراندیپ اور عدن تک پہنچی اور افغانستان، بلوچستان، ترکستان، سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے اور ہزاروں طالبان حق، سینکڑوں کوس طے کر کے تحصیل فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے۔ یہ نام ہی کچھ غیر موزوں تھا مگر ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الفور بصورت طلا شد [1]

پیدائش اور خاندان

شاہ محمد سلیمانؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں بمقام گڑگوجی ہوئی[2]۔ والد کا اسم گرامی زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان تھا۔ یہ خاندان افغان قوم کے جعفریہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا[3]۔ آپ چونکہ افغان تھے اس لئے اس علاقہ میں روہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کے والد کا وصال ان کی شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو گیا تھا[4]۔ والدہ نے بچے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ ان کو اپنے بچے کے روشن مستقبل کا یقین ایک خواب سے ہو گیا تھا۔ ولادت سے پہلے انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب آسمان سے اتر کر ان کی گود میں آگیا ہے اور تمام گھر منور ہو گیا ہے اور سینکڑوں آدمی مبارک باد دے رہے ہیں۔

شاہ محمد سلیمانؒ کے ایک بھائی خواجہ یوسف اور چار بہنیں تھیں۔ خواجہ یوسف جوانی میں انتقال کر گئے تھے۔ بہنوں کی شادیاں ہوئیں اور ان سے کثیر اولاد ہوئی[5]۔

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۹

[2] "خانہ خود کہ در کوہ است و اسم آں گرگوجی است کہ مسافت از تونسہ سہ کروہ می شود" نافع السالکین ص ۱۱

[3] خاتم سلیمانی ص ۱۵۔ جعفریہ قبیلہ، رمدانی (رحیم دانی) قبیلہ کی شاخ تھا۔

[4] خاتم سلیمانی ص ۱۷ [5] خاتم سلیمانی ص ۱۵

تعلیم و تربیت

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے ملا یوسف جعفر کے پاس قرآن پاک پڑھنے کے لئے بھیجا۔ ان سے ۱۵ پارے پڑھنے کے بعد وہ اپنے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھنے لگے۔ حاجی صاحب کی بیوی بہت تیز مزاج اور بد خو تھی۔ وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے اور حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق وہ تونسہ میں میاں حسن علی کے پاس چلے گئے۔ وہاں کی مسجد میں (جو تونسہ بازار کے پاس تھی) پڑھنا شروع کیا[1]۔ میاں حسن علی کا مدرسہ کے طلباء کو گدائی یا مزدوری پر مجبور کرتے تھے۔ شاہ محمد سلیمانؒ کو بھی گداگری کر کے پیٹ پالنے کا حکم ہوا۔ وہ اس حکم سے بہت گھبرائے لیکن بجز تعمیل چارہ نہ تھا۔ بھیک مانگنے کے لئے نکلے۔ ایک ہندو بقال کو روٹی پکاتے ہوئے دیکھا اور اس کے چوکے سے بغیر اجازت روٹی اٹھا لائے۔ بقال نے آکر میاں حسن علی سے شکایت کی۔ میاں صاحب نے باز پرس کی اور بالآخر ان کو گداگری کے قابل نہ پا کر مزدوری کا حکم دیا تاکہ کپڑوں، روٹی اور کتابوں کا خرچ چل جائے۔ دوسرے دن ۲ ر یومیہ پر ایک جگہ مزدوری پر لگ گئے۔ لیکن دن بھر پتھر پر بیٹھے رہے۔ مزدوروں نے مالک سے شکایت کی لیکن مالک نے آپ کو پوری مزدوری دی۔ میاں حسن علی کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا کہ اب تم میرے گھر سے کھا لیا کرو[2]۔

شاہ صاحب، میاں حسن علی کے پاس رہنے لگے اور علم حاصل کرتے رہے۔

ایک دن وہ تونسہ شریف سے ۲ کوس جنوب کی طرف ایک موضع سوکڑ میں ایک کتاب خریدنے کے لئے گئے۔ وہاں مولوی نور محمد نارووالہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب نے ان کی بہت تعظیم کی اور باوجود پیرانہ سالی خود پیدل چلے اور شاہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کرایا[3]۔ میاں حسن علی سے خواجہ صاحبؒ نے قرآن پاک پورا کیا[4]۔ اس کے علاوہ پند نامہ خواجہ فرید الدین عطارؒ، گلستان سعدیؒ، بوستان سعدیؒ

---

[1] یہ مسجد ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء میں رود سنگھڑ سے منہدم ہو گئی۔ خاتم سلیمانی۔ ص ۲۰

[2] خاتم سلیمانی۔ ص ۲۲-۲۱ [3] خاتم سلیمانی ص ۲۶-۲۵ [4] نافع السالکین ص ۱۴۳

وغیرہ کتابیں بھی اُن ہی سے پڑھیں[1]۔

میاں حسن علی سے پڑھنے کے بعد آپ لانگھ پہنچے[2]۔ یہاں ایک عمدہ گنبد دار مسجد تھی جس میں مولوی ولی محمد درس دیتے تھے[3]۔ خواجہ صاحبؒ نے ان ہی سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ بعد کوٹ مٹھن تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد عاقلؒ کے مدرسہ میں عربی پڑھنی شروع کی۔ خواجہ اللہ بخشؒ کے شجرہ میں جو ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا ہے، خواجہ محمد سلیمانؒ کے متعلق لکھا ہے

درمبادی حال در کوٹ مٹھن بہ مدرسہ
قاضی محمد عاقل صاحب بہ تحصیل علم
کتب درسیہ توجہ می فرمودند"۔[4]

یہاں آپ نے منطق کی مشہور کتاب قطبی پڑھی، اور فقہ پر پورا عبور حاصل کیا[5]۔ کوٹ مٹھن ہی میں قیام کے زمانہ میں آپ کو خواجہ نور محمد مہارویؒ کے اوچ تشریف لانے کی خبر ملی۔ اس زمانہ میں آپ کو اتباع شریعت کی تلقین کا بڑا خیال تھا[6]۔ شاہ نور محمد سے سماع پر بحث کرنے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن ان کی خدمت میں پہنچکر دنیا ہی بدل گئی۔ اس قدر مبہوت ہو گئے کہ فوراً اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ اپنے پیر سے انھوں نے آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ، فصوص الحکم وغیرہ کا درس لیا[7]۔

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۱۱/۲۶

[2] یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس مشرق کی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔

[3] یہ مسجد ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء تک تھی، اس کے بعد دریا کی طغیانی سے برباد ہو گئی۔ خاتم سلیمانی ص ۲۷

[4] شجرہ خواجہ اللہ بخش ص ۱۹۔ [5] خاتم سلیمانی ص ۲۹۔ [6] خود ایک مجلس میں فرمانے لگے جب میں کوٹ مٹھن میں تحصیلِ علم کرتا تھا تو اس وقت مجھے قدرتی طور پر دینیات کی طرف زیادہ خیال تھا اور امر معروف کے لئے گرد و نواح کے مواضعات میں چلا جایا کرتا تھا، مناقب سلیمانیہ۔ بحوالہ خاتم سلیمانی ص ۱۲۰۔ [7] خاتم سلیمانی ص ۳۲

بیعت

مشہور ہے کہ شاہ فخر صاحبؒ نے خواجہ نور محمد مہارویؒ کو ایک شہباز کو مقید کرنے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و اشاعت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ چنانچہ شاہ نور محمدؒ ہر سال اوچ اور کوٹ مٹھن اس باز کی تلاش میں آتے تھے[1]۔ آخری بار جب اوچ آئے تو اپنے ایک عزیز محمد حسین سے فرمانے لگے "اے محمد حسین آپ کو معلوم ہے کہ میں ہر سال اس ملک میں کیوں آتا ہوں؟" عرض کیا "آپ خود ارشاد فرمائیں" "اس پر خواجہ نور محمدؒ نے فرمایا کہ میں ایک شہباز کے شکار کرنے کے لئے آتا ہوں اور یہ شاہ فخر صاحبؒ کا حکم ہے۔"[2]

جب شاہ محمد سلیمانؒ، شاہ نور محمدؒ کی خدمت میں پہنچے تو ان کا عالم ہی بدل گیا۔ فوراً مرید ہونے کی درخواست کی۔ شاہ نور محمدؒ نے ان کو حضرت سید جلالؒ کے مزار کے سرہانے لے جا کر مرید کر لیا[3]۔ یہ شاہ محمد سلیمانؒ کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ لیکن وہ اپنے پیر سے عقیدت اور ان کے احکام کی بجا آوری میں کہنہ سال مریدوں سے بازی لے گئے۔

دہلی کا سفر

شاہ نور محمد صاحبؒ نے اس نوعمر طالب علم کو مرید کرنے کے بعد شاہ فخر صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں حاضری کا حکم دیا جس شہباز کو دام میں لانے کی بشارت انھوں نے دی تھی وہ مقید ہو چکا تھا۔ شاہ محمد سلیمانؒ نے تعمیل حکم میں دہلی کا ارادہ کر دیا۔ دلاور، جودھپور، جے پور، ریواڑی ہوتے ہوئے ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء میں وہ دہلی پہنچے[4]۔ یہ گرمی کا زمانہ تھا۔ "آفتاب کی وہ تمازت کہ پرندوں نے درختوں میں پناہ لے لی تھی۔ ریگستان کا یہ عالم کہ میلوں تک پانی ندارد، نہ کوئی سواری، نہ کوئی دوست لیکن یہ محبوب سبحانی، سلیمان ثانی کمال ذوق و شوق سے قبلۂ عالم کا حکم بجا لا رہا تھا اور سفر کی صعوبتوں اور

---

[1] "تحقیق ہے کہ اس کے بعد شاہ نور محمد صاحبؒ پھر کبھی سنگھڑ نہیں گئے" خاتم سلیمانی ص ۳۳

[2] خاتم سلیمانی ص ۳۰

[3]، [4] خاتم سلیمانی ص ۳۱-۳۲-۳۳

راستے کی تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا تھا" عشق و محبت کا یہ متوالا، سفر کی صعوبتیں ذوق و شوق کے ساتھ طے کرتا ہوا دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شاہ فخر صاحبؒ وصال فرما چکے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

والدہ کی تشویش جب عرصہ تک شاہ محمد سلیمانؒ کی کچھ خبر نہ ملی تو والدہ کو فکر لاحق ہوئی۔ بیٹے کی تلاش میں گڑگوجی سے سوکڑ تشریف لائیں جب یہاں بھی بیٹے کا پتہ نہ ملا تو اپنے داماد کو تلاش کے لئے آگے بھیجا۔ وہ تلاش کرتے کرتے آخر شاہ صاحب سے جا ملے اور والدہ کے اضطراب اور بے چینی کی داستان سنائی۔ شاہ محمد سلیمان پیر سے اجازت لے کر والدہ کے پاس گئے۔ پیر سے دور ہٹ کر عشق کی آگ اور بھڑک اٹھی اور وہ مفارقت کی تاب نہ لا سکے۔ ماں کا یہ عالم تھا کہ بیٹے کی جدائی کے خیال سے بھی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ محبت مادری، اور عشقِ مرشد میں کشمکش شروع ہوئی۔ والدہ نے ان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پہرے دار بٹھائے، کانٹوں کا حصار کیا، لیکن وہ عشق جو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کے لئے تیار ہو، اس کی نظر میں یہ تدابیر سب بے معنی تھیں۔ جب عشق نے زور مارا تو یہ سب بندشیں چشم زدن میں ٹوٹ گئیں اور وہ دیوانہ وار پیر کی طرف دوڑ پڑے۔ ابتدائی زمانہ کا یہ واقعہ خود ایک مجلس میں انھوں نے اس طرح بیان فرمایا:

"در اوائل والدہ شریفہ مارا ممانعت نمودے از رفتن
درخدمت قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یک شب
میاں باراں کہ از قوم جعفر بود بر من پاسباں گماشتند
چوں دیدم کہ او را خواب غلبہ کردہ است، از خوابگاہ
برخاستم و بر دیوار حصار آمدہ از آنجا جستہ در خار نجنی

۱؎ مشاہیر اسلام۔ جلد اول۔ ص ۸۹

اقدام بگرد حصار بود۔ پاجامہ دریدہ شدہ
ہر دو پائے بہ زخم مجروح شد و خوں رواں شد
..... بخدمت حضرت قبلۂ عالم مشرف شدم" ۱؎

اس کے بعد آپ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ایک مہینہ مہار شریف قیام کرتے تھے، پھر کچھ دنوں کے لئے گھر آجاتے تھے۔ والدہ کو ان کا یہ حال دیکھ کر بہت خیال ہوا۔ اس سلسلہ میں تعویذ وغیرہ بھی کرائے۔ ملفوظ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہرگاہ ایں فقیر در حضور حضرت قبلۂ عالم بشرف بیعت
مشرف شد، مرا در خانۂ خود ہرگز قرار نیامدے، چنانچہ
یک ماہ در حضوری بودم و چند روز در خانہ، بریں نمط می
گذشت تا وصال مبارک حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ والدہ
صاحبہ مرحومہ گفتے کہ پسر مرا خیال بد شدہ است کہ در خانۂ
خود آرام نمی گیرد۔ از علماء و فقراء چنداں تعویذ ہا گرفتہ کردہ
پرساختہ بودند، چونکہ فقیر از کمال جذبۂ عشق مستولی شدہ بود
لاچار بے قراری حاصل بود۔ بیت ؎

"محبتے ست کہ دل را نمی دہد آرام
وگرنہ کیست کہ آسودگی نمی خواہد" ۲؎

مرشد سے عشق شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کو اپنے پیر و مرشد خواجہ مہارویؒ سے عشق تھا۔ ان سے جب جدا ہوتے پریشان اور بے چین رہتے۔ فرقت میں ذوق و شوق کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ اکثر پیدل ہی مہار شریف کو روانہ ہو جاتے اور راستے کی تمام صعوبتیں نہایت خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میاں غلام حیدر اور میاں عیسیٰ جعفر کو ساتھ لے کر مہار شریف کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں پیروں سے

۱؎ نافع السالکین ص ۱۳۴ ۲؎ نافع السالکین ص ۱۷

خون جاری ہوگیا اور

"ہر دو ناخن از ہر دو پائے من جدا شدند"[1]

پاؤں کے دسوں ناخن انگلیوں سے جدا ہوگئے۔

لیکن اسی استقلال اور ہمت کے ساتھ ۸۰ کوس کا سفر طے کیا۔ سفر میں دو، دو تین، تین دن کے فاقے بھی ہوئے، لیکن عقیدت وارادت کا یہ متوالا، والہانہ انداز میں یہ سب مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنے مرشد کے قدموں میں پہنچ گیا۔ غلام حیدر کا بیان ہے:

"من بارہا معائنہ نمودم کہ کفش ایشاں بخون
پا پُر شد وقطرات ازاں برآمد وایشاں
از خود ہم چناں بے خبر وقدم مبارک مردانہ
در سیر حسبِ معتادی نہادند وہرگز از جریانِ خون
وزخمی شدن با خبر نداشتند، من بخدمت عرض
داشت نمودم کہ در اینجا بنشینیم ہرگز اختیار
نکردند، چوں در بلدہ ملتان رسیدیم ظنِ اینکہ
کفش تنگ است کفش دیگر فراخ خرید نمائیم،
چوں بغیر یک چادرِ نو قیمت دیگر موجود نبود خواستم
کہ آنرا فروختہ قیمت کفش ادا نمائیم، ہر چند سعی
نمودم جائز نہ داشتند، وبعد از گفتگوئے بسیار
فرمودند کہ مارا از خود ہیچ خبر نیست، غم مدار کہ
در قطعِ منزل تفاوت نخواہد شد"[2]

شاہ صاحبؒ اپنے پیر کی اطاعت اور تابعداری میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔

---

[1] نافع السالکین ص ۱۱

[2] نافع السالکین ص ۱۰

ان کا خیال تھا کہ پیر مشاطہ کی مانند ہوتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"شیخ مشاطۂ مرید است یعنی چنانچہ مشاطہ
عروس را آراستہ سزاوار صحبت شوئے خود سازد
مانند ایں شیخ ظاہر وباطن را بہ شریعت پیراستہ
مستحق صحبت محبوب حقیقی گرداند"[1]

ایک مرتبہ مہار شریف میں دیوان حافظ کا مطالعہ کر رہے تھے، اتفاقاً شیخ کا بھی ادھر سے گذر ہوا۔ پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ عرض کیا، خواجہ حافظ، اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھا ؎

کمالِ صنعتِ مشاطہ باید
کہ روئے زشت را زیبا نماید[2]

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا عقیدہ تھا کہ

"صحبت شیخ باعقیدہ باید کرد کہ بے عقیدہ از صحبت ہیچ فائدہ نیست"[3]

شیخ کی صحبت میں عقیدہ کے ساتھ حاضر ہونا چاہئے بے عقیدہ صحبت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

جب بھی وہ اپنے مرشد کی صحبت میں رہے اسی عقیدہ سے رہے۔ اور اپنا سارا وقت باطنی اصلاح میں صرف کیا۔ شیخ بھی ان پر دوسرے مریدوں کی نسبت زیادہ توجہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ سلیمانؒ مہار میں مقیم تھے۔ زیادہ وقت میاں خدا بخش ولد حافظ محمد مسعود کی مسجد میں گزارتے تھے اور ذکر ومجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ مجلس کے وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کتب تصوف کا درس لے لیا کرتے تھے۔ قبلۂ عالم کو ان کا اس قدر خیال تھا کہ خود مسجد میں جا کر ان سے ملتے تھے۔[4]

---

[1] نافع السالکین ص ۶۹

[2] نافع السالکین ص ۴۴

[3] نافع السالکین ص ۵۰

[4] خاتم سلیمانی ص ۴۲، ۴۱

خلافت

۱۵، ۱۶ برس کی عمر میں خواجہ محمد سلیمانؒ، خواجہ نہارویؒ سے بیعت ہوئے تھے۔[1] شیخ کی صحبت کا فیض کل ۶ سال تک اٹھایا۔ خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

"مارا صحبتِ ظاہری حضرت قبلۂ عالم شش سال یا کم بود"۔[2]

میں حضرت قبلۂ عالم کی ظاہری صحبت چھ سال یا کچھ کم حاصل رہی ہے۔

۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں پیر و مرشد نے خلافت عطا فرمائی اور تونسہ میں قیام کی ہدایت کی۔ ۶۰ سال تک، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، وہ تونسہ شریف میں تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کے کاموں میں سرگرم رہے۔ اور تونسہ کو ایک عظیم الشان روحانی مرکز کی شکل دے دی۔

تونسہ میں قیام خانقاہ

تونسہ، ڈیرہ غازی خاں سے ۴۰ کوس کے فاصلہ پر ایک غیر معروف گاؤں تھا۔ پیر و مرشد نے حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ کر وہاں آباد ہو جاؤ۔ شاہ محمد سلیمانؒ نے فوراً گڑگوجی کو الوداع کہا اور تونسہ پہنچ گئے۔

وہاں بقول پیر حیدر علی شاہ صاحبؒ جلال پوریؒ، آپ سرکنڈوں کی ایک جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔[3] جب اس علاقہ کا رئیس الف خاں حلقہ مریدین میں شامل ہوا تو اس نے شاہ صاحبؒ کی اجازت سے ایک مکان بنوا دیا۔ جب آپ کی شہرت بڑھی اور لوگ دور دور سے شرفِ بیعت کے لئے حاضر ہونے لگے تو نواب بھاول خاں والیٔ ریاست بھاولپور بھی سلسلۂ خدام میں داخل ہو گئے اور تعمیر مسجد کے لئے چند ہزار روپے خدمتِ اقدس میں پیش کئے۔ حضرت نے وہ روپیہ حسب دستور لنگر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ جو بچا وہ مسکینوں اور درویشوں کو بانٹ دیا۔ نواب بھاولپور نے پھر روپے بھیجے۔ وہ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دئے گئے آخر الامر

---

1. ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء میں آپ بیعت ہوئے۔ ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء میں شاہ نور محمد صاحبؒ کا وصال ہوا۔
2. نافع السالکین ص ۱۴۱ - ۱۴۰
3. ملفوظات حضرت پیر حیدر شاہ جلال پوری۔ (ذکر حبیب) ص ۲۸۲ - ۲۸۳

نواب صاحبؒ نے حضرت خواجہ اللہ بخشؒ کو روپے بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسجد تعمیر کرا دیں۔ صاحبزادہ صاحب نے جب سامان مہیا کیا تو خواجہ صاحبؒ کو معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا:

"واہ او بھیڑیا جے میرے کول گھل دوں تے
کتیاں مسجداں تیار کرا دیندا"[1]

اس طرح رفتہ رفتہ، تونسہ بارونق اور پُر فضا مقام بن گیا اور دور دور سے لوگ وہاں آنے لگے۔ فاربس نے اپنے فیصلہ میں قیام تونسہ کے متعلق لکھا ہے

"خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ کے زمانہ میں
جو حالات تونسہ کے تھے، ان سے ظاہر ہے
کہ انھوں نے اور ان کے خلفا ہی نے اس کو
آباد کیا تھا"[2]

مدارس کا قیام

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے تونسہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد سب سے پہلا کام قیام مدارس کیا۔ ان کے مدارس کے متعلق تفصیلی معلومات کسی کتاب میں نہیں ملتیں۔ ۱۹۱۱ء میں خواجہ حامد اور خواجہ محمود کے درمیان ایک مقدمہ ڈسٹرکٹ جج ملتان کی عدالت میں ہوا تھا، اس میں بعض پرانے گواہوں کے بیانات اور عمارتوں کے معائنہ سے ان مدرسوں کے تفصیلی حالات معلوم ہوئے۔ جج نے اپنے فیصلہ میں ان مدارس کی تفصیل دی تھی۔ مناسب ہے کہ یہاں اس فیصلہ کے اہم اقتباسات درج کئے جائیں:

"انھوں نے (یعنی خواجہ محمد سلیمانؒ نے) اغراض
مذہبی کے لئے مدارس جاری کئے تھے اور وہ

---

1. ملفوظات حضرت پیر حیدر شاہ جلال پوری (ذکر حبیب) ص ۲۸۲ - ۲۸۳
2. ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی منفصلہ اے ایچ ایف فاربس صاحب بہادر ڈسٹرکٹ جج ملتان مقدمہ نمبر ۹ ۱۹۱۱ء

لوگ جو زیارت کرنے کے لئے اور مرید بننے کے لئے آتے۔ ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے اوران کے لئے سہولتیں مہیا کرتے تھے یہ تمام کارروائی زیرنگرانی شاہ محمد سلیمان صاحبؒ ہوتی تھی امداد کنندگان ان کے خلفا تھے۔ بڑے بڑے خلفاء کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے اردگرد ہیں، موسوم ہیں۔ گو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔

احمد یہ بیان کرتا ہے کہ خواجہ الہ بخش صاحبؒ کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی تھی اور وہاں فقیروں کی جھنگیاں تھیں مکھنڈی بنگلہ، محمد علی شاہ کا بنگلہ اور نیز اور بہت سے ناموں سے مکانات نامزد ہیں مثلاً مدرسہ مولوی محمد عمر، مولوی احمد صاحب کا بنگلہ، مدرسہ مولوی الٰہی بخش، یہ تمام صاحب خواجہ سلیمان صاحب کے خلفاء تھے۔ پھر ملاحظہ ہو بیان نور محمد کا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ اور پندرہ سال خواجہ الہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے۔ اس کا ایک مدرسہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ کے زمانہ میں پچاس استاد تھے۔ ان کے مکانات تھے۔ اور بعض مکانات

میں کئی استاد اکٹھے رہتے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا۔" [۱]

اس فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحبؒ نے تونسہ کو دارالعلوم بنا دیا تھا ان کے دولت کدہ کے چاروں طرف متعدد مدرسے تھے، پچاس استاد وہاں رہتے تھے تعلیم و تربیت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا۔ علوم دینیہ کی ترقی و ترویج میں بے حد کوشش کی جا رہی تھی۔ مدرسوں کا اجراء شاہ صاحبؒ کے مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ تھا۔ صرف اسی طرح سے اسلامی شعار کی ترویج ممکن تھی۔ تونسہ جیسی بستی میں پچاس مدرسین کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے شائقینِ علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔

درس و تدریس

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کو خود درس دینے کا بڑا شوق تھا۔ وہ اپنے خاص شاگردوں اور مریدوں کو سلوک و احسان کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں بعض جگہ ان کتابوں کا ذکر آگیا ہے جن کو وہ اکثر پڑھایا کرتے تھے۔ ایک جگہ جامع ملفوظ لکھتا ہے:

"حضرت قبلہ من قدس سرہ العزیز در اثنائے تعلیم کتاب احیاء العلوم ایں عبارت را بر زباں در نشاں راندند" [۲]

پھر ایک موقع پر لکھتا ہے:

"کاتب حروف پیش شیخ خود قاری کتاب فتوحات مکی بود" [۳]

---

[۱] ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی، ایچ ایف فارلس۔ ص ۱۲-۱۱

[۲] نافع السالکین ۱۶۰

[۳] نافع السالکین ص ۱۶۳

احیاء العلوم اور فتوحات کے علاوہ شاہ صاحبؒ نے اپنے کچھ مریدوں کو کنز اور کافیہ بھی پڑھایا تھا چنانچہ حاجی چراغ الدین نے کنز اور کافیہ ان ہی سے پڑھا تھا [1]

شاہ صاحبؒ کا علمی تبحر

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ قرآن، حدیث اور فقہ پر ان کو پورا عبور تھا، ملفوظات میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی نقل کرتے ہیں۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زبان پر تھیں اور شیخ سہروردیؒ اور امام اکبرؒ کے بنیادی خیالات پر کافی غور کیا تھا۔

حدیث و فقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔ ایک مرتبہ قبلۂ عالم کے عرس میں تشریف فرما تھے۔ ایک عالم نے کچھ مسائل دریافت کئے آپ نے برجستہ ان کا شافی و کافی جواب عنایت فرمایا۔ اس مجلس میں مولوی خدا بخش صاحبؒ (خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ) بھی موجود تھے۔ انھوں نے اپنے برادر زادہ اور شاگرد مولوی عبد الغفار سے فوراً کہا کہ ان ارشادات کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ لو۔ چنانچہ وہ سوالات اور جوابات جمع کر لئے گئے۔ خاتم سلیمانی میں اس رسالہ کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے [2]۔ اس سے شاہ صاحبؒ کی دقت نظر، وسعتِ معلومات، اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ فقہ اسلامی کے مطالعہ پر خاص زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حدیث بغیر مجتہد کے نہیں سمجھی جا سکتی۔ فرماتے ہیں:

"فہم حدیث بغیر مجتہد کسی را نیست ما را
عمل بر قول مجتہد است نہ بر حدیث"

---

1. خاتم سلیمانی ص ۱۴۰
2. خاتم سلیمانی ص ۱۳۹ - ۱۴۲
3. نافع السالکین ص ۱۳

وہ ائمہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ خواجہ فریدالدین عطارؒ کے یہ اشعار ورد زبان رہتے تھے

آں امامانے کہ کردند اجتہاد
رحمتِ حق بر روانِ جملہ باد
بوحنیفہ بر امام باصفا
آں سراجِ امتانِ مصطفےٰ [1]

عسرت کی زندگی

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنا ابتدائی زمانہ بڑی عسرت اور تنگی میں بسر کیا تھا۔ جب تونسہ میں وہ ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے تو ان کے خورونوش کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ایک شخص رحم کھا کر ان کو کھانا دینے لگا تھا۔ اس میں بھی یہ مصیبت تھی کہ اس کے دروازہ پر ایک کتا رہتا تھا۔ خواجہ صاحب کھانا لینے جاتے تو اس انتظار میں کھڑے رہتے کہ کتا ہٹے تو اندر جائیں اگر کتا وہیں رہتا تو دن بھر بھوکے رہتے [2]۔ جب خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تونسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گڑگوجی میں ان کی کچھ زمین تھی، لیکن خواجہ نور محمد صاحبؒ کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے [3]۔ کچھ عرصہ بعد فتوح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں آ گئی لیکن استغنا کا وہی عالم رہا اور انھوں نے کبھی فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کی۔ جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہونچتا تھا فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔ لکھا ہے:

"حضرت قبلۂ من قدس سرہ العزیز سلطان التارکین بود، منقود و اسپاں و شتران و دیگر

---

1. نافع السالکین ص ۱۹۹
2. نافع السالکین ص ۲۹
3. نافع السالکین ص ۱۰۵

چیز ہا از اصنعہ قمشہ کہ مریدان در نذر آوردند
ہماں لحظہ عطا می نمودند ہیچ چیز با خود نمی داشتند" [۱]

ایک مرتبہ ایک شخص محمد واصل جس نے عرب و عجم کی سیر کی تھی، حضرت کے اس عطا و کرم کی تعریف کی تو فرمانے لگے ——: "میاں واصل! میں تو وہی ہوں جو تونسہ میں کئے والے مکان سے کھانا لے کر کھاتا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے" [۲]

شاہ صاحبؒ کی طبیعت میں قناعت اور توکل کا جذبہ حد درجہ کا تھا۔ ہر قسم کی فتوح ان کے دروازے پر آتی تھی۔ لیکن وہ ایک ہاتھ سے لیتے تھے اور دوسرے سے تقسیم کر دیتے تھے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے: "ترک و تجرید میں حضرت شیخ اکبرؒ کا کوئی مثل نہ تھا۔ بجز ایک لنگی کوئی چیز شیخ اکبرؒ کے پاس نہ تھی خواہ سفر ہو یا حضر، گرمی ہو یا سردی، حجرۂ مبارک میں صرف ایک بوریا تھا۔ اسی پر نماز نوافل پڑھتے تھے اور اسی کو سونے کے وقت تخت پر بچھا لیتے تھے۔ گرمیوں میں دُھلی لنگی سرہانے رکھ کر استراحت فرماتے تھے۔ جاڑوں میں اسی لنگی کو استراحت کے وقت جسم مبارک پر ڈال لیتے تھے"۔ [۳]

شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ وہ صابر و شاکر و قانع بنیں۔ [۴]

لنگر شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا لنگر نہایت وسیع اور باقاعدہ تھا، کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ لنگر کے اہتمام کے لئے ایک پورا محکمہ تھا۔ پیارا نامی بنیا مودی مقرر کیا گیا تھا۔ میاں علی محمد ہوتانی، لانگری تھے۔ مستوفی حساب برخوردار خاں چاکی تھے۔ نور خاں گرمانی، وکیل اور صلاح کا کام انجام دیتے تھے۔ منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسبی کو ملا تھا۔[۵] یہ پورا محکمہ لنگر کا

---

۱ نافع السالکین ص ۱۷،۵
۲ نافع السالکین ص ۲۹
۳ مناقب حافظیہ ص ۱۵-۱۴
۴ نافع السالکین ص ۹۵
۵ خاتم سلیمانی ص ۶۶

انتظام کرتا تھا۔

لنگر میں کھانے کے علاوہ، ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ حجام، لوہار، موچی، دھوبی، آب کش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے اور وہاں موجود رہتے تھے اور بقول مصنف خاتم سلیمانی "درویشوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور احتیاج باقی نہ رہی تھی"۔[۱] بیمار ہوتے تو دوائیں لنگر سے مفت ملتی تھیں، مودی کو حکم تھا کہ جو شخص نسخہ لائے، بغیر پوچھے اس کو دوا دے دی جائے۔ ایک مرتبہ خدا بخش لانگری نے عرض کیا "غریب نواز اس مہینہ میں مودی نے پانچ سو روپیہ درویشوں کی دواؤں کے سلسلہ میں درج کیا ہے"۔ آپ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ فرمایا: "اگر پانچ ہزار بھی دوا پر خرچ ہو تو مجھے اطلاع نہ کی جائے۔ کیا درویشوں کی جان کے مقابلہ میں روپیہ کی کچھ حقیقت ہے"۔ [۲]

لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ ان مدرسین کے لئے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، ان کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں۔ ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا۔ ایک سفید لنگی اور گوسفند بھی عطا ہوتا تھا۔[۳]

خواجہ صاحبؒ کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء و مدرسین شامل تھے۔ خواجہ صاحبؒ نے ان کو تمام ضروریات زندگی سے بے فکر کر کے پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس و تدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا۔ علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لئے تیار ہو جاتی تھی۔ آج ہم اس عظیم الشان لنگری نظام کے دوررس اثرات اور نتائج پر معلومات کی کمی کی بنا پر،

---

۱ خاتم سلیمانی ص ۶۷
۲، ۳ خاتم سلیمانی ص ۶۶

تفصیلی بحث کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اس کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ویسے تو اس زمانہ میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سینکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ میں پانسو فقیر رہتے تھے اور ان کے خورد و نوش کا انتظام ہوتا تھا[1]۔ خواجہ محمد عاقلؒ کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا[2]۔ لیکن جو باقاعدگی اور جو مقصد شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔ شاہ محمد سلیمانؒ کا یہ کل نظام ایک مقصد کے ماتحت تھا۔ وہ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء کو درس و تدریس اور مشایخ کو تبلیغ و اصلاح کے لئے تیار کرتے تھے۔ شائقین علم و فضل جگہ جگہ سے تونسہ آ کر جمع ہو جاتے تھے اور شاہ صاحب ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کی مقبولیت

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ نہایت ہر دل عزیز بزرگ تھے عقیدت مندوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ مکان کے شمالی اور جنوبی دروازے کھول دیئے جاتے تھے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے رہتے تھے[3]۔ جب شاہ صاحبؒ تونسہ سے باہر جاتے تو اسٹیشنوں پر معتقدین کے ہجوم لگ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ بھنڈے کے اسٹیشن پر اس قدر خلقت جمع ہو گئی کہ گاڑی کو بہت دیر تک رکنا پڑا[4]۔

شاہ صاحبؒ کی خانقاہ میں جگہ جگہ سے لوگ آتے تھے۔ قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیردار ان کے آستانہ پر اپنی حاضری کو باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ افغانستان سے شاہ شجاع ان کی خانقاہ میں عقیدت و ارادت کے ساتھ حاضر ہوا تھا

---

[1] آثار الصنادید۔ سرسید احمد خاں ص ۱۸

[2] تحفۃ سیر الاولیاء ص ۱۳۹

[3] خاتم سلیمانی ص ۱۰

[4] خاتم سلیمانی ص ۱۳

جاگیرداروں اور والیان ریاست کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھتے وقت ان ہی کے دست مبارک سے پگڑی بندھواتے تھے اور ان کی دعاؤں کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتے تھے سرسید نے جو اُن کے ہم عصر تھے، لکھا ہے کہ ان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے[1] دہلی سے جو اپنے انحطاط کے زمانہ میں بھی علم و فضل کا مرکز تھا، علماء اور صوفیہ فیض حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مولوی حیات علی دہلویؒ[2] اور صاحبزادہ نظام الدین لیسر کالے صاحبؒ[3] کو اپنی روحانی پیاس بجھانے کا سامان تونسہ ہی میں ملا تھا۔

شاہ صاحبؒ کا نظام اوقات

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ اپنے اوقات اور معمولات کے بہت پابند تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد ایک پہر ذکر جہر میں مشغول رہتے تھے۔ ذکر سے فراغت کے بعد ہر شخص کو حاضری کی اجازت ہوتی تھی جب اس سے فرصت ملتی تو رات کا کھانا نوش فرماتے۔ پھر عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حجرہ میں چلے جاتے تھے۔ تہجد کے بعد ذکر جہر کرتے تھے۔ اس وقت ایک مخصوص محفل سماع[4] ہوتی تھی، جس میں کسی شخص کو حاضری کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ میاں احمد قوال[5] کچھ سناتا تھا۔ نماز فجر سے قبل اپنے تخت پر آرام فرماتے تھے۔ جب اذان ہوتی، مسجد میں تشریف لاتے۔ نماز کے بعد پھر حجرہ میں چلے جاتے۔ ایک پہر دن گزرنے پر پھر عام مجلس شروع ہو جاتی۔ اس کے بعد کھانا کھاتے، اور کسی قدر قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے۔ پھر عصر تک کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ عصر سے مغرب تک مسجد میں قیام فرماتے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے کہ شیخ کے ان معمولات میں خواہ حضر ہو یا سفر فرق نہیں ہوتا تھا۔[6]

---

[1]، [2] آثار الصنادید ص ۴۷۸   [3] خاتم سلیمانی ص ۱۴۰

[4] نافع السالکین میں لکھا ہے "سماع را بعد از نماز تہجد بسیار عزیز داشتندے" ص ۱۴۷

[5] خاتم سلیمانی میں لکھا ہے: " میاں احمد قوال حضرت کا خاص غلام تھا۔ بچپن سے لے کر آخر عمر تک حضور پُرنور کی صحبت میں رہا" ص ۸۶

آپ کا ایک اور قوال پیر بخش تھا۔ نافع السالکین ص ۱۲۵   [6] مناقب حافظیہ ص ۱۶، ۱۵

تعلیم اخلاق

جب کسی قوم کا سیاسی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کے افکار و اعمال، عادات واطوار بھی انحطاط پذیر ہونے لگتے ہیں، یہ قومی زوال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال کے اثرات، سیاسی زوال سے کہیں زیادہ مہلک ہوتے ہیں اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے تجدید واحیاء کی سب راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ شاہ محمد سلیمان رح نے جس وقت ارشاد وتلقین کا ہنگامہ برپا کیا تھا اس وقت مسلمانوں پر سیاسی ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس زوال کو سب دیکھ رہے تھے لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت بین نگاہیں سیاسی زوال کے پیچھے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات بھی دیکھتی ہوں۔ ایسے لوگوں نے سلطنت کا ماتم کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی اخلاق وشعائر کی نگہبانی کی۔ شاہ محمد سلیمان رح بھی ان ہی چند بزرگوں میں تھے جن کی کوششوں کا محور اخلاق وعادات کی درستی تھا۔

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب رح چاہتے تھے کہ مسلمان، رسول عربی کے آئینہ میں اپنے اخلاق وعادات کو سنواریں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اچھے فضائل اور عادات صرف متابعت رسول سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"خوب خصائل وحمیدۂ افعال بغیر متابعت
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہ شود" [1]

متابعت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں ——

متابعت عبارت از دو چیز است	متابعت سے مراد دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ
آنچہ خدا ورسولِ خدا وامر کردہ اند	خدا اور رسول خدا نے حکم دیا ہے اسے کرنا
بباید کرد، وآنچہ منع فرمودہ اند نباید کرد [2]	اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے بچنا۔

---

[1] نافع السالکین ص ۵۰

[2] قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

شاہ صاحب رح کی اخلاقی کوششوں کا مرکزی نکتہ یہ ہی تھا۔ انھوں نے ہمیشہ اسی جدوجہد میں وقت گزارا کہ عوام کے اعمال درست کئے جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں آدمی بہت ہیں لیکن آدمیت نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

آدمی کم موجود شوند کہ اکثر صورت آدمی دارند
وخصال آدمی ندارند، آدمیت عبارت از خوب
خصال وحمیدہ افعال است" [1]

فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ہونا بہت مشکل ہے۔ "آدمی شدن بسیار مشکل است" [2]۔ انتہا یہ تھی کہ کہا کرتے تھے کہ سلک السلوک [3] میں آدمی کی جو صفات لکھی ہیں وہ خود میرے اندر بھی نہیں ہیں [4]۔

ملفوظات میں جگہ جگہ بری صحبت، غیبت، غرور، عیب جوئی، شراب خوری، عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت ہے۔ اور بار بار ادب، مہمان نوازی، نیکی، عجز وانکسار اور ایمان داری کا درس دیا گیا ہے۔ نافع السالکین میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں اصلاح اخلاق پر زور نہ دیا گیا ہو۔ ان سب اصلاحی مشوروں کا خلاصہ یہ ہے:

① بری صحبت سے بچو۔ اس کے اثرات بہت خطرناک ہوتے ہیں اور جلدی اثر کرتے ہیں۔ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے [5]

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند [5]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا شاہ صاحب رح کی یہ تلقین بالکل اسی آیت کا ترجمہ ہے۔

[1] نافع السالکین ص ۱۰۹-۹۷ [2] نافع السالکین ص ۱۶۱

[3] ضیاء نخشبی کی مشہور کتاب ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی۔

[4] نافع السالکین ص ۱۶۱ [5] نافع السالکین ص ۷

صحبت کے اثرات بتانے کے سلسلہ میں وہ نہایت نصیحت آموز حکایتیں اور قصے بیان کرتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ بار بار یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

نار خنداں باغ را خنداں کند
صحبت مرداں ترا مرداں کند

یک زمانہ صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

بری صحبت کے اثرات بیان کرتے ہوئے، عوارف المعارف کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ سوختہ ہو جاتا ہے۔ جب حیوان کے یہ اثرات ہیں تو انسان کے اثرات کا کیا کہنا [1]

(۲) غرور و تکبر سے بچو[2]۔ کسی کو حقارت سے نہ دیکھو[3]۔ عجز سے رہو۔ اپنے آپ کو سب سے بدتر اور کم تر سمجھو[4]۔ فرماتے ہیں:

"ہر کہ خود را از ہمہ کس کم داند او
مقبول و محبوب حق تعالیٰ باشد[5]"

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی سی انکساری پیدا کرنی چاہیئے" ایک مرتبہ بارش کی کمی ہوئی۔ نماز استسقاء کے باوجود جب باران رحمت نازل نہیں ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ برے لوگوں کی شامت اعمال سے یہ ہوا ہے ——

۱ نافع السالکین ص ۷
۲ نافع السالکین ص ۵۲
۳، ۴ نافع السالکین ص ۲۵
۵ نافع السالکین ص ۱۶۶، ۶۵
۶ نافع السالکین ص ۱۱۰

حضرت بایزید بسطامی نے جب یہ سنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے کہ سب سے برا تو میں ہی ہوں" [1]

شاہ صاحبؒ چاہتے تھے کہ ان کے مریدوں میں عجز و انکسار کا مادہ پیدا ہو اور وہ شفقت و مہربانی کے ساتھ خلقت کے ساتھ پیش آئیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"سالک را باید کہ ہمہ خلق را چہ شریف و چہ
خسیس بہ شفقت و رحمت ناظر باشد تا
حق تعالیٰ بروے رحمت کند" [2]

غرور و نخوت سے نہ صرف دینی کام میں رکاوٹ پڑتی ہے بلکہ خود انسان کے اندر روحانی ترقی کی صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں۔

حسد و کبر سے بچو۔ فرماتے ہیں ——

"گل توحید نہ روید کہ زمینے کہ درو
خار شرک و حسد و کبر و ریا است[3]"

توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اگتا
جہاں شرک، حسد اور ریا کے کانٹے[4] موجود ہوں۔

عیب جوئی سے بچو۔ فرماتے تھے کہ اپنے عیوب کی تلاش مقدم ہے ——

سالک را باید کہ بسبب عیب بینی خویش از
عیب خلق چشم بہ بندد کہ عین سعادت و رضامندی
حق سبحانہ دریں مندرج است، چنانچہ در حدیث
وارد است، طوبیٰ لمن شغل عیبہ من عیوب الناس[5]

۱ نافع السالکین ص ۱۱۰
۲ نافع السالکین ص ۲۲
۳، ۴ نافع السالکین ص ۲۹
۵ نافع السالکین ص ۴۳

غیبت سے بچو۔ قرآن پاک کا حکم ہے ـــــ

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ؕ (پ ۲۶ سورہ حجرات ع ۲)

یاد رکھو ـــــ

غیبت از سرقت بد است زیرا کہ در سرقت سارق
چیزے دزدے می خورد و در غیبت ہیچ سود نیست بلکہ
اعمال غیبت کنندہ خاکستر شوند[1]

پھر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

آں کس کہ بسوئے غیبت افراختہ است
او از تن مردگاں غذا ساختہ است
وانکس کہ بعیب خلق پرداختہ است
زانست کہ عیب خویش نشناختہ است[2]

وہ اپنی نصیحت کو پرزور اور زود اثر بنانے کے لئے آیاتِ قرآنی، احادیث اور اشعار برمحل نقل کرتے تھے۔ جب اخلاقی درس دیتے ہیں تو ان کے لہجے میں اصولی سختی اور تبلیغی نرمی کا نہایت ہی حیرت انگیز امتزاج ہوتا ہے۔ نصیحت کرنے کا جو موقع ملتا ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس قسم کے لوگ آتے جس قسم کا مسئلہ زیر بحث ہوتا، وہ اخلاقی درس کو نہ بھولتے۔ وہ چاہتے تھے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاقی اصول کارفرما ہوں کسی قسم کی گفتگو ہوتی وہ اس کا اخلاقی پہلو ضرور نمایاں کر دیتے تھے۔ ایک دن تجارت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو ارشاد فرمایا:

اگر کسے سوداگری دانہ گندم کند	اگر کوئی اس نیت سے گیہوں کی تجارت
برس نیت کہ غلہ را بہ قیمت گراں	کرے کہ اس کو گراں بیچوں گا تو یہ امر شرعاً بعید

[1] و [2] نافع السالکین ص ۸۳-۸۴

خواہم فروخت ایں امر در شریعت	میں ممنوع ہے بلکہ جو کوئی ایسی نیت
ممنوع است بلکہ ہر کہ ایں نیت	کرتا ہے وہ بالآخر خوار اور ذلیل ہو کر مرتا
کند عاقبت الامر خوار شدہ بمیرد[1]	ہے۔

جانوروں کے پالنے کے متعلق گفتگو ہوتی ہے تو فوراً ہدایت فرماتے ہیں کہ جو شخص جانوروں کو پالتا ہے لیکن ان کی خبر گیری نہیں کرتا اس سے قیامت کے دن پرسش کی جائے گی۔[2]

یہ معمولی معمولی باتیں ہیں لیکن اپنے اخلاقی درس کو وہ یہاں بھی نہیں بھولتے۔ مریدوں کے لئے ان کی اخلاقی تعلیم کے مرکزی نکتے یہ تھے:

(۱) ـــــ عمل صالح۔

"سالک را باید کہ در اعمالِ صالحہ مداومت نماید"[3]

(۲) ـــــ نیکی۔

"کار ما بہ بداں ہم نیکی کردن است"[4]

(۳) ـــــ ادب۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب[5]

مریدوں کی اخلاقی تعلیم میں وہ ان ہی تین چیزوں پر زور دیتے تھے ملفوظات میں متعدد جگہ ان ہی کو مختلف انداز سے دل نشین کرایا گیا ہے۔

ارکان اسلام کا تحفظ

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کو ارکان اسلام کے تحفظ کا بڑا خیال تھا۔ جس وقت انھوں نے اصلاح و تربیت کا

[1] نافع السالکین ص ۱۵۸
[2] نافع السالکین ص ۱۰۷
[3] نافع السالکین ص ۹۳
[4] نافع السالکین ص ۱۱۹
[5] نافع السالکین ص ۱۱۳

کام شروع کیا تھا، اس وقت لوگوں میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا تھا۔ خود شکایت کرتے ہیں ——

"دریں زمانہ مردماں فسق و فجور می کنند" [1]	اس زمانہ میں لوگ فسق و فجور کرتے ہیں۔

دین سے بے اعتنائی عام تھی۔ بدعت کے کاموں میں سیکڑوں جمع ہو جاتے تھے لیکن کارِ خیر میں حصہ لینے کے لئے کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں:

"ہر جا کہ بدعت و بازی باشد	جہاں کہیں بدعت یا کھیل ہوتے ہیں
خلق بسیار جمع شود، و ہر جا کہ	بے شمار لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ جہاں
کار نیک باشد خلق کم رود" [2]	نیک کام ہوتا ہے وہاں کم آتے ہیں۔

ایک شخص نے جس نے بڑی سیاحت کی تھی، شاہ صاحب سے عرض کیا:

"من ملک خراسان و ہندوستان	میں نے خراسان اور ہندوستان میں
را دیدہ ام کہ ہیچ جا دین داری نیست	گشت کیا ہے کہیں ایسی دین داری
مثل بخارا و دیگر در تونسہ مبارک	نہیں ہے جیسے بخارا اور تونسہ میں۔
کہ از سبب برکت آں صاحب	تونسہ میں شاہ صاحب کی وجہ سے
بسیار دیں داریست" [3]	بڑی دین داری ہے۔

تونسہ کی یہ حالت تو شاہ صاحبؒ کی مسلسل کوشش اور تلقین پیہم کے بعد ہوئی تھی ورنہ اور جگہ حالت یہ تھی کہ عوام ارکانِ اسلام سے نابلد تھے اور طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر فرائض سے بچتے تھے۔ نماز اور روزہ جو اسلام کے ستون ہیں غفلت اور بے توجہی کے باعث کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ ملفوظات میں جگہ جگہ عوام کی اس بے اعتنائی پر غم و غصہ کا اظہار کیا گیا ہے[4]۔ ایک شخص نے عرض کی کہ میں علاوہ پانچ وقت

---

[1] نافع السالکین ص ۱۷۰ — [2] نافع السالکین ص ۱۱۲

[3] نافع السالکین ص ۱۷۰ — [4] نافع السالکین ص ۱۶۶

نماز کے کوئی کارِ خیر نہیں کرتا۔ ارشاد ہوا ——

ہر کہ دریں زمانہ نماز پنج وقت با	جو شخص اس زمانہ میں پنج وقتہ نماز
جماعت بخواند او ولی است کہ	باجماعت پڑھ لیتا ہے وہ ولی ہے۔
دریں زمانہ بے دینی تمام است" [1]	کہ اس زمانہ میں بے دینی بہت ہے۔

روزہ سے لوگ بچتے تھے[2]۔ کہتے تھے کہ روزہ رکھنے سے خشکی ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے ان خیالات کے خلاف جہاد کیا اور بتایا کہ ایسا کرنا گمراہی نفس پر مبنی ہے فرماتے ہیں:

"دنیا داراں در ماہ رمضان شریف	دنیادار رمضان المبارک کے روزے
روزہ ندارند و گویند کہ ما را خشکی	نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ کہتے کہ ہمیں خشکی ہوتی
می شود ایں سخن از گمراہی نفس و	ہے۔ یہ بات نفس کی گمراہی اور شیطان
شیطان است" [3]	کے (غلبہ) کی بنا پر ہے۔

صوفیہ کی اصلاح اس زمانہ کے صوفیہ مختلف قسم کی بداعتقادیوں کا شکار تھے: روحانی ترقی اس لئے چاہتے تھے کہ دنیاوی دشواریاں حل ہو سکیں اور ——

مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی
از بہرِ تو میرم ز برائے تو زیم

کی صدا اب کسی حجرہ سے سنائی نہ دیتی تھی[4]۔ اعمال و وظائف میں حد سے زیادہ اعتقاد تھا۔ اور سارا وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے اس گمراہی کو محسوس کر لیا اور فرمایا ——

سالک را باید کہ در عملیات تضیع	سالک کو چاہیئے کہ عملیات میں وقت

---

[1] نافع السالکین ص ۱۶۸ — [2] نافع السالکین ص ۱۰۹، ۱۵۴، ۱۶۶ وغیرہ

[3] نافع السالکین ص ۱۰۹

[4] حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اکثر اپنے حجرہ میں سربسجود خلوت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وقت نہ کند کہ ایں رہزن و مانع راہ فقر است و مقصود اصلی کیاد کردن حق است»۱	کو ضائع نہ کرے ایسے مشغلے راہ فقر کے ڈاکو اور رکاوٹیں ہیں۔ اصلی مقصود خدا کا یاد کرنا ہے۔

ان وظائف کی جگہ جن کا مقصد کسی دنیاوی مشکل کا حل کرنا ہوتا تھا، شاہ صاحبؒ نے ذکر جہر پر زور دیا۔ اور فرمایا ——

ذکر جہر بہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ از ہمہ اوراد و وظائف بہتر است چنانچہ در حدیث شریف وارد «افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ»۲	ذکر جہر بہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ سب اوراد و وظائف سے بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔

شاہ صاحبؒ کی کوشش تھی کہ صوفیہ میں اطاعت حق کا صحیح جذبہ اور دین کا غم پیدا ہو۔ وہ اس دینی طبقے کو مادی الجھنوں میں پھنسا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ فرماتے ہیں ——

سالک را باید کہ غم دین خورد کہ مقصود دارین است ؎	سالک کو چاہئے کہ غم دین کھائے کہ مقصود دارین یہی ہے۔

«غم دیں خور کہ غم غم دیں است
ہمہ غمہا فروتر ازیں است»۳

وہ صوفیہ کو دنیا داری سے دین داری کی طرف بلاتے تھے اور ان کو بتاتے تھے کہ کل تم کیا تھے، آج کیا ہو گئے؟ تمہاری کوششوں اور عبادتوں کے مرکز کیوں تبدیل ہو گئے، تم نے دین کے بجائے دنیا سے کیوں دل لگا لیا۔ تم نے اپنے اعتقادات میں کیوں فساد پیدا کر لئے۔ صحیح مذہبی جذبہ پیدا کرو کہ وہی سعادت دارین کا باعث ہوگا۔

۱ نافع السالکین ص ۲۵ ۲ نافع السالکین ص ۱۳۱
۳ نافع السالکین ص ۳۰

شاہ صاحبؒ کی بالغ نظر ہر گمراہ روش کو دیکھ لیتی تھی اور وہ اس کے خطرناک اثرات سے فوراً آگاہ ہو جاتے تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ لوگ اپنے شیخ پر بے جا اعتقاد اور اس کی روحانی امداد پر بے جا اعتماد رکھتے ہیں، چنانچہ انھوں نے صاف طور سے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ تم اپنے پیر سے جس قدر امداد چاہتے ہو اور کائنات کے کاموں میں اس کا جس قدر دخل خیال کرتے ہو، یہ سب باتیں اس کے احاطۂ اختیار سے باہر ہیں۔ اللہ پر صحیح بھروسہ رکھو، سوائے اس کے کسی سے التجا نہ کرو، اسی سے عرض مدعا کرو اور اسی پر اعتماد رکھو۔ ۱

لوگوں کا اعتقاد تھا کہ "چونکہ ایں چنیں شیخ کامل و مکمل می داریم ہر کار و عمل کہ می کنم مراغم نیست۲"۔ شاہ صاحبؒ نے ایسے غلط اعتقادات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا کہ کارخانۂ قدرت میں کسی کو دخل نہیں۔ وہاں انسانی اعمال سے نتائج مرتب ہوتے ہیں۳ —— حق تعالیٰ کا کام حکمت سے ہوتا ہے۔ انسان کو اس سے واقفیت نہیں:

ہمگی کار حق تعالیٰ بغیر حکمت نیست ہیچ کس نداند»	اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بغیر حکمت نہیں ہوتا لیکن وہ حکمت کسی کو معلوم نہیں ہوتی

ایک جگہ ان ہی گمراہیوں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

سالک را باید کہ ہر فعل ایزد تعالیٰ را عین حکمت پندارد، اگرچہ بر آں اطلاع نداشتہ باشد و بر وے اعتراض نکند و ہر کہ اعتراض کند فہو مردود فی الدارین۔	سالک کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل عین حکمت سمجھے۔ اگرچہ اس (حکمت) سے واقف نہ ہو۔ اس پر اعتراض نہ کرے۔ جس نے اعتراض کیا وہ دارین میں مردود ہو گیا۔

علماء کو تنبیہ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اسلامی سوسائٹی کے جس طبقہ کو بھی غلط راستے پر پایا اس کی طرف فوراً توجہ کی۔ علماء کی بے راہ روی دیکھی تو

۱ نافع السالکین ص ۴، ۲ ایضاً ص ۵۰ ۳ ایضاً ص ۴۲

وہ کانپ اٹھے اور فرمایا ——

"فساد العالِم فساد العالَم" [1]

وہ علماء کی گمراہی کو ساری قوم کی گمراہی کے مترادف سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ عامی کی گمراہی خود اسی تک رہتی ہے۔ لیکن علماء کی گمراہی کا عوام بھی شکار ہوجاتے ہیں

نہ در جنت تنہا می روند و نہ در دوزخ بلکہ ہر دو طرف با جماعت کثیر روانہ می شوند" [2]	وہ نہ تو جنت میں تنہا جاتے ہیں نہ دوزخ میں، دونوں جگہ جماعت کثیر ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

چنانچہ علماء کو ہدایت فرماتے ہیں ——

"عالم را باید بر علم عمل کردن"

وَإِلَّا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا [3]

علم کا مقصد شاہ صاحبؒ کی نظر میں تھا ——

مقصود از علم، عمل و ہدایت و محبت باری تعالیٰ حاصل کردن است [4]"	علم سے مقصود عمل، ہدایت اور حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے۔

اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو سب علم گمراہی ہے، اور اس کا حاصل کرنا عبث۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانہ کے نصاب تعلیم کے خلاف بھی آواز بلند کی۔ فرمایا

---

[1]، [2] نافع السالکین ص ۲۰

[3] نافع السالکین ص ۲۲ [4] نافع السالکین ص ۱۲۲

علامہ اقبالؒ کا خیال تھا "مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے، حاصل کرے۔ بولہب را حیدر کرار کن۔ اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہئے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع ہوجائے تو نوع انسان کے لئے سراسر رحمت ہے"
Iqbal's Educational Philosophy p. 116

کہ علماء کو فقہ اور تفسیر پر زور دینا چاہیئے۔ ان ہی کے مطالعہ سے مذہبی زندگی سنورتی ہے فرماتے ہیں ——

علم فقہ و تفسیر ضروریہ است کہ دانستن فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ موقوف بر علم فقہ است و باقی ہمہ علوم سر دردی است" [1]	علم فقہ اور تفسیر لازمی ہیں۔ فرض، واجب، سنت، مستحب اور مکروہ کا جاننا علم فقہ پر منحصر ہے باقی علوم تو سر دردی ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

علم بغیر عمل، و عمل بغیر عقیدہ صاف کہ اہل سنت و جماعت است فائدہ ندہد" [2]	علم بغیر عمل اور عمل بغیر عقیدۂ اہل سنت و جماعت فائدہ نہیں پہونچاتا۔

اگر ایسا نہیں ہے تو سب فضول ہے ——

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی [3]

سماج زوال و انحطاط کے زمانہ میں سیکڑوں سماجی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ان کی ابتدا گھر کی چار دیواری سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ساری قوم مجموعی حیثیت سے ان میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں سماج کی وہ حالت نہ رہی تھی جو مہذب اور تربیت یافتہ سوسائٹی کے افراد میں ہونی چاہیئے۔ گھر کی چہار دیواری مدنی زندگی کا گہوارہ ہے۔ جب گھر میں اخلاقی خرابیاں رونما ہونے لگتی ہیں تو مدنی زندگی کے سرچشمے معدوم ہوجاتے ہیں۔ نافع السالکین

---

[1] نافع السالکین ص ۱۳۵ [2] نافع السالکین ص ۵۰

[3] نافع السالکین ص ۸۵

میں ایسے متعدد واقعات درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا ادب احترام بالکل جاتا رہا تھا۔ ایک شخص نے آکر خدمت اقدس میں عرض کیا: "حضرت میرے عیال واطفال مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میری خدمت نہیں کرتے"۔ شاہ صاحبؒ کو یہ سن کر بے حد رنج ہوا۔ لیکن وہ انسانی نفسیات سے واقف تھے۔ اس شخص کو تو یہ کہہ کر تسلی دے دی ——

"تکیہ حق بکار آید وتکیہ غیر بکار نیاید	اللہ پر اعتماد و بھروسہ تو کام آتا ہے ورنہ
واگر کسے تکیہ بر عیال واطفال	غیر پر بھروسہ کب کام آسکتا ہے اگر کوئی
کند کہ مرا خدمت کنند، ہیچ فائدہ	اپنے بال بچوں پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ
نمی دہد" [1]	میری خدمت کریں گے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

لیکن پھر ایک موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا ——

از علامات قیامت است کہ	قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ
پسر با پدر جنگ و نزاع باشد [2]	بیٹا باپ سے جھگڑا کرے گا۔

اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

دختراں را ہمہ جنگ است وجدل با مادر
پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم [3]

جب کوئی اخلاقی یا سماجی کمزوری شاہ صاحبؒ کے علم میں آجاتی تھی تو وہ اس کے دور کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے۔ جب انھوں نے یہ حالات دیکھے تو مختلف طریقوں سے والدین اور اولاد کے تعلقات میں شگفتگی، اطاعت اور فرماں برداری پیدا کرنے کی سعی فرمائی۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے ——

خدمت وفرماں برداری والدین	والدین کی خدمت اور فرماں برداری
از دل وجان باید کرد کہ در حدیث	دل اور جان سے کرنی چاہیئے "حدیث

۱، ۲ نافع السالکین ص ۱۱۲ ۳ نافع السالکین ص ۱۱۰

آمدہ کہ والدین مثل کعبۃ اللہ	میں آیا ہے کہ والدین کعبۃ اللہ کی مانند
اند اگر کسے والدین را رد کند	ہیں جو والدین کو رد کرتا ہے وہ خود کبھی
ہرگز مقبول نہ شود" [1]	مقبول نہیں ہوگا۔

اس طرح ڈرانے کے بعد ایک جگہ نہایت خوشی کے ساتھ فرماتے ہیں ——

"اگر پسر با پدر خوش دل شدہ تکلم
نماید، آں را مبارک بادی نمایند" [2]

شاہ صاحبؒ نے سوسائٹی کی اور بھی بہت سی خرابیوں کی مذمت کی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں، پہلے زمانہ میں قاضی صاحب نسبت ہوتے تھے، اب رشوت خور ہوتے ہیں [3]۔ رشوت خوری کی مذمت اس طرح کرتے ہیں ——

ہر کہ حرام خورد، رزق او تنگ شود	جو کوئی حرام کھاتا ہے اس کا رزق تنگ
وعاجز باشد چنانچہ دزداں ہمیشہ	ہوجاتا ہے اور وہ عاجز ہوجاتا ہے
خوار باشند" [4]	چنانچہ چور ہمیشہ خوار ہوتے ہیں۔

اہل کاروں کی مذمت ایک سلسلہ میں اس طرح کرتے ہیں ——

ہر اہل کار دریں زماں کہ می آید	اس زمانہ میں ہر اہل کار جو آتا ہے
از سابق بدتر باشد [5]	پہلے سے بدتر آتا ہے۔

ایک جگہ شراب خوری کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ کسی کے نفس پر شیطان غالب کرتا ہے تو وہ شراب خوری وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ عشق بازی سے بچنا چاہیئے:

عشق ورزیدن با کودکان وزناں	عورتوں اور لڑکوں سے عشق کرنا ایک
بلائیست ازیں دور باید بود [6]	بلا ہے اس سے دور رہنا چاہیئے۔

---

۱ نافع السالکین ص ۱۵۲ ۲ نافع السالکین ص ۹۰
۳ نافع السالکین ص ۱۰۴ ۴ و ۵ نافع السالکین ص ۹۱ ۶ نافع السالکین ص ۱۶۵

اتباع شریعت کی تلقین

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

ہر کہ خواہد مقبول و محبوب حق سبحانہ تعالیٰ گردد باید کہ در متابعت شریعت ظاہراً و باطناً کوشش نماید چنانچہ نص دریں باب وارد است۔ اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللّٰہُ [۱]	جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جائے اسے چاہئے کہ ظاہر او باطن میں شریعت کی متابعت کرے چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللّٰہُ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

بار بار ارشاد ہوتا ہے:

از امر غیر مشروع دور باشید [۲]	غیر شرعی چیزوں سے دور رہو۔

ان کو سوائے قرآن و حدیث کے کوئی گفتگو پسند نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔

"بغیر ذکر خدا و رسول ہمہ سر دردی است [۳]

شاہ صاحبؒ کا خیال تھا کہ انسانیت کا کمال بغیر متابعت شریعت دشوار ہے

وحصولِ کمال انسانی بغیر متابعت شریعت
ظاہری و باطنی از قبیل محالاتست" [۴]

فرمایا کرتے تھے کہ صفائی قلب جو روحانی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہے بغیر اتباع شریعت کے حاصل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ولی بھی خلاف شرع عمل کرتا ہے تو اس کی ولایت، اور روحانیت کو نقصان پہونچ جاتا ہے:

یک فعل غیر مشروع بندہ را از مرتبہ	ایک غیر شرعی فعل بندے کو مرتبہ

۱؎ نافع السالکین ص ۷۵ ۲؎ نافع السالکین ص ۱۵۵
۳؎ نافع السالکین ص ۱۰۹ ۴؎ نافع السالکین ص ۴۹ ،۴۸

ولایت بیفگند" [۱]	ولایت سے نیچے پھینک دیتا ہے۔

شاہ صاحبؒ، تصوف و سلوک کی مستند کتابوں کے حوالے دے کر ثابت کیا کرتے تھے کہ صراطِ مستقیم سے مقصود راہِ شریعت ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں یہی بتایا ہے کہ شریعت کی مدد کے بغیر روحانیت کی دشوار گذار راہیں طے نہیں کی جاسکتیں۔ [۲]

شاہ صاحبؒ جب لوگوں کو شریعت سے بے اعتنائی برتتے ہوئے پاتے تھے تو ان کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بالفرض اس وقت موجود ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے، اس لئے کہ انھوں نے شریعت کا اتباع چھوڑ دیا ہے، اور مخلوق اُن کو دیوانہ کہتی، اس لئے کہ ان کے افعال و اخلاق شریعت کے مطابق ہوتے۔ [۳]

متابعت رسولؐ کی ہدایت

شاہ صاحبؒ مسلمانوں کے تمام مصائب اور مشکلات کا سبب اتباع رسولؐ میں سستی کو قرار دیتے تھے! ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت بھی اس لئے نکلی ہے کہ انھوں نے متابعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

دریں زماں چوں مسلمانان متابعت نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم گذاشتہ اند حق سبحانہ تعالیٰ کفار را برایشاں مسلط کردہ است" [۴]	اس زمانہ میں چونکہ مسلمانوں نے اتباع رسولؐ کو چھوڑ دیا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے ان پر کفار کو مسلط کر دیا ہے۔

اکثر ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جب سکھوں نے ملتان کا محاصرہ کیا تو ایک بزرگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امداد کے طالب ہوئے۔ خواب میں رسول خدا نے ارشاد فرمایا،

۱؎، ۲؎ نافع السالکین ص ۱۲۸ ۳؎ نافع السالکین ص ۱۹ ۴؎ نافع السالکین ص ۵

"امت من متابعت من گذاشتہ اند"[۱] میری امت نے میرا اتباع چھوڑ دیا ہے

فرمایا کرتے تھے کہ دین اور دنیا دونوں میں کامیابی کا انحصار رسول اللہ کے اتباع پر ہے، بے متابعت حصولِ مقصد ناممکن ہے۔ حکومت بھی اسی وقت مل سکتی ہے جب زندگی کے ہر شعبہ میں اس "اکمل ترین انسان" کا اتباع ہو اور روح کی کمالیت بھی اسی وقت ممکن ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر گامزن ہو۔[۲] سلوک و معرفت کی راہیں بغیر اتباع رسول کے طے نہیں کی جا سکتیں۔

مذہبی و روحانی تعلیم شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں میں صحیح مذہبی جذبات پیدا کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو صحیح راستہ پر لگانے کے لئے بے چین رہتے تھے۔ ان کی نظر میں پیر کا کام مشاطہ کی طرح، اپنے مرید کے روحانی خط و خال سنوارنا تھا۔ جس وقت خواجہ مہارویؒ نے ان کو خلیفہ بنانا چاہا تھا تو انھوں نے یہ عذر کیا تھا "قبلہ! زمانہ کی حالت دگرگوں ہے۔ لوگ بہت گمراہ ہو گئے ہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ مجھ میں استطاعت نہیں کہ اس کام کی ذمہ داری قبول کروں"[۳] لیکن جب پیر و مرشد نے اصرار کیا تو انھوں نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ اور ساٹھ سال اس ذمہ داری کو اس طرح پورا کیا کہ ان کی دوررس نگاہ زندگی کے ہر شعبہ تک پہونچی اور ان کے اصلاحی ہاتھ کا اثر دور دور محسوس کیا گیا۔ ان کے آخری زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ ملفوظات میں درج ہے۔ ایک عورت نے سوال کیا "غریب نواز لکھوکھا آدمی، کیا مرد کیا عورتیں، آپ کے دست پر بیعت ہوتی ہیں اور یہ حال ہے کہ آپ کسی کو زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیتے اور کیا دن ہو کیا رات بیعت کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک کا بھروسہ ہے کہ قیامت کے دن آپ کام آئیں گے اور امداد کریں گے۔ مگر حیرانی ہے کہ کروڑوں مخلوق

---

۱ نافع السالکین ص ۳۰-۱۰۶- ۱۵۸

۲ "کمال روح موقوف است بر متابعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم"۔ نافع السالکین ص ۱۲۸

۳ خاتم سلیمانی ص ۶۸

میں سے آپ اپنے مرید کس طرح پہچان سکیں گے"۔ جواب میں ارشاد فرمایا "رات کا وقت ہوتا ہے اور چھ سات چرواہے اپنی اپنی بھیڑیں ملا دیتے ہیں اور پھر جب چاہتے ہیں ہر ایک اپنے ریوڑ کو جدا کر لیتا ہے۔ حالانکہ سب بھیڑیں ہم رنگ ہوتی ہیں اور حالانکہ سب چرواہوں کو احمق اور بے وقوف کہا کرتے ہیں تو کیا میں اپنے مریدوں کو شناخت نہ کر سکوں گا"۔[۱]

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کی مذہبی اور روحانی تعلیم کے بعض اہم پہلو یہ ہیں:

① عبادت فرمایا کرتے تھے کہ انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[۲] کبھی یہ شعر پڑھتے تھے ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی[۳]

شاہ صاحبؒ کی حیثیت ایک روحانی طبیب کی سی تھی۔ وہ ہر شخص کو اس کی طاقت، استعداد اور صلاحیت کے مطابق عبادت کا حکم دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ریاضت بقدر استطاعت کرنی چاہیئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شروع میں انتہا سے زیادہ ریاضت کر لی جاتی ہے، بعد کو ناتوانی اور ضعف کے باعث فرائض کی ادائگی میں بھی کوتاہی ہونے لگتی ہے۔[۴]

② اللہ پر صحیح اعتقاد و اعتماد شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کو اللہ پر پختہ اعتماد اور کامل بھروسہ کا درس دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی تعلیمات اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: "التجا و تکیہ بہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ باید کرد نہ بغیر او"[۵]

---

۱ خاتم سلیمانی ص ۷۷ ۲، ۳ نافع السالکین ص ۱۴

۴ نافع السالکین ص ۱۰۵ ۵ نافع السالکین ص ۴۷

"سالک را باید کہ سوائے جناب حق عزوجل
تکیہ گاہِ خود نہ بیند" [1]

غیر اللہ پر تکیہ کرنا حادث ہے[2]۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے خدا پر بھروسہ کیا اور آگ گلزار بن گئی[3]۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر پر بھروسہ کیا اور زندان میں رہے[4]۔

③ حُبِ دنیا سے پرہیز

شاہ محمد سلیمان صاحبؒ نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ "دنیا کی محبت"[5] اور "دنیا داروں کی صحبت"[6] سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد گوشہ نشینی یا رہبانیت نہ تھی۔ خود اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

سالک را چند چیز در دنیا چارہ نیست و آں را صوفیہ کرام از دنیا نمی شمارند بلکہ از امور دینیہ انگارند۔ چنانچہ قوت ضروری برائے عبادت و جامہ، ضروری بنا بر ستر عورت، و آب ضروری بہ جہت بقائے حیات و مسکن ضروری برائے عبادت و علم ضروری برائے عمل[7]

سالک کو دنیا کی چند چیزوں کے بغیر چارہ نہیں، اور ان کو صوفیہ کرام دنیا میں شمار نہیں کرتے۔ بلکہ ان کو امور دینیہ میں گنتے ہیں۔ چنانچہ غذا جو عبادت کے لئے ضروری ہو اور کپڑا جو ستر کے چھپانے کے لئے درکار ہو اور پانی جو بقائے حیات کے لئے ہو اور مسکن ضروری برائے عبادت اور علم برائے عمل وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں شمار نہیں۔

حکومت کے متعلق شاہ صاحبؒ کا نظریہ

شاہ صاحبؒ نے جب مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اسباب کا تجزیہ

---

١ نافع السالکین ص ۵۹ ٢ نافع السالکین ص ۵،
٣ نافع السالکین ص ۱۱۹ ٤ نافع السالکین ص ۵،
٥ نافع السالکین ص ۱۱۱ ٦ نافع السالکین ص ۲۸ ٧ نافع السالکین ص ۳۱۵

کیا، تو ان کو مسلمانوں کے سب آلام و مصائب کا صرف ایک سبب نظر آیا اور وہ مذہب سے بیگانگی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ظالموں کے ظلم سے تنگ آگئے ہیں۔ جواب میں فرمانے لگے ——

"اگر کسے بدی کند بر خود کردہ باشد" [1]

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی طرح ان کا خیال یہ تھا کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے لیکن ظلم و ناانصافی کے ساتھ نہیں۔ [2]

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم حکمراں کا مسلط ہونا، لوگوں کی بد اعمالی کی دلیل ہے "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ"[3] اور اپنی مجلسوں میں اسی پر اصرار کیا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو ظالم حاکموں کے قبضہ میں دے دیتا ہے ——

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے
نہد ملک در پنجۂ ظالمے
بقومے کہ نیکی پسند و خدائے
دہد خسرو عادل و نیک رائے[4]

جب لاہور پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو شاہ صاحبؒ نے کہا:

ان اللہ یتجلی علی استعداد متجلیٰ لہ

"یعنی کار ما مسلماناں را در ناشائستگی از حد گذشتہ
کہ ایشاں در ملک غلبہ کردہ اند" [5]

پھر یہ شعر پڑھا ؎

چشم عبرت برکشا و قدرت حق را ببیں
شامت اعمال ما ایں صورتِ نادر گرفت

---

١ نافع السالکین ص ۱۳۶-۱۳۵ ٢ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ص
٣، ٤ نافع السالکین ص ۷ ٥ نافع السالکین ص ۳۰

وہ حاکم کو برا کہنے اور غیر ضروری طور پر بدامنی اور ہنگامہ آرائی کے بجائے درستیٔ اعمال کا مشورہ دیتے تھے کہ اسی میں فتح و کامرانی کا راز تھا۔ فرماتے ہیں۔

سالک را باید کہ در حق حاکم وقت دعائے بد نہ کند، خواہ مسلمان باشد خواہ مشرک، خواہ ظالم باشد خواہ عادل، بلکہ برائے او دعا کند تا در حکم آں سستی نباشد زیرا در سستی حکم نقصان خلق اللہ است و در قوت عین مصلحت ۱؎	سالک کو چاہیئے کہ حاکم وقت کے حق میں بد دعا نہ کرے، خواہ وہ مسلمان ہو یا مشرک ظالم ہو یا عادل۔ اس کے لئے دعا کرے تاکہ اس کے حکم میں سستی نہ ہو۔ اس لئے کہ سستی میں خلق اللہ کا نقصان ہوتا ہے اور قوت عین مصلحت ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمایئے کہ مسلمان کی حکومت ہو، ہم کفار کی حکومت سے تنگ آ گئے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا ـــــــ

" حاکم حق تعالیٰ است

الیس اللہ باحکم الحاکمین " ۲؎

شاہ صاحبؒ کی رائے تھی کہ حکومت سے پہلے درستیٔ اعمال از بس ضروری ہے فرماتے ہیں:

ہر بلاء و مصیبت کہ بر مردماں منزل شود از جہت صدور اعمال ناشائستہ باشد چنانچہ در حدیث شریف وارد است اعمالکم عمالکم یعنی کردار ہائے شما حاکمان شما اند۔ اگر اعمال شما نیک باشند پس حاکم شما اہل اسلام	ہر بلاء مصیبت جو انسان پر نازل ہوتی ہے ان کے اعمال ناشائستہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے اعمالکم عمالکم۔ یعنی تمہارے کردار تمہارے حاکم ہیں اگر تمہارے اعمال نیک ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اہل اسلام میں سے

۱؎، ۲؎، ۳؎ نافع السالکین ص ۲۳ - ۳۲ - ۴۰

و عادل باشند و اگر بالعکس باشند پس حاکم شما نیز کافر و جابر باشند" ۳؎	اور عادل ہوں گے اگر اس کے برعکس ہوں گے تو حاکم بھی کافر اور جابر ہوں گے۔

غیر مسلموں سے تعلقات

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ نہایت وسیع المشرب وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے چشتیہ سلسلہ کے دیگر اکابر کی طرح اُن کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ ہندوؤں سے شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ وہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مذہب، اپنے تمدن، اپنی شریعت پر قائم رہو لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اپنے تعلقات میں کبھی بدمزگی پیدا نہ ہونے دو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

سالک را باید کہ ہیچ کس رنج ندہد بلکہ ہمہ خلق صلح کند" ۱؎	سالک کو چاہیئے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔

شاہ صاحب ہمیشہ محبت، امن اور صلح کا درس دیتے تھے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں شگفتگی دیکھنا چاہتے تھے۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے:

حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ در طریقت ما ہست کہ با مسلمان و ہنود صلح باید داشت۔ و این بیت شاہد آوردند ۲؎	حضرت قبلہ من قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں ہے کہ ہندو اور مسلمان سے صلح رکھی جائے اور اس بیت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

یہ واضح رہے کہ شاہ صاحب کا یہ برتاؤ اور یہ سلوک صرف غیر مسلموں کے ساتھ تھا۔ بد مذہبوں کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو ہمیشہ بد مذہبوں سے بچنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۱؎ نافع السالکین ص ۷۷ ۲؎ نافع السالکین ص ۱۶۷ ۳؎ نافع السالکین ص ۱۶

سالک را باید کہ از صحبت بد مذہباں	سالک کو چاہیے کہ بد مذہبوں کی صحبت
خود را دور دارد، اگرچہ در صحبت ایشاں	سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ چاہے اُن
نعیم دنیاوی موجود شوند، ہرگز اختیار	کی صحبت میں دنیاوی فوائد ہی موجود
نکند، بلکہ بہ گرسنگی و برہنگی گذران	ہوں ہرگز ان سے میل جول نہ رکھے۔ بلکہ
بہتر است" [1]	بھوکا اور ننگا رہنا ان کی صحبت سے بہتر ہے

وہ بد مذہبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے تو اپنے بیٹے کو ایک ایسی کتاب بھی نہ پڑھنے دی تھی جس کا مصنف ایک معتزلی تھا۔ [2]

عیسائی اور شاہ صاحبؒ

شاہ محمد سلیمانؒ کے زمانہ میں برطانوی اقتدار نہایت سرعت کے ساتھ قائم ہو رہا تھا۔ مختلف مقامات پر عیسائی مشنری اپنے مذہب کی تبلیغ و تلقین میں سرگرم تھے۔ بعض لوگوں کو وہ ملازمتوں کا لالچ بھی دیتے تھے۔ بعض کو خاموش تبلیغ کے ذریعہ اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے۔ ایک طرف یہ کوششیں جاری تھیں کہ دوسری طرف لارڈ میکالے نے اس طریقہ تعلیم کا سنگ بنیاد رکھا تھا جس کے ذریعہ مغربی اثرات کا پھیلنا یقینی امر تھا۔

شاہ صاحبؒ کے پاس جب عیسائی مشنریوں کے ہنگاموں کی خبریں پہنچی تھیں تو ان کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور وہ اپنی بساط اور اپنے مقدور کے مطابق مسلمانوں کو ان مغربی اثرات سے بچانے کی جدوجہد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد حیات دہلوی [3] نے عرض کیا کہ

بسیار مسلمانان را فرنگیان از دین	بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں نے دین

---

[1]، [2] نافع السالکین ص ۱۶۲ [3] مولوی محمد حیات دہلویؒ بڑے جید عالم تھے۔ وہ دہلی سے شاہ صاحبؒ کی صحبت کا فیض حاصل کرنے کے لیے تونسہ تشریف لے گئے تھے۔ ان کے مختصر حال کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "۱۸۵۷ء سے پہلے کی دہلی" (برہان جولائی ۱۹۷۸ء)۔

محمدی گردانیدہ از ایمان خارج	محمدیؐ سے گمراہ کر دیا ہے اور ایمان سے
کردہ اند کہ ایشاں دین مسیحا از	خارج کر دیا ہے اور انھوں نے دین
جہت صحبت اختیار کردہ اند" [1]	مسیحی صحبت کی وجہ سے اختیار کر لیا ہے

شاہ صاحبؒ کو یہ خبر سن کر صدمہ ہوا اور فرمایا کہ ایسی نوکری سے جس سے ایمان کا خطرہ ہو بھوکا مر جانا بہتر ہے۔ جب ملتان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور شاہ صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ انھوں نے وہاں مقابر کی بے حرمتی کی ہے تو سخت پریشانی میں یہ شعر پڑھا ۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد [2]

ایک مرتبہ ایک شخص سے فرمانے لگے :

"فرنگیاں را تیر نمی زنی" [3]	انگریزوں پر تیر کیوں نہیں چلاتے ۔

اس نے عرض کی "قدرت نہیں رکھتا" "آپ مدد فرمایئے"۔ آپ نے یہ شعر پڑھا اور خاموش ہوگئے [4] ۔

کمال نرم باید کمانہ دار چشت
بوقت کشیدن در آید درست [5]

سرکاری ملازمت اور شاہ صاحبؒ

متقدمین صوفیہ سلسلہ چشتیہ اپنے خلفاء اور مریدین خاص کو "شغل" [6] سے اجتناب کی ہدایت فرماتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرکاری ملازم ہونے کے بعد انسان میں دینی کام انجام دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ شغل کو رُوحانی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ ایک شخص نے اطلاع دی مولوی علی الدین بہاول پوری احمد پور کے قاضی ہو گئے ہیں۔ فرمانے لگے :

---

[1] نافع السالکین ص ۱۶ [3، 4] نافع السالکین ص ۱۶۰
[2] نافع السالکین ص ۵ [6] شغل سے مراد سرکاری ملازمت تھی۔

مولوی مذکور پیش ازیں خوش	مولوی مذکور اس سے پہلے خوش تھے۔
بود اکنوں در بلا افتاد کہ معاملہ قضا	اب بلا میں گرفتار ہو گئے کہ قضا کا جھگڑا
اختیار کردہ کہ معاملہ قضا نزد پیران	اپنے ذمہ لے لیا۔ قضا کا معاملہ ہمارے
ما ممنوع است کہ بسیار مریدانرا	پیروں کے نزدیک ممنوع ہے اور انھوں نے
ازیں معاملہ منع کردہ اند [۱]	بہت سے مریدوں کو اس سے منع کیا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا واقعہ بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں انھوں نے قاضی ہونا چاہا تھا لیکن شیخ نجیب الدین متوکل نے اس سے باز رکھا تھا۔ [۲]

ایک مرید مولوی علی محمد جراح نے عرض کیا کہ غریب نواز! مجھے ڈیرہ غازی خاں کی قضا مل رہی ہے۔ لیکن میں بہت ڈرتا ہوں۔ فرمایا۔ مریدی کا تخف اللہ رقی اور خاموش ہو گئے۔ [۳]

شاہ صاحب اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی نوکری کرنی چاہیے[۴]۔ سرکاری معاملہ سے دور رہنا بہتر ہے۔ اس میں پڑ کر فرشتہ بھی شیطان ہو جاتا ہے[۵]۔ ملفوظات میں متعدد جگہ انھوں نے اپنے اعلیٰ مریدوں کو سرکاری ملازمت سے منع کیا ہے۔ ایک جگہ تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

"نوکری و ملازمت نمودن بہ اہل دنیا بد است، و داخل شدن در معاملۂ اہل دنیا ازاں بدتر، کسیکہ حاکم شود از جانب اہل دنیا بر مخلوقات حکم کند و پاس خاطر اہل دنیا نماید و رعایت امر اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فراموش کردہ بر خلق اللہ ظلم و تعدی کند و حال خلق اللہ را بظلم و جبر بگیرد"[۶]

امراء سے بے تعلقی

شاہ محمد سلیمان امراء اور دنیادار لوگوں سے بے تعلق رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے لوگوں کی صحبت سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

۱ نافع السالکین ص ۵ ۲ نافع السالکین ص ۱۰۳ ۳ ۴ نافع السالکین ص ۸۳
۵ نافع السالکین ص ۹ ۶ نافع السالکین ص ۸۳

فرماتے ہیں:

(۱) "سالک را باید کہ از صحبت اہل دنیا دور باشد" [۱]

(۲) "قرب ایشاں ہلاکت جان است"
"قرب سلطاں آتش سوزاں بود"[۲]

(۳) صحبۃ الاغنیاء تمیت القلب ولو کانت ساعۃ[۳]

فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا "سفید چشم" اور "بے وفا" ہوتے ہیں[۴] جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پیر و فقیر کی تلاش میں پھرتے ہیں اور آہ و زاری کرتے ہیں، لیکن ویسے بلا مطلب وہ کبھی فقرا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ [۵]

امراء سے علیحدہ رہنے کے سلسلہ میں وہ ایک بہت دلچسپ حکایت سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ سعدی حضرت خواجہ فریدالدین عطار سے ملاقات کے لئے گئے شیخ عطار نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا۔

"تو با توانگراں دوستی داری با تو	تو امیروں سے دوستی رکھتا ہے میں
ملاقات نکنم"	تجھ سے نہیں ملتا۔

شیخ سعدی کو سخت صدمہ ہوا۔ ۶ ماہ تک وہاں رہے۔ پھر حضرت شیخ فریدالدین عطار نے ان کو بلایا اور "آستین خود را دراز کرد تا حضرت سعدی بر آں بوسہ داد و رفت"[۶]

شاہ صاحب نے جاگیر کے معاملہ میں بھی اپنے بزرگوں کے مسلک پر عمل کیا۔ ایک مرتبہ عبدالجبار خاں نواب ڈیرہ غازی خاں نے درویشوں کے خرچ کے لئے جاگیر پیش کی۔ جواب میں فرمایا:

۱ نافع السالکین ص ۲۸ ۲، ۳ نافع السالکین ص ۱۰۶
۴ نافع السالکین ص ۸۲ ۵ نافع السالکین ص ۸۲
۶ نافع السالکین ص ۴

مااین جاگیر نہ گیریم کہ خلاف سنت پیران
وشیخان ماہر گز نہ خواہیم نمود کہ ایشاں قبول
نہ کردہ اند"۔[1]

کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ گل محمد کے لئے جاگیر قبول فرمالیجئے۔ جواب دیا:

گل محمد را نیز حاجت جاگیر نیست اگر نعلین
درویشاں راست کند، برائے خدمت او
مقربان خدمت گار شوند"۔[2]

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا مہمان ہو کر زندگی بسر کرنی چاہیئے تاکہ دینی کام پوری ذہنی مرکزیت کے ساتھ انجام پاسکیں۔

نواب بہاول خاں اوّل اور شاہ صاحبؒ

نواب بہاول خاں اول، خواجہ مہارویؒ کا مرید اور معتقد تھا۔ خواجہ محمد سلیمان صاحبؒ سے بھی اس کو بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ صاحبؒ کا یہ مسلک تھا کہ امراء و رؤسا سے علیحدہ رہتے تھے لیکن اگر کبھی ملنا پڑجاتا تو نہایت خودداری اور استغنا سے ملتے تھے۔ اگر کوئی بات خلاف قاعدہ دیکھتے تو سختی کے ساتھ زجر و تنبیہ فرماتے اور اپنی ناراضگی کا اظہار صاف طور پر کردیتے۔

خواجہ مہارویؒ کے وصال کے بعد نواب بہاول خاں نے صاحبزادگانِ مہار اور متعلقین کی جاگیریں ضبط کرلیں۔ خواجہ مہارویؒ کے عرس کے موقع پر شاہ محمد سلیمان صاحبؒ وہاں تشریف لے گئے تو قاضی عاقل محمد صاحب اور حافظ محمد جمال صاحبؒ نے اس کا ذکر کیا اور تمام واقعات شاہ صاحبؒ کو بتا کر نواب صاحب کے پاس جاکر سفارش کرنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا "دیکھئے صاحبان! ہم تو پہاڑی آدمی ہیں منت اور خوشامد کرنی تو ہم جانتے ہی نہیں۔ مجھے نواب صاحب کے پاس جانے سے گریز نہیں ہے، کیونکہ اپنے مرشدزادوں کا کام ہے۔ مگر طریقہ لجاجت کی امید نہ رکھئے۔

[1]، [2] نافع السالکین ص ۶۱۔

ٹھلا الاونڑا تین ٹھلا کہاونڑ

یعنی موٹا کھانا، موٹا پہننا اور سخت کلام کرنا ہمارا کام ہے۔ جانے کو تو میں جاتا ہوں مگر پھر مجھ سے یہ شکایت نہ کرنا کہ کام خراب کر آیا یا مٹی واگھبکار یا کھلیش اجٹیکار ادھر یا ادھر۔ غرض خواجہ صاحب مرشدزادوں کے احترام کے باعث منع نہ کرسکے اور نواب صاحب کے پاس پہنچے۔ نواب نہایت عجز و انکسار سے ملا۔ خواجہ صاحب نے اس کو انتہائی غصہ میں ڈانٹا اور کامیاب واپس ہوئے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نواب محمد صادق خاں پسر بہاول خاں نے خواجہ مہارویؒ کے صاحبزادوں سے کچھ جرمانہ وصول کیا۔ شاہ محمد سلیمانؒ کو اس کا علم ہوا تو سخت ناگواری ہوئی۔ نواب صادق خاں سے خط و کتابت کا سلسلہ بند کردیا۔ نواب نے عذر و تقصیر کے لئے سید غلام شاہ اور دیگر اشخاص کو خدمتِ عالی میں بھیجا۔ اتفاق سے ان دنوں صاحبزادہ نور احمد صاحب بھی احمد پور مقیم تھے۔ نواب نے ان سے بھی شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جانے کی درخواست کی۔ صاحبزادہ نور احمد صاحب معہ سید غلام شاہ وغیرہ خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ہمراہ چلنے کی درخواست کی۔ خواجہ صاحبؒ نے اول تو ٹالا۔ لیکن جب صاحبزادے صاحبؒ نے اصرار کیا تو فرمانے لگے "صاحبزادے صاحب آپ کو اس کام کے لئے یہاں تشریف لانا ہرگز ہرگز مناسب نہ تھا۔ آپ کی خاطر تو میں نواب صاحب سے ناراض ہوا تھا۔ اب آپ خود ہی تشریف لائے ہیں۔" صاحبزادہ صاحب نے جواب دیا "قبلہ! کیا کریں۔ مجبوراً و لاچار ہو کر آئے ہیں۔ ہماری گذران اس ملک میں ہے۔" خواجہ صاحب نے فرمایا "نہیں نہیں۔ وہ تمہارے ملک میں ہے اور اس کی گذران تمہارے ملک میں ہے۔ خداوند کریم کا بھی لحاظ چاہیئے۔ آپ کے والد صاحب قطب الاقطاب تھے۔ آپ خدا کا دروازہ چھوڑ کر اہل دنیا کے پاس التجا لے جاتے ہیں۔" مجبوراً خواجہ تونسویؒ سلطان پور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب حاضر ہوئے تو

[1] نافع السالکین ص ۷۶۔۸۱ و خاتم سلیمانی ص ۷۸۔۷۷

خواجہ صاحبؒ نے نہایت سخت سست کہا اس نے نذر پیش کی۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا اس کو دیوار کے باہر پھینک دو کہ اس بلا کے واسطے ہم ساری رات پہرہ چوکی کیوں دیں[1]

بہاول خاں ثانی جب تخت نشین ہوا تو اس نے شاہ صاحبؒ کے ساتھ انتہائی عقیدت و ارادت کا سلوک کیا تخت نشینی کے موقع پر شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ۸ ہزار روپیہ نذر کے بھیجے۔ خواجہ صاحبؒ نے یہ روپئے مساکین و یتامیٰ میں تقسیم کر دیئے۔[2] اس کے بعد آپ کے لئے ایک مسجد بنوائی۔[3] فاربس نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے: "۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء میں نواب بہاول خاں والیِ ریاست بہاول پور نے خواجہ سلیمان صاحبؒ کی یادگار میں ایک مسجد اور ایک روضہ تیار کرا دیا"[4] فاربس نے اسی فیصلے میں لکھا ہے "بہاول پور کا ہر نواب ثانی۔ پیر تونسہ کا مرید ہوتا ہے"[5]

ریاستیں اور شاہ صاحبؒ

پنجاب اور سرحد کی چھوٹی بڑی ریاستیں شاہ صاحبؒ سے عقیدت و ارادت کو اپنے لئے باعثِ فخر و مباہات تصور کرتی تھیں۔ اکثر اوقات پگڑی باندھنے کی درخواست شاہ صاحبؒ ہی سے کی جاتی تھی۔

جب نواب صادق محمد خاں کا انتقال ہوا اور نواب رحیم یار خاں، نواب بہاول خاں ثالث کے نام سے گدی پر بیٹھے تو شاہ صاحبؒ احمد پور تشریف لے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے دستار باندھی۔[6] جب لعل خاں نتکانی حاکم سنگھڑ کا دورِ حکومت ختم ہوا تو شاہ صاحبؒ نے نوابی کی دستار اسد خاں کے سر پر باندھی۔[7]

جب شاہ صاحبؒ ان والیان ریاست کو کسی گمراہی میں مبتلا پاتے تھے تو نہایت سختی سے تنبیہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لعل خاں نتکانی حاکم سنگھڑ نے ایک بلوچ لڑکی سے جبراً نکاح کر لیا مسلمانانِ سنگھڑ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ قاضی سنگھڑ اور دیگر ذمہ دار

---

۱ خاتم سلیمانی ص ۸۳-۸۰ و نافع السالکین ص ۱۵۶ ۲ نافع السالکین ص ۹۲
۳ نافع السالکین ص ۶۸ ۴ فیصلہ فاربس ص ۷-۶
۵ فیصلہ فاربس ص ۲۴ ۶ خاتم سلیمانی ص ۹۴ ۷ خاتم سلیمانی ص ۹۷

اشخاص نے شاہ صاحبؒ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ شاہ صاحبؒ نے لعل خاں کے پاس کہلا بھیجا "مسلمانوں پر اس قدر ظلم نہ کرو اور کچھ خدا سے ڈر" لعل خاں نے جواب لکھا۔ شاہ صاحبؒ نے وہ عریضہ پڑھ کر غصہ سے دور پھینک دیا۔[1]

لعل خاں کے بعد اس کا ایک عزیز اسد خاں حاکم ہوا۔ اس نے عدل و انصاف سے کام نہیں لیا تو شاہ صاحبؒ نے اس کو تنبیہ کی "اسد خاں ظلم ترک کر دے تیری حکومت میں اگر میں فائدہ ہے تو یہ کہ اذان سننے میں آتی ہے۔ ورنہ میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑے دنوں میں ہی اس شمالی ریکھ (تودۂ ریگ) پر سکھوں کی فوج آنے والی ہے"[2]

ایک مرتبہ نواب عبدالصمد خاں والیِ ڈیرہ غازی خاں نے قلعہ اختیار خاں کا محاصرہ کیا۔ اہالیانِ شہر گڑھی کے خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ نواب قلعہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو شاہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں بھیجا کہ امداد کی درخواست کرے۔ شاہ صاحبؒ نواب عبدالصمد خاں کے پاس جانے کے لئے خود تیار ہوئے۔ میاں محمد صالح نے عرض کیا: "قبلہ! آپ کا تشریف لے جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ نواب متکبر آدمی ہے" شاہ صاحبؒ جو ہر کام خالصاً للہ کیا کرتے تھے۔ فرمایا "میں بندۂ خدا ہوں نہ کہ بندۂ نفس۔ اگر وہ کہنا نہ مانے گا تو آخر میرا کیا بگڑے گا"[3] یہ الفاظ شاہ صاحبؒ کی بلند حوصلگی، عالی ہمتی، اور بے نفسی کے بہترین شاہد ہیں۔ وہ اصلاحی کام میں ذاتی عزت و افتخار کا جذبہ بالکل شامل نہ ہونے دیتے تھے۔

شاہ شجاع اور خواجہ تونسویؒ

جس زمانہ میں شاہ محمد سلیمان صاحبؒ تونسہ میں رونق افروز تھے، اس وقت مشرق وسطیٰ کی سیاست بہت خطرناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ نیپولین کی جنگوں کے بعد سے روس مسلسل مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۸۲۶ء میں روسیوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر اس ملک پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ برطانیہ کو روس کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار

---

۱ خاتم سلیمانی ص ۹۷ ۲ خاتم سلیمانی ص ۹۹ ۳ خاتم سلیمانی ص ۱۰۱

سے سخت خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس نے افغانستان میں اپنی طاقت کا استحکام کرنا چاہا تاکہ برطانوی ہند اور روس کے درمیان ایک طاقتور ریاست مقابلہ کے لئے موجود رہے۔ لیکن افغانستان میں اس وقت اندرونی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ دُرّانی خاندان کو دوست محمد نے کابل اور غزنی سے نکال دیا تھا۔ دُرّانی خاندان کے امیدوارِ تخت و تاج، شاہ شجاع نے بالآخر ہندوستان میں پناہ لی تھی اور انگریز شاہ شجاع کی حمایت میں تھے۔

شاہ سلیمان تونسوی کی روحانی شہرت سُن کر شاہ شجاع ان کی خدمت میں حاضر ہوا خاتم سلیمانی میں کئی واقعات ایسے درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کو حضور خواجہ صاحبؒ سے بڑی عقیدت وارادت پیدا ہو گئی تھی۔

جب شاہ شجاع دوسری بار انگریزی امداد لے کر افغانستان جا رہا تھا تو تونسہ شریف سے اس کا گذر ہوا۔ رات کو وہیں قیام کیا۔ صبح کو خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے مصلے پر اس کو بٹھا لیا اور ساری سرگزشت سنی۔ اس کے بعد پوچھا "افغانستان کی تسخیر کا ارادہ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کس کی پناہ میں جا رہے ہو" فوراً جواب دیا "کہن دل خاں اور پردل خاں کی حمایت میں جا رہا ہوں"۔ اس کے بعد شاہ شجاع چلا گیا۔ شاہ صاحبؒ اپنی مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اس کا بخت برگشتہ معلوم ہوتا ہے وہ اللہ کے بجائے کہن دل خاں اور پردل خاں پر اعتماد رکھتا ہے"۔ لیکن شاہ صاحبؒ بڑے مردم شناس بزرگ تھے۔ اگر ایک طرف شاہ شجاع کی اس بات پر ان کو اعتراض تھا، تو دوسری طرف وہ اس کی ہمت و مردانگی کی تعریف فرمایا کرتے تھے کچھ عرصہ بعد جب شاہ شجاع کے قتل کی خبر سنی تو فرمانے لگے "شاہ شجاع بڑی ہمت والا جوان تھا حصول مطلب کی خاطر اپنی جان تک نذر کر دی"۔[1]

امیر دوست محمد خاں اور شاہ صاحبؒ

حضرت شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کی شہرت ہندوستان اور افغانستان میں دُور دُور

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۹۴

تک پھیل گئی تھی۔ جس زمانہ میں شاہ شجاع اور دوست محمد خاں میں افغانستان کی حکومت کے لئے کشمکش ہو رہی تھی اور سکھوں اور انگریزوں نے شاہ شجاع کو امداد دینی شروع کر دی تھی، اس وقت دوست محمد خاں نے شاہ صاحبؒ سے روحانی امداد کی درخواست کی۔ اور لکھا کہ میں نے خالصاً للہ جہاد پر کمر باندھی ہے تاکہ یہ اسلامی علاقہ کفار کے صدمات اور تصرفات سے محفوظ رہے۔ دعا فرمائیے کہ خدا مجھے فتح و نصرت عطا فرمائے۔ شاہ صاحبؒ نے یہ خط سُن کر منشی محمد واصل سے کہا کہ جواب میں یہ شعر لکھ دو ؎

ہر آں کہ استعانت بدرویش بُرد
اگر بر فریدوں زد پیش بُرد[1]

وصال

ماہ صفر ۱۲۶۷ھ (مطابق دسمبر ۱۸۵۰ء) کا چاند دیکھ کر خواجہ صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے "سفر" کا مہینہ ہے۔ خدا خیر کرے۔ کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی اور ۷، صفر کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ نواب بہاول پور نے ۲۰ ہزار روپیہ کے صرفہ سے سنگ مرمر کا عالی شان روضہ تیار کرایا۔ مولوی حسین علی فتح پوری نے تاریخ وصال کہی ؎

سلیمان زماں رحلت چو فرمود
بیکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سال وفاتش ہاتف غیب
بگفتہ او آفتاب چشتیاں بود[2]

۱۲۶۷ھ

حاجی نجم الدین صاحبؒ نے ایک نظم میں شاہ صاحبؒ کی زندگی کے کل اہم واقعات کی تاریخیں دی ہیں:

دردا کہ غوث الاعظم راہی سوئے جناں شد
از ہجر او دو عالم پُر شور و پُر فغاں شد

---

[1] خاتم سلیمانی ص ۱۱۷ [2] شجرہ خواجہ اللہ بخش ص ۲۸، خاتم سلیمانی ص ۱۵۰

از سالِ انتقالش ہاتف مرا بگفتہ
محبوب ذاتِ حق بود اندر زمیں نہاں شد
سالِ ولادت آں را از من اگر بپرسی
گر ہائے دور سازی خورشید دو جہاں شد
لفظ حبیب اللہ بے ہائے عمر او داں
من کردہ ام شماری ہشتاد و چار آں شد
تاریخ بیعت او ہم رفتنش بد جھلے
خورشید دو جہانی می خواں دریں عیاں شد
وقتِ وصالِ مرشد بست و دو سالہ بودہ
از نجم دین عاصی در نظم ایں بیاں شد[۱]

اولاد خواجہ محمد سلیمان کے دو فرزند تھے:

۱ ــــــ خواجہ گل محمد
۲ ــــــ خواجہ درویش محمد

دونوں کا شاہ صاحبؒ کی حیات ہی میں وصال ہو گیا تھا۔ اس لئے شاہ صاحبؒ کے بعد ان کے پوتے خواجہ اللہ بخش مسند نشین ہوئے۔

خلفاء شاہ محمد سلیمانؒ ۲۲ سال کی عمر میں مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے تھے اور ۸۴ سال کی عمر تک وہ تلقین و ارشاد میں مصروف رہے۔ اس مدت میں ہزاروں تشنگانِ معرفت، ہندوستان اور دیگر بلادِ اسلامیہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے جہاں جوہرِ قابل پایا اس کی قدر کی اور خلافت سے سرفراز کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوریؒ نے لکھا ہے:

"خلفاء ایشاں در ہندوستان و ولایت خراسان صاحبِ ارشاد اند"[۲]   ان کے خلفاء ہندوستان اور خراسان میں صاحبِ ارشاد ہیں۔

مناقبِ حافظیہ میں لکھا ہے کہ آپ نے کم و بیش ۷۰ بزرگوں کو خرقۂ خلافت عنایت فرمایا تھا[۳] بعض خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱ مولوی محمد باراں کلاچویؒ
۲ مولوی محمد علی مکھڈیؒ
۳ مولوی محمد علی خیرآبادیؒ
۴ مولانا احمد تونسویؒ
۵ صاحبزادہ نور بخش نبیرہ قبلۂ عالم
۶ قطب الدین برادر حقیقی صاحبزادہ نور بخش
۷ مولوی نور جہانیاں صاحب بہاول پوری
۸ مولوی شہسوار صاحب سکنہ نواحی جہار
۹ حاجی بختاور
۱۰ حاجی برخوردار
۱۱ مولوی سرفراز چشتی فریدی ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۱۲ میاں عبدالشکور خیرآبادی
۱۳ سردار خاں ولایتی
۱۴ حسن شاہ قندہاری
۱۵ ولی اللہ خراسانی
۱۶ ولی اللہ المشہور بہ منبر والا
۱۷ مولوی محمد حیات دہلوی
۱۸ میاں حسن عسکری دہلوی
۱۹ میر فضل علی گھجری
۲۰ مولوی قیام الدین دہلوی
۲۱ مولوی شرف الدین سوتری
۲۲ شیخ احمد مدنی
۲۳ مولوی صالح محمد تونسوی
۲۴ علی محمد امام
۲۵ میاں عبداللطیف چینا پٹنی
۲۶ صاحبزادہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب
۲۷ مولوی نور محمد ملتانی امام مسجد حمام
۲۸ حافظ نور الدین ڈھنڈھی سکنہ نواحی جہا
۲۹ مولوی امام الدین ڈہڑی۔ لاہور
۳۰ نور احمد سندھی
۳۱ غلام محمد شیرانی
۳۲ نور عالم سکنہ مکھنڈ
۳۳ فاضل شاہ کشمیری
۳۴ امیر الدین بن فضل شاہ کشمیری
۳۵ سید شیر شاہ پاک پٹنی نبیرہ مولانا بدر الدین

۱؎ نافع السالکین ص ۱۱۹ ۔ ان کی مہر کا سجع تھا ــ سلیمان سرافراز ز نور محمد است

۲؎ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵

۳؎ مناقب حافظیہ ص ۱۴

(۳۶) مستان شاہ خراسانی
(۳۷) ابوالحسن لانگھوی سکنہ سنگھڑ
(۳۸) تقی محمد
(۳۹) مولوی قادر بخش
(۴۰) حافظ عظمت علی طفیروی نواحی کہا
(۴۱) مولوی غلام رسول طفیروی
(۴۲) فیض اللہ شاہ جہوی
(۴۳) مولوی نظام الدین
(۴۴) حافظ گوہر اونچا
(۴۵) میاں دلیل خاں پوری
(۴۶) مولوی محمد حسین چوہان
(۴۷) مولوی محمد یار جہنساوی
(۴۸) غلام محمد اوچینی
(۴۹) حافظ غلام رسول
(۵۰) مولوی نور محمد نارووالہ
(۵۱) سجل خاں سکنہ پھنڈی
(۵۲) غلام محمد ملفانی
(۵۳) غلام رسول، کوافغان
(۵۴) محمد اکرم
(۵۵) مولوی شمس الدین سکنہ مسا سیال
(۵۶) مولوی عبدالرحمٰن مودی
(۵۷) مولوی امام الدین
مصنف نافع السالکین
(۵۸) مولوی محبوب عالم
(۵۹) میاں نظام الدین جمیبی
(۶۰) شرف دین گردمتانی
(۶۱) غلام محمد [illegible] پوری
(۶۲) غلام محمد چینی
(۶۳) حاجی نجم الدین
مصنف مناقب المحبوبین

ان خلفا میں حاجی نجم الدین صاحبؒ، حافظ محمد علی خیرآبادیؒ، مولوی شمس الدین سیالویؒ نے سلسلہ کی ترویج و تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کی خانقاہیں آج تک عقیدت و ارادت کا مرکز ہیں۔ فاضل شاہ کشمیریؒ کی درگاہ گڑھی افغانان ضلع اٹک میں فاضلیہ کے نام سے مشہور ہے اور گرد و نواح کے ہزاروں خاندان ان کے سلسلہ سے عقیدت رکھتے ہیں۔

ان کے خلفا میں صوفی احمد (میرہ شریف)، سید علی شاہ (سوہاوہ)، احمد شاہ مجذوب الٰہی (فتح جنگ)، مولانا حبیب اللہ شاہ (میرپور نزد ایبٹ آباد) کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ فاضلیہ میں دینی کتب کا اچھا ذخیرہ ہے اور وہاں کے سجادہ نشین خواجہ محمد اعظم شاہ بڑے صاحب ذوق بزرگ ہیں۔

باب نہم

حافظ محمد علی صاحب خیرآبادیؒ

حافظ سید محمد علی خیرآبادیؒ خواجہ تونسویؒ کے اولین خلفا میں سے تھے۔ خیرآباد میں ان کی خانقاہ، علم و فضل کا مرکز اور فیوض و برکات کا منبع تھی، اودھ اور دکن میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت کا کام اسی خانقاہ میں بیٹھ کر کیا گیا تھا۔ ان میں بے پناہ عزم اور غیر معمولی استقلال تھا۔ انتہائی نامساعد حالات میں انھوں نے اپنے اصلاحی اور تبلیغی کام کو جاری رکھا اور ایک ایسے سماج کی نگہبانی کی جو اخلاقی قدروں سے بیگانہ ہوتا جا رہا تھا۔ اودھ کے گرتے ہوئے اخلاقی نظام اور زوال پذیر سیاسی طاقتوں کے خلاف انھوں نے آواز اٹھائی اور عوام کو ان کی اخلاقی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔

ولادت اور نسب

حافظ صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء کو ہوئی تھی[1]۔ ان کے والد ماجد مولوی شمس الدین ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اجداد میں ایک بزرگ حضرت شیخ سعد خیرآبادیؒ، حضرت شاہ مینا لکھنویؒ کے

---

[1] تذکرہ اولیائے دکن جلد اول، ص ۳۰۰

خلیفہ تھے، اور ان کی شہرت دُور دُور پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ حافظ صاحبؒ کا خاندان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علم و فضل میں اس گھرانے کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔

ایام طفلی بچپن ہی سے حافظ صاحبؒ کی طبیعت عبادت کی طرف راغب تھی۔ رات کے آخری حصہ میں اُٹھ کر یادِ حق میں مشغول ہو جاتے تھے[1]۔ شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں بیر کے درخت نظر آئے۔ سب لڑکوں نے ان درختوں سے پھل توڑ کر کھائے، حافظ صاحبؒ سے کھانے کے لئے کہا گیا تو فرمایا "یہ درخت غیر کی ملک ہیں، بغیر مالک کی اجازت کے کیونکر کھاؤں"[2]۔

تعلیم سب سے پہلے سید محمد علی صاحب نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد خیرآباد میں مولانا عبدالوالی صاحب سے جو اس زمانہ کے مشہور عالم تھے شرح وقایہ پڑھی۔ پھر شاہ جہاں پور تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ تک تحصیل علوم میں مشغول رہے یہاں شہر کے باہر ایک مسجد میں قیام رہا۔ شاہ جہاں پور کی علمی دنیا جب اُن کی تشنگی علم کو نہ بجھا سکی تو دہلی کا رخ کیا۔ کہ وہی ہندوستان میں علم و ادب، احسان و سلوک کا آخری مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے گھرانے نے علم کی وہ شمع روشن کر رکھی تھی جس کے گرد دُور دُور سے علمی پروانے جمع ہو رہے تھے۔ دہلی میں مشکوٰۃ کا سبق انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے لیا[3]۔ پھر حرمین شریفین میں صحیح بخاری کی سماعت فرمائی۔ جب شاہ سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحیح مسلم کی سماعت کی[4]۔ دہلی میں شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں فصوص الحکم کا بھی کچھ حصہ پڑھا[5]۔

مجاہدات حافظ صاحبؒ نے ابتدائی زمانہ میں سخت مجاہدات کئے تھے۔ سب سے پہلے وہ حضرت سید محمد مشتاق عرف چھیدا میاںؒ کے مزار پر چلہ کش ہوئے۔ پھر

۱؎ مناقب حافظیہ ص ۵، ۴،

۲؎ ۳؎ ۴؎ ۵؎ مناقب حافظیہ ص ۶، ۵،

۶؎ مناقب حافظیہ ص ۶،

حضرت شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار متبرکہ پر ریاضات شاقہ میں مشغول ہو گئے۔ نمازیوں کے لئے پانی بھر بھر کر لاتے تھے۔ باقی وقت میں عبادت کرتے تھے۔ اسی طرح کافی عرصہ گذر گیا۔ پھر حضرت دہلی چلے گئے اور وہاں حضرت قطب صاحبؒ کے مزار پر مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ چند مکانوں میں اجرت پر پانی بھر کر اپنی گذر اوقات کرتے تھے اور اکثر روزہ رکھتے تھے۔ تمام رات قرآن پاک کی تلاوت میں گزرتا تھا دہلی سے اجمیر شریف کا رخ کیا اور وہاں بارہ سال تک ایک مسجد میں "بکمال اخفا" مقیم رہے[1]۔ یہاں سے پاک پٹن پہونچے۔ پاک پٹن میں خواجہ محمد سلیمان کی عظمت و بزرگی کا شہرہ سُن کر دل اس طرف متوجہ ہو گیا۔ یہاں ان کو عقیدت و ارادت کا ایسا مرکز مل گیا جس نے ان کے مجاہدوں اور ریاضتوں کو صحیح راستے پر لگا دیا۔ شاہ محمد سلیمانؒ کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ فطرت کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں ابھر آئیں اور مرشد کامل نے ان کو اعلیٰ روحانی اور مذہبی اقدار کی چاکری میں لگا دیا۔

بیعت حافظ صاحبؒ انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ پاک پٹن سے تونسہ روانہ ہوئے شاہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں پہونچ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی خواہش کا اظہار بھی نہ کر سکے۔ اسی طرح ایک سال گذر گیا۔ ایک دن حافظ صاحبؒ کے دل میں خیال آیا کہ افسوس حضرت شاہ صاحبؒ میرے حال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ شاہ صاحبؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا "جس شخص سے مجھے تعلق ہوتا ہے۔ بظاہر میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا ہوں"۔ یہ سن کر حافظ صاحبؒ کے بے چین قلب کو اطمینان ہوا۔ شاہ صاحبؒ نے پہاڑ پر پاؤں رسی میں باندھ کر عبادت کرنے کی ہدایت کی۔ عرصہ تک حافظ صاحبؒ اس طرح کے مجاہدے کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ محمد سلیمانؒ صاحبؒ نے اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حافظ صاحبؒ نے کچھ عرصہ تک کسی شخص کو مرید نہیں کیا۔ شیخ کو علم ہوا تو وجہ پوچھی۔ عرض کیا: اہل ہند نہایت درجہ

۱؎ مناقب حافظیہ ص ۸،

معاصی میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے سلسلہ میں داخل نہیں کیا۔" شاہ صاحبؒ نے فرمایا:
"تم کو اس سے کیا کام۔ میں نے اجازت دی ہے۔ نیک خواہ بد، جو کچھ ہوں گے مجھ سے ہوں گے۔"[1] شیخ کا یہ حکم سننے کے بعد حافظ صاحبؒ نے بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اودھ، پنجاب اور حیدرآباد کے ہزاروں باشندوں نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ پھر حافظ صاحبؒ حرمین شریفین تشریف لے گئے، وہاں دس سال تک مقیم رہے اور کچھ لوگوں کو مرید بھی کیا۔[2]

پیر و مرشد سے عقیدت

حافظ صاحبؒ کو اپنے پیر و مرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ شیخ کے نوکروں تک کی عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحبؒ کا سائیس لکھنؤ میں مل گیا۔ اس کی بے حد تعظیم کی۔[3] حافظ صاحبؒ جب اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے تھے تو کئی کوس پہلے سے پیادہ پا چلنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مرید نے سوار ہونے کی درخواست کی، تو فرمایا ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد[4]

شاہ صاحبؒ اُن کی عقیدت مندی اور خلوص کی بے حد قدر کرتے تھے اور انتہائے تعلق میں اُن کو شاہ ہوری کہتے تھے۔[5]

بُری رسموں کو دور کرنے کی کوشش

حافظ صاحبؒ کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی سوسائٹی کا نشو و نما اسلامی اصول پر ہو۔ وہ ہمیشہ اسلامی رسم و رواج اور طرزِ زندگی پر زور دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بُری رسموں کو دُور کرنے کی جدوجہد کرنا سب سے زیادہ اہم کام ہے۔ خود اُن کے متعلق مناقب کے مصنف کا بیان ہے: "ہمیشہ سنتِ نبویہ کے زندہ رکھنے اور اہلِ ہند کی باطل رسوم کو مٹانے کے واسطے

---

۱ مناقب حافظیہ ص ۸۱ ۲ مناقب حافظیہ ص ۸۱ ۳ مناقب حافظیہ ص ۹۵
۴ مناقب حافظیہ ص ۹۰ ۵ مناقب حافظیہ ص ۸۳

مستعد اور آمادہ رہتے تھے۔"[1]

حافظ صاحبؒ کی اصلاحی کوششوں کی ابتدا خود ان کے گھر سے ہوئی۔ اُنھوں نے اپنے گھر میں ان تمام رسوم اور توہمات کو ختم کیا جن کو وہ غیر شرعی سمجھتے تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ان کو قصبہ موہان کا سفر پیش آیا۔ متعلقین نے کہا: "کیا حضرت بی بی صاحبہ کی رسوم نہیں کریں گے؟" فرمایا "جہاں ہوں گا وہاں فاتحہ کر دوں گا۔ کیونکہ اس سے غرض ایصالِ ثواب ہے اور وہ ہر جگہ ممکن ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ اسی جگہ سیوم کی فاتحہ کروں۔"[2]

شادی کے معاملہ میں وہ غیر ضروری رسوم کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک دن اچانک صاحبزادے حافظ جمال الدین کو دلہن کے مکان پر لے گئے۔ اور نکاح کے لئے کہا۔ دلہن کے گھر والوں نے بے سروسامانی کا عذر کیا تو فرمایا جو کچھ اللہ اور رسولؐ کا حکم ہے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔[3] چنانچہ قواعدِ شرعیہ کے مطابق نکاح ہو گیا اور کوئی غیر شرعی رسم ادا نہیں کی گئی۔

حافظ صاحبؒ کے برادر زادے حافظ تراب علی صاحب کی شادی میں کاغذ کے پھول تیار کئے گئے تھے۔ حافظ صاحب کی نظر پڑی تو سخت رنج ہوا۔ اور فرمایا: "یہ بزرگ زادے ہیں اور ایسے مراسم قبیحہ کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔[4] وہ ایسی شادیوں میں جن میں اسلامی شعار کی پابندی نہیں ہوتی تھی شرکت نہ کرتے تھے۔ ایک شخص واجد علی خاں نے شادی میں شرکت کی درخواست کی۔ فرمایا: "اُس زمانہ میں اس قدر مہر قرار دیا جاتا ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہوتا ہے یہ امر ناروا ہے۔ پس ایسی تقریب نکاح میں میں شریک نہیں ہوا کرتا۔"[5] خاں صاحب کے اس یقین دلانے پر کہ جو مہر قرار پائے گا وہ اسی وقت ادا کیا جائے گا، آپ شادی میں تشریف لے گئے۔

---

۱ مناقب حافظیہ ص ۸۶ ۲ مناقب حافظیہ ص ۸۶، ۸۸ ۳ مناقب حافظیہ ص ۸۷
۴ مناقب حافظیہ ص ۸۷ ۵ مناقب حافظیہ ص ۸۸-۸۷

طوائف کے ناچ کو حرام سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو رقص کی محفل میں شریک ہو اس کو چاہئے کہ مجھ سے علاقہ نہ رکھے ۔[1]

کسی تقریب میں رنڈیوں کا ناچ ہوتا تو ہرگز شریک نہ ہوتے۔[2] ایک مرتبہ حیدرآباد میں حضرت شاہ یوسفؒ کے مزار پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ دیکھا کہ طوائفوں کا ناچ ہو رہا ہے۔ اس قدر غصہ آیا کہ محفل میں پہونچ کر مشایخ کو للکارا:

ایں موئے ریش ہائے شما نیست	یہ بال تمہاری داڑھی کے نہیں ہیں
تارہائے زنار است۔ بر مزار	بلکہ زنار کے تار ہیں۔ اولیاء اللہ کے
اولیاء اللہ چنیں فسق و بدعت	مزاروں پر ایسا فسق و فجور ہوتا ہے
می شود و شما می بینید۔[3]	اور تم دیکھتے ہو۔

حافظ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے:

"جس مسلمان نے رسم کفر کو رغبت دل سے مشاہدہ
کیا اس کے ایمان میں خلل پڑا۔"[4]

جب کسی قوم کے قوائے عمل مضمحل ہوتے ہیں تو اُن علوم اور شعبدوں میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے جو بغیر ہاتھ پاؤں کو جنبش دیئے آسائش کی زندگی کا دلکش خواب دکھاتے ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بعض لوگوں کو کیمیا بنانے کی فکر رہتی تھی اسی دھن میں ان لوگوں کا وقت گزرتا تھا۔ حافظ صاحبؒ نے اپنے ملفوظات میں جگہ جگہ ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے

اخلاق حافظ صاحبؒ اخلاقِ محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ انسانی مساوات اور اخوت پر ان کا ایمان تھا، اپنے عمل سے اس کی تائید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک موچی میاں اسلم کے جوتے

---

۱ مناقب حافظیہ ص ۱۲۸ - ۱۲۷
۲ مناقب حافظیہ ص ۸۸
۳ مناقب حافظیہ ص ۱۰۷
۴ مناقب حافظیہ ص ۱۷۷

سی رہا ہے۔ فرمایا اپنے ہاتھ دھو کر آ اور کھانا کھا۔ اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا۔[1] جاڑے کے موسم میں ایک جولاہا ان کے پاس آکر ٹھہرا۔ اس کے پاس جاڑے کا لباس نہ تھا۔ حافظ صاحبؒ نے اس کو اپنے بستر میں اپنے پاس سلایا۔[2]

حافظ صاحبؒ جب محفل میں مدعو کئے جاتے تو کبھی ممتاز جگہ پر نہ بیٹھتے۔[3] سفر حضر میں خادموں کے ساتھ کام میں شریک رہتے تھے۔ بعض اوقات روٹیاں اپنے ہاتھ سے پکا لیتے تھے۔[4] اظہار مشیخت سے نفرت تھی۔ بلکہ اس قسم کا تواضع جس سے ترک تجرید کا اظہار ہو پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیئے۔[5]

اتباعِ سنت اتباعِ سنت پر بہت زور دیتے۔ مناقب حافظیہ میں لکھا ہے:

حضرت شیخ الاسلام را چونکہ در	حضرت شیخ الاسلام کو چونکہ اتباع
اتباع نبوی بسیار کد و کوشش بود	نبوی میں بہت کد و کوشش تھی،
و دائم در احیاء سنت سنیہ نبویہ و	ہمیشہ سنت نبویہ کے زندہ رکھنے
انہدام رسومات واہیہ ہند مستعد	اور اہل ہند کی باطل رسوم کو مٹانے
و آمادہ می ماندند۔[6]	کے واسطے مستعد اور آمادہ رہتے تھے۔

طلاق کے متعلق عوام کی بدظنی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں مسائل شریعت اور سنت کے علاوہ کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔[7] اپنے مریدوں کو سنت نبوی پر عمل کرنے کی برابر تاکید کرتے تھے۔ ایک شخص ہر روز صبح کو آکر قدم بوسی کرتا تھا: ایک روز فرمایا۔ "آیا یہ ڈنڈوت ہے کہ تجھ کو اٹھ کر ہندوؤں کی طرح ایسا کرتا ہے۔ السلام علیکم کہہ کر بیٹھ جانا چاہیئے۔"[8] حافظ صاحب اپنے مریدوں کو بتایا کرتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے

---

۱ مناقب حافظیہ ص ۱۴۰
۲ مناقب حافظیہ ص ۹۱
۳ مناقب حافظیہ ص ۱۵۳
۴ مناقب حافظیہ ص ۹۱
۵ مناقب حافظیہ ص ۹۳
۶ مناقب حافظیہ ص ۸۶
۷ مناقب حافظیہ ص ۱۱۱
۸ مناقب حافظیہ ص ۱۲۱

بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور محبت الٰہی کا دعویٰ بغیر اتباعِ نبوی جھوٹا دعویٰ ہے۔

"ودعویٰ محبت الٰہی بے اتباع نبوی دعوی

کاذب است"۔ [۱]

حافظ صاحبؒ اپنے مریدوں کو احسان و سلوک کی صرف ان کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے جن میں شریعت پر خاص زور دیا گیا ہو۔ عوارف المعارف ان کو بہت پسند تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ "اس میں ہر مسئلہ حدیث شریف سے لکھا گیا ہے"۔ [۲]

مُریدوں کی تربیت

حافظ صاحبؒ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "مرشدوں کو مریدوں کا اس طرح خیال رہتا ہے جس طرح ماں کو اپنے لڑکوں کا خیال رہتا ہے"۔ [۳]

اظہارِ شیخت سے ناراض ہوتے تھے۔ حکم تھا کہ ہر چیز کا اخفا کیا جائے۔ ایک دن ایک مرید میر محمد علی ان لکڑیوں پر جن سے کپڑا بنا جاتا ہے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حافظ صاحبؒ کی نظر ان پر پڑ گئی۔ فرمایا۔ ایسا فعل نہیں کرنا چاہیئے جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ یہ شخص نہایت متواضع اور منکسر ہے۔ [۴] ایک مرید نے اپنی رضائی ایک مسکین کو دیدی تو سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا۔ اس فعل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص ایسا باخدا ہے کہ ایک رضائی اس کے پاس تھی وہ بھی خدا کی راہ میں دیدی۔ [۵] فرمایا کرتے تھے کہ ترک کو بھی ترک کرنا چاہیئے۔ [۶] مریدوں کے بال رکھنے کو اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے کہ اس سے اظہارِ شیخت ہوتا ہے۔ [۷]

مریدوں کی ظاہری و باطنی زندگی کی اصلاح میں بڑی جدوجہد کرتے تھے۔ مرید کرتے وقت یہ ہدایتیں فرماتے تھے:

---

۱ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۴۷ ۲ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۲۵
۳ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۵۳ ۴ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۹۳
۵ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۹۳ ۶ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۹۳
۷ مناقب حافظیہ۔ ص۔ ۱۳۵

شریعت پر قائم رہو۔

اللہ کی محبت میں دل کو ثابت رکھو۔

جب تک تحصیل علم سے فارغ نہ ہو ذکر نہ کرو۔

دنیا کی محبت میں مت بیٹھو۔ اس سے محبت الٰہی کی لذت سلب ہوتی ہے۔ [۱]

تعویذ و عملیات سے اجتناب

جب مذہبی ذہن پریشان ہوتا ہے، تو عملیات میں غیر معمولی اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں اور اوہام کا تار و پود زندگی کے سرچشموں کو خشک کر دیتا ہے۔ حافظ صاحبؒ کے زمانہ میں اسلامی سوسائٹی انحطاط پذیر تھی۔ عملیات، تعویذ اور گنڈوں میں انتہا سے زیادہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ حافظ صاحبؒ کو یہ چیز سخت ناپسند تھی۔ مناقب میں لکھا ہے:

"شیخ الاسلام عملیات سے نفرت رکھتے ہیں اور دوسروں کو

بھی اس سے منع فرماتے ہیں"۔

آپ نے کبھی کسی کو تعویذ نہیں دیا۔ ایک شخص بے حد مصر ہوا تو مولانا روم کا یہ شعر کاغذ پر لکھ دیا ؎

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو

ایمنے از تو مہابت ہم ز تو [۲]

مثنوی مولانا رُومؒ

حافظ صاحبؒ کو مثنوی مولانا روم پر بڑا عبور تھا۔ انھوں نے رومیؒ کے معارف کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ اور ان کو نہایت ہی بلیغ اور دلنشین انداز میں بیان کرتے تھے۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے:

"گویند مثنوی را مثل ایشاں کسے نمی خوانانید"۔ [۳]

اشراق کی نماز کے بعد وہ مثنوی کا درس دیتے تھے۔ مرتب مناقب حافظیہ کا بیان ہے:

---

۱ مناقب حافظیہ ص ۱۰۰ ۲ مناقب حافظیہ ص ۸۹ ۳ مناقب المحبوبین ص ۳۵۷۔ ایضاً ص ۹۳

بایں کتاب شریف شیخ الاسلام را
کمال تعلق محبت بود و معانی و
مطالب ایں کتاب را کسی چ راں
زماں ہمچو آنحضرت بیان نمی کرد[1]

اس کتاب شریف کے ساتھ حضرت
شیخ الاسلام کو کمال تعلق اور محبت تھا
اور اس کے معانی اور مطالب اس زمانے
میں آں حضرت کی مانند کوئی نہیں
بیان کرتا تھا۔

حافظ صاحبؒ اپنے اعلیٰ مریدوں کو مثنوی کے مطالعہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔[2] وہ مثنوی کو حقائق و معارف، اسرار و رموز کا ناپیدا کنار سمندر سمجھتے تھے، اس لئے اس کی شرح لکھنے کو کبھی اچھا نہ سمجھا۔ ایک روز مجلس میں فرمانے لگے کہ مولانا جامیؒ نے مثنوی کی شرح لکھنی شروع کی۔ اس کے دو تین اشعار کی شرح لکھنے پائے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب تمھارے شرح لکھنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اسرار کو در پردہ کہا ہے اور تم اس کو ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر مولانا جامیؒ نے شرح لکھنی بند کر دی۔[3]

حافظ صاحبؒ کے درس مثنوی میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔[4]

درس و تدریس

حافظ صاحبؒ کی خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ مولانا رومؒ حضرت ابن عربیؒ اور مولانا جامیؒ کی تصانیف کا درس وہ خود دیتے تھے اور اس انداز میں دیتے تھے کہ بڑے بڑے عالم ان سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ جو خود بڑے جید عالم تھے، فصوص کا درس لینے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔[5]

حافظ صاحبؒ معاصرین کی نظر میں

حافظ صاحبؒ ان مخصوص بزرگوں میں تھے

---

[1] مناقب حافظیہ ص ۹۴
[2] مناقب حافظیہ ص ۱۰۶
[3] مناقب حافظیہ ص ۱۰۰
[4] مناقب حافظیہ ص ۲۰۰
[5] مناقب حافظیہ ص ۹۴

جن کی روحانی عظمت اور علمی تبحر کی تعریف کرنے پر خود ان کے معاصر علماء و مشائخ مجبور ہو گئے تھے۔ مولانا انوار الحق صاحبؒ لکھنؤ کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ حافظ صاحبؒ کو وہ ہمیشہ "شبلی وقت" کہا کرتے تھے۔[1] ایک مرتبہ حافظ صاحبؒ اُن کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے آکر مولانا سے مصافحہ کیا۔ مولانا نے حافظ صاحبؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "ان کے ہاتھ پر بوسہ دو۔ یہ شیر حق ہیں"۔[2] ایک مرتبہ مولانا انوار الحق صاحب نے اپنی مجلس میں فرمایا "حافظ صاحبؒ دولہا ہیں اور ہم سب براتی"۔[3]

لکھنؤ کے عظیم المرتبت بزرگ مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ بھی ان کے بے حد مداح تھے اور بہت عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے ——— "حافظ صاحبؒ اپنے عہد کے سلطان المشائخ ہیں"۔[4] حافظ صاحبؒ جب دہلی تشریف لائے تھے تو شاہ غلام علی صاحبؒ اور شاہ عبد القادر صاحبؒ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی تھی۔[5] حاجی نجم الدین صاحبؒ ان کے متعلق ہیو ملائی میں لکھتے ہیں ؎

اور محمد علی شاہ ساکن خیر آباد
کری جوانی خرچ جن پیچ خدا کی یاد
یہ ہیں صاحب سلسلہ صدہا لوگ مرید
دن دن شہرا جگ اندر ان کا ہوا مرید[6]

امراء سے اجتناب

حافظ صاحبؒ کا "صحبۃ الاغنیاء للفقراء سم قاتل" پر راسخ اعتقاد تھا۔ وہ کسی امیر کے پاس جانا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی صحبت سے اجتناب کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی آجاتا تو سنت نبوی کے مطابق اخلاق سے پیش آتے۔ حیدرآباد قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ محی الدولہ احمد یار خاں

---

[1] [2]، [3] مناقب حافظیہ۔ ص ۸۳
[4] مناقب حافظیہ۔ ص ۸۴ [5]۔ مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۸
[6] ہیو ملائی ص ۵

عرض کیا کہ حضور یہاں کے رئیس کو آپ سے ملنے کا بے حد شوق ہے۔ فرمایا "تم اور وہ دونوں جھوٹے ہو۔ اگر اس کو ملاقات کا اشتیاق ہوتا تو وہ میرے پاس کیوں نہ آتا۔ اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ میرے دروازے پر نہ بواب ہیں، نہ حجاب ہیں" (۱)

بہادر شاہ ظفر اور حافظ صاحبؒ

بہادر شاہ ظفر نے چند مرتبہ حافظ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور ملاقات کا شوق ظاہر کیا، لیکن حافظ صاحبؒ یہ فرمایا کہ ہمیں ملاقات کی حاجت نہیں ہے۔ شوق کا دل ہی میں رہنا اچھا ہے۔ بہادر شاہ نے اصرار کیا لیکن حافظ صاحبؒ راضی نہ ہوئے۔ بالآخر بہادر شاہ نے کالے صاحب کی وساطت سے ملنے کی کوشش کی۔ کالے صاحب وقت کے منتظر رہے۔ قطب صاحبؒ کے عرس کے دنوں میں حافظ صاحبؒ آستانہ شریف کی مسجد میں رونق افروز تھے۔ کالے صاحب نے فرمایا۔ حافظ صاحبؒ ایک ضرورت سے جاتا ہوں جب تک میں حاضر نہ ہوں آپ یہیں تشریف رکھیں۔ یہ کہہ کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو لے آئے۔ حاضرین نے شور کیا کہ بادشاہ مسجد کی طرف آتے ہیں۔ جب یہ آواز حافظ صاحبؒ کے کانوں میں پہونچی فوراً دیوار پھاند کر چلے گئے۔ (۲)

وہ کلمہ حق کے کہنے میں بے باک تھے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قطب صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ مزار شریف کے قریب چھتوں پر قناتیں لگی ہوئی ہیں اور ان کی رسیاں مزار مبارک کی طرف ہیں۔ پوچھا کہ یہ قناتیں کس کی ہیں کہا گیا کہ بادشاہ دہلی کے محلات کے واسطے ہیں۔ حافظ صاحبؒ نے غصہ ہو کر فرمایا۔ یہ انتہائی بے ادبی ہے۔ ان رسیوں کو کاٹ دو کہ یہ قناتیں گر پڑیں۔ (۳)

نواب بہاول خاں اور حافظ صاحبؒ

نواب بہاول خاں ثانی، خواجہ تونسویؒ کا مرید تھا۔ حافظ صاحبؒ سے ملاقات کی تمنا رکھتا تھا۔ مگر کبھی اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک دن شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

---

(۱) مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۰ (۲) مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۰-۱۰۹ (۳) مناقب حافظیہ۔ ص ۸۳

کی خدمت میں اپنی اس تمنا کا اظہار کیا۔ شیخ نے حافظ صاحبؒ کو طلب کیا۔ حافظ صاحبؒ حاضر ہوئے تو سلام عرض کرنے کے بعد شیخ کے روبرو بیٹھ گئے۔ خان موصوف کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ تھوڑی دیر بعد پیر و مرشد سے اجازت لی اور اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ (۱)

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ حافظ صاحبؒ ایک مرتبہ احمد پور تشریف لے گئے تھے۔ نواب بہاول خاں کو جب تشریف آوری کا علم ہوا تو ملاقات کا ارادہ کیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو فوراً تونسہ شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ (۲)

انگریزوں سے تنفر

حافظ صاحبؒ کے زمانہ میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں پوری طرح سے قائم ہو چکا تھا، انگریزی معاشرت کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ حافظ صاحبؒ کو انگریزی طرز معاشرت اور طور طریقہ سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی انگریزی وضع اختیار کرتا تھا، تو طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ بوٹ پہن کر کوئی شخص آتا تو ناخوش ہوتے اور فرماتے "یہ نصاریٰ کی وضع ہے"۔ (۳) مصنف مناقب حافظیہ کے چچا واجد علی خاں نے ایک کوٹھی بنائی اور حافظ صاحبؒ کو برکت کے لئے مکان میں لائے۔ حافظ صاحبؒ نے معائنہ کے بعد فرمایا کہ واجد علی خاں نے خوب مکان بنایا ہے مگر مجھ کو پسند نہیں آیا۔ کیونکہ اس میں دروازے انگریزی وضع کے ہیں۔ (۴) ایک مرتبہ ایک صاحب کے نام کے ساتھ انگریزی لفظ سن کر اس قدر ناراض ہوئے کہ اس کا خط تک نہ پڑھا۔ (۵)

وحدتِ وجود

وحدتِ وجود پر وہ عوام میں گفتگو کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے پوچھا کہ عوام جو وحدتِ وجود پر گفتگو کرتے ہیں اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ فرمایا "یہ الحاد و زندقہ ہے"۔ (۶)

---

(۱) مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۰ (۲) مناقب المحبوبین۔ ص ۵۵ - ۳۵۴

(۳)، (۴)، (۵) مناقب حافظیہ۔ ص ۱۱۳

(۶) مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۰

سماع

سماع کے معاملہ میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ زمان مکان، اخوان کی شرطیں جب تک پوری نہ ہوں مجلس منعقد نہیں کرنی چاہئے۔ قوال ہمیشہ باشرع ہونا چاہئے۔ [۱]

ہندوؤں کو عقیدت

ہندوؤں کو بھی حضرت حافظ صاحبؒ سے بڑی عقیدت تھی مثنوی رومیؒ کے درس میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے حیدرآباد کے راجہ چندولال کو آپ سے بہت تعلق خاطر تھا۔[۲] اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ دہلی کا ایک کایستھ ہندو ان کی خدمت میں حاضر ہوکر اس قدر متاثر ہوا تھا کہ مع اہل وعیال مسلمان ہوگیا۔[۳] شاہ صاحب کے اخلاق میں بڑی کشش تھی، ہر ملنے والا ان سے مل کر خوش ہوتا تھا اور ان کی محبت کا نہ مٹنے والا نقش لے کر مجلس سے اٹھتا تھا۔

واجد علی شاہ اور حافظ صاحبؒ

واجد علی شاہ کے ہنگامہ ہائے نا ؤ و نوش اور حکومت کے کاموں سے بے تعلقی کو دیکھ کر حافظ صاحبؒ کو سخت صدمہ ہوا۔ انھوں نے متعدد بار واجد علی شاہ سے شکایت کی اور اس کے فرائض سے آگاہ کیا۔ جب تمام نصیحتیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں تو حافظ صاحبؒ لکھنؤ تشریف لائے اور واجد علی شاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے واسطے آئے ہیں۔ اگر تجھ کو زور اور بہادری کا دعویٰ ہو تو مقابلہ کر۔ اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ تلواریں ہمراہ لاؤ۔ ہم جنگ کریں گے۔ مصنف مناقب حافظیہ کو بھی تلوار لانے کا حکم ہوا۔ متفکر ہو کر کئی بار فرمایا:

دردلم ہمیں آید کہ ازیں رئیس — میرے دل میں آتا ہے کہ اس رئیس
تخت انتزاع نمایم ٭ — سے تخت خالی کرادوں۔

ایک رات، شاہ مینا صاحبؒ کی درگاہ میں بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے "یہ تخت کا تختہ الٹے" ایک پیر مرد اُن کے قریب بیٹھے تھے۔ بار بار عرض کرتے تھے ایسا نہ فرمائیے۔ آخر

---

[۱] مناقب حافظیہ۔ ص ۱۳۰ — [۲] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۵۷

[۳] مناقب المحبوبین۔ ص ۳۵۸ — [۴] مناقب حافظیہ۔ ص ۲۱۱

رئیس ہے۔ حافظ صاحبؒ اور زیادہ جوش میں آجاتے اور فرماتے۔ "نہیں اب ڈوبا"[۱]

ایک مرتبہ فرمانے لگے: "اگر نصاریٰ کی عمل داری ہو تو
اس حکومت سے بہتر ہے"[۲]

حافظ صاحبؒ بہ حیثیت شاعر

حضرت حافظ صاحبؒ کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ غزلیں اور رباعیاں بہت اچھی کہتے تھے مشتاق تخلص تھا۔ ایک غزل ملاحظہ ہو

دلم بربود جانانے کہ آنی دلستاں دارد
شکرلب خندہ تمکینی خمارِ میکشاں دارد
چوگل رخ نرگسیں چشمے بروئش سنبلی زلفے
لب نازک ترازلالہ، قدِ سرو رواں دارد
کہ از تمکیں نمی پرسد زحالِ زارِ من دلبر
خدایا مہرباں سازش کہ دل تنگیں چناں دارد
ازیں نامہرباں شوخی چہ آسائش دہد وستم
کہ باکم التفاتی ہا زمن خاطر گراں دارد
بکیشِ دلبری شاید روا دارد دل آزاری
کہ از مژگاں زند پیکان، از ابرو کماں دارد
متاعِ صبر از دلہا کند غارت بیک لمحہ
مگر در گوشۂ چشمے چنیں ہا مردماں دارد
بیا مشتاق زیں بگذر تو خاکپائے سلیمان شو
کہ ہر کس از جمالِ او کمالِ بیکراں دارد

وصال

حافظ صاحبؒ کو آخر عمر میں فالج کا مرض لاحق ہوگیا۔ رفتہ رفتہ مرض

---

[۱] مناقب حافظیہ ص ۲۱۱ — [۲] مناقب حافظیہ ۲۱۱

اس قدر بڑھ گیا کہ ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ عبادت میں بھی جب دقت ہونے لگی تو فرمایا "جسم بھاڑے کا ٹٹو ہے آخر ساتھ نہ دیا۔" ماہ ذی قعدہ ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء کو وصال فرمایا۔ خیرآباد میں سپرد خاک کیے گئے۔[1]

خلفاء

حضرت حافظ صاحبؒ کے تین خلیفہ صاحبِ سلسلہ اور صاحبِ ارشاد ہوئے:

(۱) مرزا اسردار بیگؒ

(۲) شاہ حبیب علی شاہؒ

(۳) مولانا احسن الزماںؒ

یہ تینوں بزرگ حیدرآباد میں رہے اور وہیں سلسلہ کی اشاعت اور توسیع کا کام کیا۔ مولانا احسن الزماں صاحب جید عالم اور بڑے پایہ کے محدث تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ فخرالدین صاحبؒ کی مشہور کتاب فخر الحسن کی ضخیم شرح عربی زبان میں "القول المستحسن فی شرح فخر الحسن" کے نام سے لکھی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے علوم اہلِ بیت کے نام سے ایک کتاب چوبیس جلدوں میں تصنیف فرمائی تھی۔ اس میں انھوں نے تمام مسائل محققہ اہلِ سنت کا اثبات، روایاتِ اہلِ بیت سے کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا بندوبست نواب محبوب علی خاں نے کیا تھا۔ لیکن صرف ایک جلد طبع ہونے پائی تھی کہ نظام کا انتقال ہو گیا اور وہ کام نامکمل رہ گیا۔[2]

مولانا احسن الزماں صاحب کے صاحبزادے شاہ لطیف الزماں صاحب عرف بادشاہ میاں آج کل حیدرآباد میں سجادہ نشین ہیں۔ اور بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔

سجادہ نشین

حضرت حافظ صاحبؒ کے بعد مولانا حافظ محمد اسلم صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ حافظ صاحبؒ کے حقیقی برادر زادے تھے۔ انھوں نے ۵۴ سال تک حافظ صاحبؒ کے سجادہ کو رونق بخشی۔

---

[1] مناقب، ص ۲۳۰ [2] مکتوب مولانا مصباح الحسن صاحب بنام مصنف

حافظ محمد اسلم صاحبؒ نہایت سادہ مزاج بزرگ تھے۔ آستانہ حافظ صاحبؒ پر صفائی تک کی خدمات انجام دیتے تھے۔[1] رؤسا اور امراء سے بے تعلق رہتے تھے۔[2] حافظ محمد عبدالصمد صاحب مودودیؒ نے اپنے روزنامچہ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ عبادت و ریاضت میں وہ مشائخ متقدمین کا نمونہ ہیں۔ شریعت و طریقت کے جامع ہیں۔ ساٹھ سال کی عمر ہو چکی ہے لیکن انھوں نے نکاح نہیں کیا۔[3]

حافظ محمد اسلم صاحبؒ نے ۲۲ر ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء کو وصال فرمایا۔ اُن کے بعد میاں خادم حسین صاحبؒ برادر زادہ حافظ صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا وصال ۹ ماہ بعد ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت حافظ صاحبؒ کے سجادہ پر میاں خادم حسین صاحبؒ کے صاحبزادے میاں امتیاز حسین صاحبؒ بیٹھے اور خواجہ محمد اسلمؒ کے سجادہ نشین میاں محمد حسین صاحبؒ ہوئے۔[4] میاں امتیاز حسین صاحبؒ کی وفات کے بعد میاں سید ماجد حسین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔

حافظ محمد اسلم صاحبؒ کے خلفاء میں حافظ عبدالصمد صاحب مودودیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وہ بڑے عالم تھے۔ حیوٰۃ العلماء میں لکھا ہے کہ ان کو صحیح بخاری کے کئی پارے ازبر یاد تھے۔[5] ۱۱ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو وصال فرمایا۔ ان کے سجادہ نشین مولانا مصباح الحسن صاحب ہیں۔ وہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رام پوری اور مولانا وصی احمد صاحب محدث پانی پتی کے شاگرد ہیں۔ علم و فضل، اخلاق و مروت میں بے مثل ہیں۔ حافظ محمد اسلمؒ کے ایک خلیفہ مولوی ہادی علی خاں کشمیری تھے۔ اُن کا مزار سرائے معالی خاں لکھنؤ میں ہے۔ دادون (ضلع علی گڈھ) کے رئیس

---

[1] احترام الاصفیاء، ص ۳۰ [2] احترام الاصفیاء، ص ۳۷

[3] روزنامچہ حافظ سید عبدالصمد صاحبؒ بحوالہ احترام الاصفیاء، ص ۲۲۰

[4] مکتوب مولوی مصباح الحسن صاحب بنام مصنف

[5] حیوٰۃ العلماء، ص ۱۰۶

مولوی محمد جان خاں شروانی ولد عبد الرؤف خاں شروانی جو بڑے زاہد اور عابد بزرگ تھے. حافظ صاحبؒ سے رابطہ بیعت رکھتے تھے۔

باب دہم

حاجی نجم الدین صاحب شیخاوائیؒ

آفتاب تونسہ کی کرنیں ملک کے گوشہ گوشہ پر پڑیں. ہزاروں سنگ ریزے لعل ناب بن کر چمکے. علم و عرفان کے وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگان معرفت کی سیرابی کا سامان بہم پہونچ گیا. پنجاب اور راجپوتانہ میں سلسلۂ نظامیہ کی متعدد خانقاہیں قائم ہوئیں. عقیدت و ارادت کے ان مرکزوں نے مسلمانوں کی اصلاح و تربیت میں حیرت انگیز حصہ لیا. اور یہ خانقاہیں مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا سرچشمہ بن گئیں ــــــ

شیخاوائی[1] میں حاجی نجم الدین صاحبؒ کی خانقاہ علم و فضل، سلوک و معرفت کا منبع تھی. ہزاروں عقیدت مند وہاں جمع ہوتے تھے۔

ولادت حضرت حاجی صاحبؒ کی ولادت ۳ رمضان ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء کو بمقام جھونجھونوں[2] ہوئی

---

[1] جغرافیائی حالات و تاریخی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو "وقائع راجپوتانہ" جلد اول ص ۶۶۰، ۲۸۴

[2] مضافات جے پور سے ہے۔ "ہشتاد کروہ از دہلی سمت مغرب و سی کروہ از نارنول بطرف مذکور" مناقب المحبوبین. ص ۳۶۰

تھی۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد بخش صاحب حمیدی بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ زہد و اتقا کا دور دور شہرہ تھا۔ شاہ ارادت اللہ صاحب نقشبندیؒ کے مرید تھے۔ اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ کی اولاد پاک نہاد سے تھے اس لئے اطراف و جوانب کے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

تعلیم حضرت حاجی صاحبؒ کی بسم اللہ ۴ سال کی عمر میں اس زمانہ کے مشہور بزرگ مولانا محمد رمضان صاحب قادری مہمی نے پڑھائی۔ حضرت مہمی صاحب حافظ محمد علی صاحب خیر آبادیؒ سے مستفیض تھے۔ جس زمانہ میں حافظ صاحب مکہ معظمہ میں تھے، وہ اکثر ان کی صحبت میں حاضر رہتے تھے۔ حاجی صاحبؒ نے قرآن پاک ان ہی بزرگ سے پڑھا۔ اس کے بعد علوم ظاہری کی طرف متوجہ ہوئے۔ طبیعت ابتدا ہی سے ریاضت کی طرف مائل تھی علوم ظاہری کی تحصیل نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور تصوف و احسان کا رنگ غالب آگیا۔

بیعت حاجی نجم الدین صاحبؒ ایک دن شیخ حبیب اللہ قادری کی کتاب انیس العارفین کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ جب اس جملہ پر نظر پڑی

من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان

تو مرشد کی تلاش کا جذبہ پیدا ہو گیا اور یہ سمجھنے لگے کہ مرشد کامل کے بغیر سب محنت و مجاہدہ، ریاضت و طاعت بیکار و بے سود ہے۔ اس کے بغیر منزل مقصود کا نشان نہیں مل سکتا۔ چنانچہ مرشد کی تلاش میں دہلی کا ارادہ کیا۔ والدین نے اجازت نہ دی۔ تو خفیہ طور پر پیادہ پا دہلی کو روانہ ہو گئے۔ جھونجھنوں سے ابھی چند کوس ہی نکلے تھے کہ آپ کے بھائی شہاب الدین صاحب نے تعاقب کیا اور واپس لے آئے۔ اس وقت حاجی نجم الدین صاحبؒ کی عمر ۱۷، ۱۸ سال تھی۔ خواجہ اجمیریؒ کے عرس کے زمانہ میں ان کو پھر موقع مل گیا۔ اور تونسہ شریف کی شہرت سن کر وہاں روانہ ہو گئے۔ ۱۰ شعبان ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

ل مناقب المحبوبین۔ ص ۳۶۹ ۲ مناقب المحبوبین۔ ص ۳۵۵

کو خواجہ تونسویؒ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، خواجہ صاحب عبادت میں مشغول تھے شوق ملاقات میں آپ سے ضبط نہ ہو سکا، اور حجرہ کے اندر چلے گئے۔ خواجہ تونسویؒ کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ کر بے خودی سی طاری ہو گئی اور بے ساختہ زبان پر یہ دوہرہ آگیا ؎

مکھ دیکھت ہی من موہن کو میری نینن میں چھب چھا گئی
جب دور کیا مکھ کا انچر جب جوت میں جوت سما گئی

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا

”اے مرد ہندی تو تو ہندوستانی ہے۔“

پھر یہ شعر پڑھا ؎

ہندو ہے بت پرست مسلمان خدا پرست
ہم بندے ہیں اسی کے جو ہے آشنا پرست

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ نے ان کو حلقہ مریدین میں شامل کر لیا۔ حاجی صاحبؒ ۶ ماہ تک شیخ کی خدمت میں رہے۔ اس زمانہ میں انھوں نے خواجہ تونسویؒ کے خلیفہ اعظم مولوی محمد باراں کلوچوی سے رشحات، لمعات، فصوص الحکم، فتوحات مکیہ وغیرہ کا درس لیا۔ اس کے بعد پیر کے ہمراہ مہار شریف اور پاک پٹن شریف لے گئے۔ ۶ محرم ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء کو پاک پٹن میں خواجہ تونسویؒ نے ایک بڑے مجمع کے سامنے جس میں دیوان شرف الدین صاحب اور دیگر مشائخ اور علماء شامل تھے۔ حاجی صاحبؒ کو خلافت عطا فرمائی اور شیخاوٹی میں قیام کا حکم دیا۔ خواجہ تونسویؒ کے بہت سے ایسے مرید جو عرصہ سے خدمت کر رہے تھے لیکن خلافت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اس پر متعجب ہوئے اور کہا کہ خواجہ صاحبؒ نے کیوں ایک نو وارد کو اس قدر جلد خلافت عطا فرما دی۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ہم نے کیا دیدیا۔ نجم الدین خود اپنی روشنی کا سامان اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان کے چراغ میں صفائی، تیل اور بتی سب کچھ موجود تھا۔ ہم کو تو صرف لو لگانی تھی وہ لگا دی۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابلِ فیض
ورنہ ہر سنگ و کلوخے دُر و مرجان نشود

خلافت حاصل کرنے کے بعد دوسری مرتبہ جب آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کشکول اور لوائح کا درس لیا۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں عشرہ کاملہ دیوان حافظ وغیرہ کتابیں شیخ سے پڑھیں۔

شیخاواٹی کا قیام

حاجی صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ محمد سلیمانؒ کی ہدایت کے ماتحت شیخاواٹی میں قیام فرمایا۔ جس جگہ آپ نے اپنا مسکن بنایا تھا وہ بالکل غیر آباد جگہ تھی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔ آپ نے اس بیڑ" جنگل میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اپنے سلسلہ کا کام نہایت انہماک سے شروع کر دیا۔ خواجہ محمد سلیمانؒ نے جب ان کے اس انہماک کا حال سنا تو فرمایا ——

ہندوستان کے بہت سے آدمی
ہمارے مرید ہوئے اور بہت سے
لوگ وہاں سے آئیں گے مگر جو نفع
اور درجہ حاجی نجم الدین اور سید
محمد علی خیر آبادی نے حاصل کیا وہ
ان ہی کا حصہ تھا"۔[1]

اتباعِ سنت و احترامِ شریعت

حاجی نجم الدین صاحبؒ شریعت کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ وہ خود شریعت و سنت کے اتباع میں بے حد کوشش کرتے تھے۔ مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ شریعت کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں۔ "نجم الآخرۃ" اور "فضیلۃ النکاح" میں انھوں نے بعض اہم شرعی

[1] خاتم سلیمانی ص ۳۲۹

مسائل کی تشریح کی ہے اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کی کامیابی کا راز صرف اتباع سنتِ نبوی میں ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ پیر و مرشد کو شریعت پر ثابت قدم ہونا چاہیئے۔ پیو ملانی غیر بہلانی میں لکھتے ہیں:

شریعت پر مضبوط ہو وے جو درویش
عشق خدا سے رات دن رکھتا ہے دل ریش
عالم عامل وہ ہوئے تابعِ نبی ضرور
کوئی سنت مستحب اندر نہ ہو قصور
پڑھے نماز جماعت سے پانچوں وقت سدار
رہے خدا کی یاد میں شاغل لیل و نہار
جا کر نبی رسول سے ملے ہاتھ سے ہاتھ
عقائد بیچ درست ہو سنت اور جماعت

اظہار کرامت کی مذمت اس طرح کرتے ہیں ؎

پران لگا کر جا اوڑے مردود ہیہ جلائے
شریعت بیچ قصور ہو وہ گمراہ کہلائے[1]

عشقِ حقیقی اور وحدۃ وجود

حاجی صاحبؒ عشق حقیقی کے نشہ میں چُور رہتے تھے حضرت موسیٰ کے گڈریے کی طرح وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی دنیا میں لاتے تھے، بناتے تھے، سنوارتے تھے اور پہروں خلوت کدہ میں لطف اٹھاتے تھے۔ بعض جگہ تو وہ اس طرح تصویر کھینچتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معشوق اسی دنیائے آب و گل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تصور تخیل اور احساس کا انتہائی اعجاز ہے۔ ایک خواب بیان کرتے ہیں:

سکھی ایک خواب مجھ کو آج آیا
گویا دونوں جہاں کا راج آیا

[1] پیو ملانی۔ ص ۸

کہ جانی پیو میرے مجھ پاس آئے
میرے کارن عجب کچھ بھیس لائے
ہر یک نوع کی عجب زیور طلائی
کہ جن میں لعل اور چونی جڑائی
سرخ شالو عجب بُرھان پور کی
لڑی موتی و گچھی اصل دُر کی
سکھی میں سیج پھولوں کی بچھائی
دوڑ کر جو پِی کے پاس آئی
لگے پیو پوچھنے احوال میرا
کہ کیا اے نجم یہ حال تیرا
عجب لاغر ہوا ہے تن یہ تیرا
بتا کس غم نے آکر تجھ کو گھیرا
بگفتم از فراق تو چنینم
کنم قربان برت ایمان و دینم
ترے غم نے کیا یہ حال میرا
بھیا دو جگ مرے اوپر اندھیرا
بدیساں جاکے وہاں تم چت لگایا
مجھے بالکل نہ دل اپنے سے لگایا
نہ بھیجا خط نکو قاصد سندیسا
نہ میرے حال کا کچھ تھا اندیشا
کہ اس برہن کو ن میں گھر چھوڑ آیا
حوالہ کس کے میں گھر چھوڑ آیا
عجب تم سنگ دل ہو اے دلآرام

نہیں کچھ رحم ہے تجھ دل میں یک دام
لگی کہنے کہ اے برہن ہماری
نہیں دل سے تجھے ہم نے بساری
اگرچہ ظاہراً پردیس تھا میں
ولے باطن میں تیرے دیس تھا میں
دِوانی تجھ ستی میں دُور تھا کب
کہ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ نَحْنُ أَقْرَبُ
اگرچہ سات دریا پار تھے ہم
دل و جان سے تمہارے یار تھے ہم
جو توں ہر دم رکھے تھی دھیان میرا
طرف تیرے ہی تھا بس گیان میرا
ارے ہر دم ہم اس کے پاس ہیں گے
کہ جس کو یاد ہم ہر سانس ہیں گے
مگر تو گھر کو اپنے صاف کرلے
نصیحت یہ مری دل بیچ دھر لے
کہ ہم اس گھر اندر آکر بسیں ہیں
کہ جو گھر اپنا صافی رکھیں ہیں[1]

وحدت وجود پر حاجی صاحبؒ کا ایمان تھا۔ اپنی نظموں میں جگہ جگہ اسی پر گفتگو کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ——————

تیرے بحر وحدت بیکراں کی طرح طرح کی یہ موج ہیں
سو اسی نے جوش یہ کھایا ہے یہ تو میں نہیں ہوں تو ہی ہے

[1] بارہ ماسہ نجم۔ ص ۲۰-۲۱

بو جودایں ہمہ گفتگو کہ تو ہی تو ہے پھر آپ کو
تونے کیسی جائے چھپایا ہے یہ تو میں نہیں ہوں تو ہی ہے
قربان ہوں میں لے نجم الدین مرے خواجہ شاہ سلیمان پیر
مجھے جن پہ بھید بتایا ہے یہ تو میں نہیں ہوں تو ہی ہے[1]

جب "اسرار وحدت" کہتے کہتے حد سے گذر جاتے ہیں، تو گھبرا کر بے اختیار کہتے ہیں:

چپ رہ نجما باورے چھپا، کھول مت بھید
دیکھ پیا کو ہر جگہ گر ہے تجھ کو دید[2]

تصانیف

حاجی نجم الدین صاحبؒ نے اردو اور فارسی میں تصانیف کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی اردو تصانیف تاریخ اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ راجپوتانہ میں اردو زبان کی ترویج میں حاجی صاحبؒ کا خاص حصہ تھا۔ مولانا غلام سرور صاحب لکھتے ہیں ——

"ہمارے ملک میں اردو زبان کے سب سے پہلے مصنف اور حامی آپ ہی ہیں اردو زبان کی بزم ادب یعنی شاعری کا سہرا بارھویں صدی کے وسط سے آپ ہی کے سراقدس پر بندھا ہوا نظر آتا ہے۔"[3]

حاجی صاحبؒ کی اردو تصانیف یہ ہیں

(۱) گلزار وحدت
(۲) ماحی الغیریت (علم توحید میں)
(۳) پیو ملانی غیر بھولانی (ذکر و اشغال میں)
(۴) بارہ ماہیہ نجم (عشق و محبت الٰہی میں)

---

[1] غزلیات حاجی نجم الدین صاحب (قلمی نسخہ)
[2] پیو ملانی ص ۱ — [3] مولانا غلام سرور صاحب بنام مصنف

(۵) افضل الطاعت (نظم علم تجوید میں)
(۶) پریم گنج (ہندی دوہرے)
(۷) حیات العاشقین فی لقار رب العالمین
(۸) نجم الآخرہ
(۹) فضیلت نکاح
(۱۰) بیان الاولیار
(۱۱) سماع السامعین فی رد المنکرین
(۱۲) دیوان نجم اردو
(۱۳) تذکرۃ الواصلین دفتر اول
(۱۴) تذکرۃ الواصلین دفتر دوم

ان کتابوں میں شاہ صاحبؒ نے اخلاق و تصوف کی تعلیم نہایت دل کش انداز میں دی ہے، ان کتابوں کا مقصد عوام میں اسلامی تعلیم کا پھیلانا تھا۔ مولانا غلام سرور صاحب لکھتے ہیں:

"یہ تصانیف اس ملک کے بے علم اور کم علم اشخاص کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ بیش بہا جواہر جو عربی فارسی سمندروں کی تہ میں پنہاں تھے وہ آپ نے ریگستان کے جنگلوں میں بکھیر دیئے ہیں"۔[1]

عوام کو مشاہیر صوفیہ کے اقوال اس سادگی اور خوبی سے سمجھائے ہیں کہ بے اختیار حاجی صاحب کے تبحر اور فنی مہارت کی داد دینی پڑتی ہے۔ نظم میں بزرگوں کے اقوال اس طرح نقل کرتے ہیں کہ گراں نہیں معلوم ہوتے اور نفس مضمون میں مل جاتے ہیں —— مثلاً

کہا نظام الدین نے جو محبوب اللہ
بیچ فوائد یہ لکھا ہے گا حسن گواہ

---

[1] مکتوب مولانا غلام سرور صاحب بنام مصنف

یحییٰ شرف الدین نے مشکل کری آسان
ایسا لکھا کتاب میں تجھ بن کروں بیان
شیخ محی الدین جو تھا در جیلان
شیخ ملن کے واسطے ایسا لکھا
اور فوائد اس طرح خوب طرح سے کھول
شیخ کلیم اللہ نے لکھے بیچ کشکول

حاجی صاحب کی فارسی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں ـــ

① شجرۃ العارفین (حالات خواجگان چشت و دیگر مشائخ)
② شجرۃ المسلمین (تاریخ نوابان فتح پور)
③ شجرۃ الابرار (حضرت خواجہ ناگوری کے حالات)
④ مناقب الحبیب (احوال خواجہ اجمیری)
⑤ مناقب التارکین (حالات خواجہ صوفی حمید الدین)
⑥ مناقب المحبوبین (حالات مشائخ سلسلہ نظامیہ مع ملفوظات خواجہ تونسوی)
⑦ تذکرۃ السلاطین (احوال بادشاہان ہند)
⑧ راحت العاشقین
⑨ مقصود العارفین
⑩ احسن العقائد
⑪ احسن القصص
⑫ نجم الواعظین
⑬ نجم الہدایت
⑭ مقصود العارفین فی شرح اوراد شیخ نصیر الدین
⑮ ہدایت نامہ

⑯ قبالات نجمی
⑰ دیوان نجم فارسی

وصال ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں حسب معمول آپ اجمیر شریف عرس میں شریک ہوئے وہاں کچھ طبیعت ناساز ہوئی۔ علالت کی حالت میں جھونجھونوں پہونچے۔ ۱۹ رمضان ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء کو وصال فرمایا۔ جنازہ فتح پور لایا گیا اور وہاں سپرد خاک کیا گیا۔ شاہ صاحب کے فرزند سوم مولانا نور احمد نے تاریخ وصال کہی ـــ

شہباز اوج وحدت فارغ شدہ ز کثرت
برداشت سوئے حق سر از زانوئے تعبد
از قفس عنصری چوں پرواز کرد روحش
شاداں بشاخ طوبیٰ با شوق جاگزیں شد
باصد دریغ و حسرت تاریخ گفت ہاتف
شاہنشہ ولایت نجم ہدیٰ و دین بُد

اولاد حاجی صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ ایک شاہ ضیاء الدین صاحب جے پوری کے خلیفہ لطف خاں صاحب کی لڑکی سے، دوسری شیخ عبدالکریم صاحب کی لڑکی سے۔ پہلی بیوی سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں:

① مولانا نصیر الدین شاہ
② عبداللطیف شاہ
③ نور احمد شاہ
④ فضیلت النساء
⑤ لطیف النساء

شاہ صاحب کے تینوں فرزند عالم اور صاحب ارشاد تھے۔ مولانا نصیر الدین صاحب حاجی صاحب کے بعد سجادہ پر بیٹھے۔ عبداللطیف شاہ صاحب نے جودھ پور میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ وہیں ان کا مزار ہے۔ شاہ نور احمد صاحب فتح پور میں رہے۔ ان کی دو

تصانیف مشہور ہیں۔

(۱) دیوان نور

(۲) مجموعہ رویائے صادقہ

دیوان مطبع کریمی بمبئی سے شایع ہوا تھا۔ کلام میں فصاحت بھی ہے اور لطافت بھی۔

خلفاء

حاجی نجم الدین صاحبؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر تھی۔ انھوں نے راجپوتانہ کے اکثر مقامات پر اپنے خلفاء کو بھیج کر خانقاہیں قائم کرائی تھیں۔ جے پور، جودھ پور، بیکانیر، اودھے پور، اجمیر، وغیرہ میں ان کے خلفاء نے اپنے سلسلہ کا کام نہایت تن دہی اور محنت سے انجام دیا۔ بعض خلفاء کے نام یہ ہیں ——

(۱) مولانا حکیم سید محمد حسن صاحب امروہوی

(۲) مولانا قمر الدین شاہ صاحب

(۳) مولوی صدر الدین صاحب عباسی

(۴) مولانا یار محمد صاحب پشاوری مدفون جودھ پور

(۵) مولوی امام الدین صاحب پنجاب

(۶) قاضی امام الدین صاحب ساکن سرسہ

(۷) حکیم سید اشرف علی صاحب کشن گڈھ

(۸) مولانا سیف الدین صاحب شہید

(۹) سید ریاض الدین صاحب

(۱۰) نواب حاجی محمد خاں۔ جودھ پور

(۱۱) صاحبزادہ منیر خاں

(۱۲) خان جی الٰہی بخش سیکر

(۱۳) رسالدار جھو خانجی قائم خانی بیکانیر

(۱۴) شیخ محمود

(۱۵) میاں لعل شاہ

(۱۶) شیخ لعل محمد قصاب سونکھی فتحپوری

(۱۷) شیخ خدا بخش جاہل سفید باف فتحپور

(۱۸) شیخ سلطان شاہ پور، میواڑ

(۱۹) شیخ خدا بخش چوڑی گر، ساکن شاہ پور

(۲۰) شیخ امام الدین ساکن ڈیڈوانہ

(۲۱) شیخ محمود شاہ درویش

(۲۲) شیخ پیر قصاب

(۲۳) شیخ مولا بخش سنگتراش

(۲۴) شیخ رمضان معمار

(۲۵) شیخ پیران بخش معمار

(۲۶) ملا نور محمد پانی پت

مولانا حکیم سید محمد حسن صاحب امروہوی

حضرت مولانا سید محمد حسن صاحبؒ (۱۲۴۹-۱۳۲۳ھ / ۱۸۳۳-۱۹۰۵ء) جید عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ فلسفۂ مشائیہ اور علوم عقلیہ میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے، علوم نقلیہ، حدیث و تفسیر و فقہ میں مفتی صدر الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ علم طب حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ عرصہ تک گورنمنٹ کالج اجمیر میں عربی و فارسی کے پروفیسر رہے۔ آخر زمانہ میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اجمیر میں مطب کرنے لگے تھے۔ اپنے وطن امروہہ میں وصال فرمایا۔

حکیم صاحبؒ نے کتب سماوی کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا تھا۔ انجیل و زبور پر کامل عبور تھا۔ اُن کے زمانہ میں تین بزرگ تحقیق اناجیل کے سلسلہ میں شہرت رکھتے تھے۔ سر سید احمد خاں، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر صادق علی (کپور تھلہ)۔ اُن کا مسلک جداگانہ تھا اور تحقیق کا انداز مختلف تھا۔ علم تصوف سے

خاص دلچسپی تھی۔ وحدتِ وجود کے قائل تھے اور حضرت امام اکبرؒ کے خیالات کی وضاحت اپنی تصانیف میں کی ہے اور فصوص الحکم کی شرح بھی خاص انداز میں لکھی ہے۔

مدت العمر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہا۔ ان کی مہتم بالشان تصنیف تفسیر القرآن ہے۔ جو ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں مطبع میر حسن دہلی سے تفسیر حضرت شاہی معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخیار کے نام سے فارسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر دوبارہ اردو زبان میں غایت البرہان فی تاویل القرآن کے نام سے چھپی۔ (مطبع ریاضی امروہہ ۱۳۲۲ھ) ان کی دیگر تصانیف یہ ہیں:

1. کواکب دُریہ (سید المطابع امروہہ)
2. معراجِ رسول (مطبع دبدبہ محبوبی)
3. اتمام حجت اسلام در شرح کتاب دانیال علیہ السلام (پرنٹنگ کمپنی اجمیر شریف)
4. حقانیت اسلام (مطبع رضوی دہلی ۱۳۰۲ھ)
5. تلخیص التواریخ ملقب بہ مفرح دل کشا (مطبع مطلع العلوم اخبار نیر اعظم مراد آباد)
6. رسالہ آگہی نامہ (مطبع چراغ راجستان)
7. درِ نایاب (مطبع چراغ راجستان)
8. گنجینہ اسرار انبیار (مطبع نامی پرنٹنگ کمپنی اجمیر)
9. کشف الاسرار (مطبع دار العلوم میرٹھ)
10. نگینہ حکمت در شرح فصوص الحکم حضرت شیخ اکبرؒ (نولکشور لکھنؤ)
11. آفتاب عالم تاب (مطبع عالم تاب مطبع میر حسن رضوی دہلی)

حکیم صاحبؒ نہایت منکسر المزاج اور سادہ لوح بزرگ تھے۔ مباحثہ کبھی نہ کرتے تھے۔ مریدین میں ان کے داماد مولوی فضل احمد صاحب فریدی مرحوم بڑی خوبیوں کے

انسان تھے۔ غریب و بے کس لوگوں کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مشائخ سلسلہ کی تصانیف سے گہری دلچسپی تھی۔

حکیم صاحبؒ نے دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑی تھیں۔ صاحبزادوں کے نام حکیم سید عبد الملک صاحب مرحوم اور حکیم سید عبد الرب صاحب ہیں۔ حکیم سید عبد الرب صاحب نظامی قدیم روایات کے حامل اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحبؒ

مولانا محمد نصیر الدین صاحبؒ (۱۲۵۲-۹۷ھ / ۱۸۳۶-۷۹ء) حاجی صاحبؒ کے خلفِ اکبر اور خلیفہ اعظم تھے۔ دہلی میں مرزا لعل بیگ کے مدرسہ میں درسِ نظامی کی تکمیل کی تھی۔ ۱۲۸۱ھ میں حاجی صاحبؒ کے سجادہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ ہندو اور مسلمان سب ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان کا بیشتر وقت وعظ و تلقین اور درس و تدریس میں صرف ہوتا تھا۔

راجہ بھوپال سنگھ نے اپنی جاگیر میں ایک چھوٹا سا قصبہ حضرت پوران کے نام پر آباد کیا تھا۔ راؤ مادھو سنگھ کو بھی ان سے بڑی عقیدت تھی اور ایک سو دو بیگہ زمین حضرت کی خدمت میں پیش کی تھی۔

حضرت مولانا محمد نصیر الدین صاحب نے اپنے پیر کے ملفوظات نجم الارشاد کے نام سے جمع کئے تھے۔ علاوہ ازیں ایک کتاب مجمع الفرائض بھی تصنیف فرمائی تھی۔ ان کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

1. غلام محمد نجم الدین صاحبؒ
2. مولانا گل محمد صاحب مفتی فتحپور
3. مولانا عبد اللہ شاہ صاحب پشاوری
4. قاضی محمد اشرف صاحب قاضی جھین گڈھ
5. محمد سعد اللہ صاحب
6. حاجی علی محمد صاحب امام جامع مسجد مارواڑ
7. محمد عبد اللہ ساکن لاڈنون

مولانا نصیر الدین صاحبؒ کے وصال کے بعد ان کے فرزند اکبر حاجی غلام محمد نجم الدین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ اندور، اجین، رتلام وغیرہ کے لوگ کثیر تعداد میں ان سے بیعت تھے۔ ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء کو وصال فرمایا۔ ان کے خلف اکبر جناب مولانا غلام سرور صاحب سجادہ نشیخت پر بیٹھے۔ ان میں مشائخ سلسلہ کی بہت سی خوبیاں ہیں۔ بہت منکسر المزاج، متواضع اور با اخلاق بزرگ ہیں۔

باب یازدہم

حضرت خواجہ شمس الدینؒ سیالویؒ

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ، خواجہ تونسویؒ کے محبوب ترین خلفاء میں تھے۔ انھوں نے چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں جو مسلسل اور پُر خلوص جدّ و جہد کی، اسی کے نتیجہ کے طور پر جلال پور اور گولڑہ کی خانقاہیں وجود میں آئیں۔

خواجہ صاحبؒ ۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء کو سیال میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا اور ان کا اقتدار تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ ان حالات میں ان کو طرح طرح کی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد میاں محمد یار کو سکھوں نے گرفتار کر لیا تھا اور ان کے خاندان کو ہوش رُبا تکالیف برداشت کرنی پڑی تھیں۔

خواجہ سیالویؒ کے والد ماجد نے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ ۵ سال کی عمر میں انھوں نے قرآن پاک ختم کر لیا۔ اس کے بعد ماموں میاں احمد الدین کے ساتھ موضع ملکی ڈھوک علاقہ پنڈی گھیب تشریف لے گئے اور وہاں کے مدرسہ میں چند ماہ رہ کر نام حق اور کریما پڑھا۔ پھر مکھڈ چلے گئے اور وہاں تیرہ سال تحصیل علم کی

مکھڈ میں مولوی علی محمد صاحب علمی دنیا کے صدر نشین تھے ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ خواجہ سیالویؒ عقیدت مندانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے علم حاصل کرنے لگے۔ مولوی صاحب ان کے انہماک اور خلوص سے متاثر ہوئے اور ان پر خاص الطاف و کرم فرمانے لگے۔ اکثر اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتے اور علمی مسائل پر ان سے گفتگو کرتے۔ مولوی صاحب کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ خواجہ سیالویؒ کی وہ صلاحیتیں جو شاید ناساز گار حالات میں کمہلا کر رہ جاتیں، بیدار ہو گئیں اور انھوں نے علوم ظاہری میں مولوی صاحب سے وہ فیض حاصل کیا جس کا اعتراف وہ آخر عمر تک کرتے رہے۔

اسی زمانہ میں شیخ سیالویؒ کو کابل جانے کا موقع مل گیا۔ میاں محمد امین ایک نامور تاجر تھے۔ درویشوں سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں افغانستان جانے کا ارادہ کیا، تو برکت کے لئے مولوی علی محمد صاحب کی اجازت سے شیخ شمس الدینؒ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خواجہ صاحبؒ نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور کابل کے ایک متبحر عالم حافظ دراز صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث و فقہ کا درس لیا۔ پہلے ہدایہ مکمل پڑھی۔ پھر حدیث کی سند لی۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد مکھڈ واپس آ گئے اور مولوی علی محمد صاحب کی صحبت میں رہنے لگے۔

مولوی علی محمد صاحب ان دنوں حقیقت و معرفت کی منزلیں طے کر رہے تھے باطناً درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، لیکن محبتِ الٰہی کے جوش سے رات دن اشکباری میں گزارتے تھے اور ایک ایسے رہبرِ کامل کی تلاش میں سرگرداں تھے جو ان کے مضطرب قلب کے لئے سکون کا سامان مہیا کر سکے۔ ایک دن انھوں نے خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی ایک شخص سے تعریف سنی اور ان سے ملنے کا اشتیاق دل میں پیدا ہو گیا۔ چنانچہ مولوی صاحب خواجہ سیالویؒ کو اپنے ساتھ لے کر خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت خواجہ شمس الدینؒ اٹھارہ سال کے تھے۔ علم حدیث و فقہ حاصل کر چکے تھے اور باطنی تعلیم کا ذوق بھی دل میں تھا۔ جب خواجہ تونسویؒ کی

خدمت میں پہونچے تو ان کے قدموں میں ایسی کشش محسوس کی کہ پھر وہاں سے سر نہ اٹھایا۔ خواجہ صاحبؒ نے دونوں کو مرید کر لیا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد شاگرد اور استاد دونوں مکھڈ واپس آ گئے۔

مولوی علی محمد صاحبؒ کے اولاد نہ تھی۔ خواجہ سیالویؒ کو وہ بیٹے کی طرح رکھتے تھے اور ان کی علمی ترقی کے لئے دل و جان سے کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا سارا مال و متاع خواجہ صاحبؒ کے سپرد کر دیا۔ اور مدرسہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ خواجہ صاحبؒ کے والدین ان کی شادی کے لئے مصر ہوئے۔ لیکن وہ مکھڈ چھوڑنے اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ مجبوراً ان کے والد صاحبؒ نے خواجہ تونسویؒ سے امداد کی درخواست کی: خواجہ تونسویؒ نے مولوی صاحبؒ کو لکھا "مولویا! تو نے اس فقیر کو کیوں اسیر کر رکھا ہے۔ اس کو باپ کے پاس بھیج دے۔" اور ساتھ ہی خواجہ شمس الدین کو ہدایت کی کہ وہ والدین کے پاس جائیں اور نکاح سے فراغت حاصل کریں۔

۲۴ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدینؒ کا نکاح ان کے چچا میاں احمد یار کی دختر کے ساتھ پڑھایا گیا۔ اس زمانہ میں خواجہ صاحبؒ کے والد نہایت عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اکثر فاقے ہوتے تھے اور بیشتر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات میں خواجہ شمس الدین نے وطن میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ اور درس و تدریس کے کام میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ عبادت و ریاضت کی طرف بھی توجہ تھی۔ سال میں کئی کئی بار تونسہ تشریف لے جاتے تھے اور فیوضِ باطنی سے مالا مال ہو کر واپس آتے تھے۔ خواجہ سیالویؒ کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کے ہمراہ ۱۴ مرتبہ مہار شریف کا سفر کیا تھا اور ان کا سامان اپنے کاندھوں پر رکھ کر ان کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے۔ تقریباً ۲۶ سال کی عمر میں خواجہ تونسویؒ نے ان کو خلافت سے نوازا اور ہدایت کی کہ بیعت کا کام بڑے اہتمام سے کرنا، اپنے اشغال میں مصروف ہو کر اس کو نظر انداز نہ کر دینا۔ خواجہ صاحبؒ نے سب سے پہلے اپنے والدین اور پھر ان چچا بزرگوں

کو مرید کیا:

(۱) میاں چھجہ کسب دار

(۲) شیخ عبدالجلیل قریشی

(۳) عبداللہ دین دار

(۴) میاں فضل احمد قریشی

ان بزرگوں کا مختصر حال انوار شمسیہ میں درج ہے۔

شیخ شمس الدینؒ نے سیال شریف میں اپنا خانقاہی نظام اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا تھا۔ ان کے یہاں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ تمام زائرین اور مسافروں کو کھانا لنگر خانہ سے ملتا تھا۔ شہر کے مفلسوں اور مسکینوں کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ قیام کا انتظام بہت اچھا تھا۔ چارپائی اور بستر ہر آنے والے کے لئے مہیا کئے جاتے تھے۔ جو لوگ مستقلاً خانقاہ میں رہتے تھے ان کو کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔

شیخ سیالویؒ کا اخلاق بہت اعلیٰ تھا۔ اجنبی اور ملاقاتی سے ایک طرح ملتے تھے ہر آنے والے سے خلوص اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ہمدردی سے ہر ایک کے دکھ درد کی داستان سنتے تھے اور مناسب حال علاج کرتے تھے۔ شریعت کے معاملہ میں بہت سخت گیر تھے اور اس سلسلہ میں مریدین پر سختی کو ضروری سمجھتے تھے۔ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ سماع بالمزامیر سے اجتناب کلی کرتے تھے۔

۲۴ صفر سنہ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء کو شیخ سیالویؒ واصل بحق ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ وفات کہی ہے

دریغا صد دریغا صد دریغا — کہ شمس الدین امام العارفین رفت
ہزاراں افسوس کیں مہر جہاں تاب — بہ اوج عرش از فرش زمیں رفت
چو سرور جست تاریخش ز ہاتف — بگفتا شمس اوج علم دیں رفت

خواجہ سیالویؒ کے تین فرزند تھے:

(۱) خواجہ محمد دینؒ

(۲) خواجہ فضل الدینؒ

(۳) خواجہ شجاع الدینؒ

وصال کے بعد خواجہ محمد دین سجادہ پر بیٹھے۔ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے خرقہ پہنایا۔ انھوں نے اپنے باپ کی روایات کو جاری رکھا۔ ان کے چار فرزند تھے:

(۱) محمد امینؒ

(۲) محمد ضیاء الدینؒ

(۳) محمد عبداللہؒ

(۴) محمد سعد اللہؒ

خواجہ محمد دینؒ نے ۹ رجب سنہ ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء کو وصال فرمایا۔ خواجہ محمد امین ان کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس لئے صاحبزادہ محمد ضیاء الدین صاحبؒ سجادہ پر بیٹھے۔ اُن کے بعد خواجہ قمر الدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔ اُن کی کوششوں سے بزرگان سلسلہ کی روایات قائم رہیں۔ جولائی سنہ ۱۹۸۱ء کو وصال ہوا۔

خلفاء

خواجہ سیالویؒ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل ۳۵ بزرگ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) خواجہ محمد دینؒ

(۲) صاحبزادہ فضل الدینؒ

(۳) صاحبزادہ شجاع الدینؒ

(۴) پیر غلام حیدر شاہ صاحبؒ جلال پور

(۵) پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ

(۶) مولوی فضل الدین ساکن چاچڑ تحصیل شاہ پور

(۷) مولوی منظم الدین ساکن مرولہ والہ تحصیل بھیرہ

(۸) مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات

(۹) شیخ عبدالجلیل ساکن تحصیل شاہ پور

(۱۰) مولوی حفیظ ماہی صاحبؒ

(۱۱) سید محمد شاہ صاحب غزنوی ساکن کتا واڑہ علاقہ یوبک خیل خراسان

(۱۲) سید اکرام شاہ ساکن سلہو کے علاقہ رسول نگر

(۱۳) سید نوبہار شاہ ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خان

(۱۴) سید حسن شاہ ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خان

(۱۵) سید صالح شاہ صاحب ساکن سلطان پور ضلع جھنگ

(۱۶) میاں پیر بخش قریشی ساکن خواجہ آباد۔ میاں والی

(۱۷) سید جنڈو ڈا شاہ صاحب ساکن عیسیٰ خیل میاں والی

(۱۸) میاں علی حیدر صاحب ساکن خاص میاں والی

(۱۹) مولوی سلطان محمود صاحب ناڑیوالہ ساکن چھپڑ تحصیل خوشاب

(۲۰) مولوی احمد الدین صاحب صوفی ساکن کلور ضلع میاں والی

(۲۱) ملا خوشنود صاحب یوسف زئی۔ ساکن کابل

(۲۲) سید حیات شاہ صاحب نارگ والہ

(۲۳) مولوی غلام محمد صاحب ساکن لالہتی تحصیل خوشاب

(۲۴) سید رستم علی شاہ ساکن علاقہ پنجہ کشمیر

(۲۵) سید محمد سعید شاہ صاحب ساکن بہرتہہ متصل شہر لاہور مصنف مرآۃ العاشقین۔

(۲۶) سید مبارک شاہ چھانا آبادی علاقہ راولپنڈی

(۲۷) سید گلاب شاہ صاحب اورنگ آبادی ضلع کیمل پور

(۲۸) سید غلام شاہ ساکن ہرن پور۔ ضلع جہلم

(۲۹) سید شاہ الٰہ بخش ساکن حاجی پور ضلع ڈیرہ غازی خاں

(۳۰) سید شاہ خدا بخش صاحب ساکن سنجر ضلع ڈیرہ غازی خاں

(۳۱) مولوی علی محمد صاحب ساکن کوٹ کالا ضلع شاہ پور

(۳۲) مولوی شیخ محمد صاحب ساکن سلہیانہ ضلع جھنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا کل الکل بث الکل و منت الکل والیت الکل صل علی نبیک الاقدم
والمظہر الاتم لاسمک الاعظم اما بعد پس بر خاطر کہ مسطور درین اوراق ست
بمنزلہ رقعہ الیست کہ از پیران خرقہ پوش سراپا ہوش باین گدا رسیدہ
و بتار محبت با یکدیگر دوختہ مرقعی برای پوشش ماسوی الحق از بصیرت ساختہ
لہذا این مجموعہ را مرقعی نام کردہ و اقسام صلوۃ را براوراد مقدم داشتہ
و ہر فائدہ را معنون برقم ساختہ و چون اختصار مطلوب بود اقتصار بذکر بعض خواص
نمودہ آمد مقدمہ عامل را باید کہ این شرائط مذکورہ در ذیل در خود پیدا آرد
بعد ازان عمل نماید کہ بی این بطالت ست و امید دار نتائج جہالت
امام احمد بونی کہ راس و رئیس اہل دعوت این شروط ذکر فرمودہ اکل حلال
و صدق مقال و حضور قلب و عجز و خضوع و بکا و اخلاص و کسوت حلال

(۴۳) حافظ صاحب سموکے والہ ضلع کیمل پور

(۴۴) سید فیض شاہ ساکن جھاب علاقہ جھنگ

(۴۵) میاں محمد طیب ساکن بلبل پڑی معروف بہ جالندھری

پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوریؒ

دریائے جہلم سے پار ہونے کے بعد ایک کوہستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے یہیں پہاڑوں کے دامن میں جلال پور واقع ہے۔ ایک طرف دریائے جہلم موجیں مار رہا ہے دوسری طرف سبزہ زار کیف افزائے منظر بنا ہوا ہے۔ تیسری طرف وادیوں کا مستحکم سلسلہ حجازی وادیوں کی یاد دلاتا ہے۔ جلال پور کے اس جنت نظیر خطہ میں خواجہ سیالوی کے ایک عزیز خلیفہ سید غلام حیدر علی شاہؒ نے ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی کہ تمام فضائیں روح پرور نغمات سے گونج اٹھیں۔

پیر سید حیدر شاہ صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۳ صفر ۱۲۵۴ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۸۳۸ء کو ہوئی تھی۔ دسویں پشت میں ان کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے جا ملتا ہے۔ پیر سید حیدر شاہ صاحبؒ کے والد ماجد سید جعہ شاہ نہایت عابد، منکسر المزاج اور متوکل بزرگ تھے۔ والدہ ماجدہ سجادہ بیگم موضع کھیوہ ضلع گجرات (پنجاب) کے ایک مشہور بزرگ سید غلام شاہ کی صاحبزادی تھیں۔ پیر حیدر شاہ صاحبؒ کی تعلیم و تربیت میں ان کا خاص حصہ تھا۔ وہ بڑی عبادت گزار اور صالحہ خاتون تھیں۔ گو افلاس کی زندگی بسر کرتی تھیں لیکن توکل کی دولت سے مالا مال تھیں۔ کبھی کسی کا سوال رد نہ کرتی تھیں۔ ماں کے زہد و تقدس نے بیٹے کے ہر ہر رگ و ریشہ کو متاثر کیا۔ شاہ صاحبؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہماری والدہ بابا فرید گنج شکرؒ کی والدہ کی مانند تھیں۔ جنھوں نے ابتدا ہی سے اپنے لخت جگر کو نماز روزہ کا پابند بنا دیا تھا۔ وہ شاہ صاحبؒ کو رات کو سوتے سے جگا دیتی تھیں۔ ۵،۶ سال کی عمر میں شاہ صاحبؒ میں ارکان دین کی پابندی اس قدر تھی کہ جیٹھ اور اساڑھ کی گرمی میں انھوں نے روزے رکھے۔

جب شاہ صاحبؒ نے ہوش سنبھالا تو ان کو میاں خان محمد اعظم پوری کے زیر تعلیم

کیا گیا۔ انھوں نے کلامِ پاک پڑھنا شروع کیا جس کی تکمیل آپ کے چچا سید امام شاہؒ نے کرائی۔ اس کے بعد میاں عبداللہ چکڑوی سے فارسی اور اردو کی درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر جلال پور سے پانچ کوس کے فاصلہ پر بمقام مین وال تشریف لے گئے اور وہاں قاضی محمد کامل سے کتبِ فقہ کا درس لیا۔ مفتی غلام محی الدین صاحب سے، جو علمی اعتبار سے گرد و نواح میں جواب نہ رکھتے تھے۔ استفادہ کیا اور کنز الدقائق ان سے پڑھی۔ اس سے زیادہ ظاہری علم شاہ صاحبؒ نے باقاعدہ حاصل نہیں کیا۔ لیکن طبیعت کی اخاذ اور ماحول کے اثر نے ان میں وہ عالمانہ انداز پیدا کر دیا تھا جس سے بہت عالم بھی محروم تھے۔

خواجہ سیالویؒ کی خدمت میں انھوں نے مرقع اور کشکول کا درس لیا۔

پیر حیدر شاہ صاحبؒ کی عمر ۱۰ سال کی تھی کہ ان کے والد ماجد نے وصال فرمایا۔ رحلت کے وقت وصیت فرمائی کہ کسی کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا۔ بڑوں کا ادب ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا، چھوٹوں سے محبت سے پیش آنا اور اقربا کے ساتھ صلہ رحمی کا اصول زریں یاد رکھنا۔

شاہ صاحبؒ مرشد کی تلاش میں ہرن پور[۱] پہونچے اور وہاں سید غلام شاہ صاحبؒ سے بیعت کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے سیال شریف جانے کا مشورہ دیا بلکہ ساتھ لے گئے۔ خواجہ سیالویؒ نے جب ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ مزاج پوچھا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔

، رجب ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء کو ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ بیعت کے بعد آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر دسویں دن پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب چھٹی مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے خرقہ خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

پیر حیدر شاہ صاحبؒ کو اپنے شیخ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ ان کا اتنا ادب کرتے

۱؎ جلال پور سے دس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

تھے کہ ان کے سامنے بولنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ خط لکھا اور اس میں صرف یہ نظم لکھی، لیکن پاسِ ادب سے شیخ کی خدمت میں پیش نہ کر سکے ؎

میں ہاں خادم تو ہے مخدوم میرا　　توساں کو حال سب معلوم میرا
کرو خادم اتے انعام سائیں　　جو ہر جا فیض ترا عام سائیں
کیتا دل درد تیرے پارہ پارہ　　جو دارو درد میرے کا نظارہ
نظارہ بے کرو جد جیدیاں میں　　وگرنہ جام زہروں پیندیاں میں
نظر کر دیکھ چہرہ زار میرے　　جو میں بیمار کیتے درد تیرے
دوا کر مہرباں بیماریاں دا　　وفا کر دلبرا دلداریاں دا
میں تیرے دیکھنے کی باوری ہوں　　دکھا مکھ کھول کے باوری ہوں

مرشد ان کا اس قدر خیال کرتے تھے کہ جب وہ سیال آتے تو خود تھوڑی دور تک استقبال کے لئے جاتے تھے۔ ایک دن شیخ عبدالجلیل خادم شیخ کی وساطت سے عرض کیا کہ حضور کی اس قدر تعظیم و تکریم سے بہت نادم اور محجوب ہوتا ہوں اور میرے قلب پر ایک قسم کی اضطراری کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سوئے ادبی ہے۔ خواجہ سیالویؒ نے جواب دیا۔ شاہ صاحبؒ ہم اپنی خوشی کے خود مختار ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاموش رہیں۔

ایک مرتبہ پیر سید حیدر شاہ علیل ہوئے۔ پیر و مرشد کو حال معلوم ہوا تو بے قرار ہو گئے۔ روتے جاتے تھے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرتے جاتے تھے:

"یا ارحم الراحمین! میری ساری عمر دی ایہا
کھٹی پوٹھی ہے۔ اسے برباد نہ کرنا۔"
(یعنی میری عمر بھر کی کمائی یہی ہے۔)

پیر حیدر شاہ صاحبؒ کا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ منکسر المزاجی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی۔ ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ سیال شریف کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ پانی پینے کے لئے رکے ایک شخص جو انتہائی بدشکل اور کریہہ المنظر تھا پانی پی رہا تھا۔ اس نے بچا ہوا پانی پھینکنا چاہا۔ شاہ صاحبؒ نے ہاتھ روک کر وہ پانی خود پی لیا۔

خودپسندی ان کو چھو کر بھی نہ گذری تھی۔ فطرتاً نہایت نرم دل تھے۔ کسی شخص سے بہت زیادہ ناراض ہوتے تو صرف اتنا فرماتے۔ "نیک بختا تو نے یہ کیا کیا" یہ کہنے کے بعد اس کو آزردہ نہ ہوتے دیتے۔ اور جس طرح ہوتا اسے خوش کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے ؎

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

غریبوں کی دل جوئی کی طرف خاص توجہ کرتے تھے۔ کبھی کسی کے لئے بددعا نہ کرتے تھے۔ ایک شخص مرزا خاں بے حد مخالفت کیا کرتا تھا۔ جب اس کے فتنہ و فساد کی حد نہ رہی اور لوگوں نے اس طرف رجوع کیا تو صرف اتنا فرمایا۔ دعا کرو خداوند کریم اس پر رحم کرے اور کسی اچھے شغل میں لگا دے تاکہ اسے ہماری مخالفت کرنے کی فرصت ہی نہ ملے۔

شاہ صاحبؒ شرع کے بہت پابند تھے۔ ان کے سوانح نگار کا بیان ہے آپ فقہا کی طرح محتاط اور عامل بالشرع رہتے تھے:

ایک دن فرمانے لگے:

"مناقب المحبوبین میں بہت سی سندوں کے ساتھ
استاد، والدین، بادشاہ اسلام اور پیر کے لئے سجدہ
تعظیم کرنا جائز ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن طریقۂ
شریعت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے" [2]

شاہ صاحبؒ نہایت حسین و جمیل انسان تھے۔ لمبا قد، خوب صورت آنکھیں، شانوں پر زلفیں، کلاہ چہار ترکی سر پر، موسم سرما میں بانات کا کوٹ، گرمیوں میں ململ کا کرتا، پاؤں میں جھلمی طرز کا سادہ جوتا پہنے ہوئے وہ حسنِ مجسم معلوم ہوتے تھے ـــ ان کے ملفوظات نفحات المحبوب کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ [3]

---

[1] ذکر حبیب۔ حصہ اول۔ ص ۱۔ [2] ذکر حبیب۔ ملفوظات۔ ص ۳۰۵

[3] عنوان اول المسمیٰ بہ نفحات المحبوب، بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ۔

۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء کو شاہ صاحبؒ نے وصال فرمایا۔ علامہ اقبالؒ نے تاریخ وفات کہی ہے ؎

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربت او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او بگو مغفور گفت
۱۳۲۶ھ

اکبر الہ آبادی نے بھی تاریخ وفات کہی تھی ؎

معرفت کی جس کو ہو دولت نصیب — پھر اُسے کیا فکرِ مال و جاہ ہے
حضرت مرحوم تھے مردِ خدا — اُن کا جو پیرو ہے حق آگاہ ہے
ان کی تاریخِ وصال از روئے درد
انتقالِ پیر حیدر شاہ ہے

خواجہ صاحبؒ کے چار صاحبزادے تھے:

(۱) سید بدیع الزماں شاہ
(۲) سید مظفر علی شاہ
(۳) محمد رسول شاہ
(۴) قایم الدین شاہ

سید بدیع الزماں خواجہ سیالویؒ سے بیعت تھے۔ ۲۱ سال کی عمر میں ۷ شعبان ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ قایم الدین شاہ، خواجہ الٰہ بخش تونسویؒ سے بیعت تھے۔ ۲۱ رجب ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء کو ۲۱ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رسول شاہ کا انتقال ایامِ شیر خوارگی میں ہو گیا تھا۔ وصال کے بعد سید محمد مظفر علی شاہؒ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی خواجہ سیالویؒ سے بیعت تھے۔ صرف مسندِ خلافت والد سے ملی تھی۔ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء کو انھوں نے وصال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے ابو البرکات مولانا سید محمد فضل شاہ صاحب بلند اخلاق، پاک سیرت، عالم و فاضل اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ یکم دسمبر ۱۹۳۰ء

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربت او را امیں جلوہ ہائے طور گفت

ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او بگو مغفور گفت
۱۳۲۶ — اقبال

معرفت کی جسکو ہو دولت نصیب — پھر اُسے کیا فکر مال و جاہ ہے
حضرت مرحوم تھے مرد خدا — اُنکا جو پیرو ہے حق آگاہ ہے

اُنکی تاریخ وصال از روئے درد
انتقالِ پیر حیدر شاہ ہے
۱۳۲۶ = ۴ + ۱۳۲۲

(اکبر الہ آبادی)

کو وصال ہوا۔

اسلامی ممالک مثلاً بیروت، دمشق، اسکندریہ، مصر، بیت المقدس کی سیاحت نے نگاہ میں وسعت اور اسلامی مسائل سے واقفیت پیدا کر دی ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رح

خواجہ سیالوی رح کے خلفاء میں پیر سید مہر علی شاہ صاحب رح ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ دور میں نہ صرف احیاءِ تصوف کی کوشش کی، بلکہ بہت سے عقائد باطلہ کی تردید میں بھی سرگرم رہے۔

خواجہ صاحب رح کی پیدائش ۱۲۷۵ھ میں ہوئی۔ سلسلۂ نسب ۲۴ ویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے جا ملتا ہے۔ ان کی نانی حضرت مخدوم جہانیاں رح کی اولاد سے تھیں۔ خواجہ صاحب رح کے والد ماجد سید نظیر الدین شاہ رح نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تعلیم و تربیت نہایت ہی جگرسوزی کے ساتھ کی تھی۔ اُن کے اساتذہ میں سب سے زیادہ معروف شخصیت مفتی محمد لطف اللہ صاحب رح کی تھی جن کے فیض تربیت سے بہت سے علماء مستفید ہوئے۔ پیر صاحب نے دورۂ حدیث مولانا احمد علی سہارنپوری رح سے مکمل کیا تھا۔ خواجہ صاحب رح خود بہت ذہین اور باشوق تھے۔ تھوڑی ہی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ پھر حجاز چلے گئے۔ وہاں ایک عرصہ تک رہنے کے بعد وطن واپس آئے اور اصلاح و تربیت کا ہنگامہ برپا کر دیا۔

مکہ معظمہ میں وہ ایک دن حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کی خدمت میں حاضر تھے۔ حاجی صاحب رح نے نہایت اصرار اور تاکید سے ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا:

"در ہندوستان عنقریب یک فتنہ	ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ

۱ ملاحظہ ہو، استاذ العلماء از نواب صدر یار جنگ (علی گڑھ ۱۹۳۲ء) ص ۴۹، نیز مولانا بدر الدین علوی کا مضمون معارف اکتوبر ۱۹۵۵ء ص ۲۵۳ - ۲۵۲۔

ظہور کند، شما در ملک خود واپس	نمودار ہوگا۔ تم ضرور اپنے وطن واپس
بروید، واگر بالفرض شما در ہند	چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندستان
خاموش نشستہ باشید تاہم آں	میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو وہ
فتنہ ترقی نہ کند و در ملک آرام	فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک میں سکون
ظاہر شود"۔ ۱	رہے گا۔

خواجہ صاحب رح، حاجی صاحب رح کے اس کشف کو فتنۂ قادیانی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو اس فتنہ کی مخالفت کا حکم دیا تھا۔ ۲ چنانچہ خواجہ صاحب رح نے اپنی زبان اور اپنے قلم دونوں سے قادیانیوں کے عقائد باطلہ کی پرزور تردید کی۔ ردِ قادیانیت میں ان کی تصنیف "سیفِ چشتیائی" معروف ہے۔ ۳

خواجہ صاحب رح بڑے متبحر عالم تھے۔ اُن کی تصانیف میں اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اُہل بہ لغیر اللہ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ ان کے ملفوظات ان کی بلندیٔ فکر اور وسعت معلومات کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رح سے خاص عقیدت رکھتے تھے، فرمایا کرتے تھے:

"کمالات شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مرحوم
بحد غایت کمال رسیدہ اند، در علم ظاہر و باطن نظیر
خود خود گذشتہ اند"۔ ۴

۱ ملفوظات طیبہ۔ ص ۱۲۶ ۲ ملفوظات ص ۲۷ - ۱۲۶

۳ مرزا قادیانی نے آپ کی تصنیف شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح سے برافروختہ ہو کر دعوت مناظرہ دی تھی۔ آپ (اگست ۱۹۰۰ء میں) لاہور پہونچ گئے لیکن مخالف جماعت سے کوئی نہ آیا۔

۴ ملفوظات۔ ص ۴۲۔

شیخ اکبرؒ کے نظریۂ وحدت وجود پر جو عبور ان کو حاصل تھا اس کی اس عصر میں نظیر نہیں ملتی۔ فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے اور اس کے اسرار و رموز کو خوب سمجھتے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک مرتبہ شیخ اکبرؒ کے فلسفہ کے متعلق ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان سے عقیدت و ارادت کا اظہار اس طرح کیا تھا ــــــــ

لاہور۔ ۸ر اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ۔ السلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے۔ تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہرحال جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے بنظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جوابِ شافی مرحمت فرمایا جائے۔

اول یہ کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

یہ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کرسکوں۔

حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں مولوی سید انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اس کا نام تھا درایۃ الزماں۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لئے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے۔ اس لئے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا۔ لیکن چونکہ مقصود خدمت اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لئے جناب معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے باقی التماس دعا۔

مخلص [1]

محمد اقبال

غیر شرعی رسوم سے خواجہ صاحبؒ کو بڑی نفرت تھی۔ ان کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباعِ سنتِ نبوی کی تلقین ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے شریعتِ نبوی کے اتباع سے بڑھ کر کوئی فخر نہیں ہوسکتا۔ [2]

خواجہ صاحبؒ کو شعر و سخن سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی شعر خوب کہہ لیتے تھے۔ اُن کی ایک فارسی غزل ملاحظہ ہو:

صبا ز طرۂ شبرنگ مہوش طناز ۔۔۔ کشود نافۂ مشکیں برائے اہل نیاز
کیم گدائے در مفلسی کوتاہ دست ۔۔۔ کجا ایں غالیہ عطری و قصہ ہائے دراز
توئی کہ در صفتت ابا آسمان دی ۔۔۔ چگونہ شکر تو گوید کمینہ بندہ نواز
عرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست ۔۔۔ کمال حشمت محمود را بعجز ایاز

---

[1] اقبال نامہ۔ جلد اول ص ۴۴۳ - ۴۴۲ [2] ملفوظات۔ ص ۱۴۴

رہین ساقیٔ چشم کہ جرعہ بچشانند — زجام چہرہ ترکاں ہوشان حجاز
بہ بزم بادہ فروشاں بہ نیم جو نہ خرند — متاع زاہد طماع چنج وصوم ونماز
مرا ز پیر مغاں رازہائے سربستہ است — فغاں ز واعظ خود بیں کجاست محرم راز

اگرچہ حسن تو از مہر غیر مستغنی است
من آں نیم کہ از ایمان خویش آیم باز

پیر صاحبؒ نے ۸۱ سال کی عمر میں ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کے مریدین میں قاری عبدالرحمٰن مکی الٰہ آبادیؒ اور خواجہ حسن نظامی دہلویؒ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خواجہ حسن نظامیؒ

خواجہ حسن نظامیؒ کو ان کے والد نے کم عمری میں خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کا مرید کرا دیا تھا۔ اُن کے وصال کے بعد بڑے بھائی نے خواجہ غلام فریدؒ کا مرید کرا دیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہو گئے۔

خواجہ صاحبؒ کی شخصیت بڑی ہمہ جہت، دل کش اور دل نواز تھی۔ انھوں نے انشا، صحافت اور ادب کے میدان میں وہ مہتم بالشان کارنامے انجام دیئے جن کے باعث ان کو شہرت دوام حاصل ہے۔ وہ اردو زبان کے مجدد تھے۔ ان کی زبان "قلعہ معلیٰ" کی زبان تھی — صاف، ستھری، شیریں اور پُرتاثیر۔ انھوں نے کثیر تعداد میں مختلف موضوعات پر کتابیں اور رسالے لکھے تھے۔ دلی مرحوم کی تہذیب پر ان کا کام انتہائی قابل قدر ہے۔ انھوں نے اپنے "روزنامچہ" کے ذریعہ مریدوں اور متوسلین کے وسیع حلقے کو متاثر کیا۔ حالاتِ مشائخ میں خواجہ صاحبؒ کی سب سے گراں قدر کتاب "نظامی بنسری" ہے۔ اس میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی زندگی اور تعلیم کی ایسی موثر تصویر کشی کی ہے کہ قرون وسطیٰ کا ماحول آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

خواجہ صاحبؒ نے تصوف کی تحریک کو بڑھانے اور چشتیہ سلسلہ کا دائرہ اثر و نفوذ وسیع کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں انھوں نے "حلقہ

نظام المشائخ" قایم کیا اور تصوف کے افکار و نظریات کو مذہبی حلقوں میں روشناس کرایا۔ ۱۹۲۳ء میں شاہ محمد سلیمان پھلوارویؒ سے "مدرسہ تعلیم تصوف" قایم کرنے کے منصوبہ پر گفتگو کی۔ اگر خواجہ صاحبؒ علم و ادب، سماج اور صحافت کے سب کاموں سے علیحدہ ہو کر اپنی ساری صلاحیتیں اور وقت، صرف مشائخ متقدمین کی تعلیم کی نشر و اشاعت اور صوفی اداروں کی تشکیل جدید کی طرف منتقل کر دیتے تو تصوف کی تحریک کو بہت فائدہ پہونچتا۔ لیکن اس زمانہ کے حالات کچھ ایسے تھے کہ خواجہ صاحبؒ کو سب ہی طرف توجہ کرنی پڑتی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ مدتوں تک صورت یہ رہی کہ جس دینی، سماجی یا ادبی کام میں خواجہ صاحبؒ کی شرکت نہ ہوتی اس کام میں جان نہ پیدا ہوتی تھی۔ اور وہ اپنی ذات سے ایک انجمن بن گئے تھے۔

خواجہ صاحب کی نگاہ و نظر میں غیر معمولی وسعت تھی۔ جس کا اندازہ صرف اُن سے مل کر ہو سکتا تھا۔ انھوں نے مصر، شام، حجاز کا سفر کیا تھا اور اسلامی دنیا کے حالات سے براہ راست واقفیت حاصل کی تھی۔ ہندوستان کا تو شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں وہ نہ پہونچے ہوں۔ اس وسیع تجربے نے اُن کے افکار میں توانائی اور جدت پیدا کر دی تھی۔ ان کے سوچنے کا انداز نرالا تھا اور کام کرنے کا طریقہ انتہائی موثر۔ اُن کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا اور ہندوستان کے باہر بھی پھیلا ہوا تھا۔ انھوں نے بہت سے اصلاحی اور تبلیغی کاموں کو بڑے موثر انداز میں اٹھایا تھا۔ مریدوں کے تربیتی مرکز، تبلیغی کام کے لئے انجمنیں، مدارس، اسکول اور حلقے ہر طرف انھوں نے توجہ کی۔

خواجہ حسن ثانی نظامی کا بیان ہے: "ایک دلچسپ بات مجھے حضرت مولانا محمد یوسف مرحوم نے بتائی تھی کہ ان کے والد حضرت مولانا الیاس علیہ الرحمۃ کا ارادہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لئے بستی حضرت نظام الدینؒ کو مرکز بنانے کا نہ تھا۔ اس کے لئے والد کی حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے انھیں مجبور کیا جو ان کے والد حضرت مولانا اسمٰعیلؒ اور بڑے بھائی حضرت

مولانا محمد یحییٰؒ کے شاگرد تھے"۔

اپنے معاصر صوفی حلقوں میں انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ روزی اپنی مشقت اور محنت سے حاصل کرنی چاہیے۔ وہ اکل حلال کی اپنے مریدین کو پیہم تلقین کرتے تھے۔ درگاہ محبوب الٰہیؒ میں ان کی ذات کو ایک امتیازی شان حاصل تھی۔ خواجہ صاحبؒ نے ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء کو وصال فرمایا۔ کسی نے تاریخ کہی ہے:

"آہ بجھا چراغ علم و ادب"

۱۳۷۴ھ

خواجہ صاحبؒ کے جانشین اُن کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی ہیں۔ اُن کو باپ کی بہت سی خوبیاں ورثہ میں ملی ہیں۔ اور مستقبل کی بہت سی توقعات ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ ان کی شخصیت میں دل نوازی بھی ہے اور نگاہ و نظر کی تابندگی بھی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "میں نے خاص اہتمام اس بات کا کرایا ہے کہ تمام اختلافی چیزیں ترک کر دی جائیں اور بنیادی باتوں پر زور دیا جائے۔" موجودہ دور میں اس نوع کے فیصلوں کی اشد ضرورت ہے۔

خانقاہ گولڑہ تصوف سے گہرا تعلق اور علم و ادب کا سچا ذوق خانوادۂ پیر مہر علی شاہ کی ہمیشہ خصوصیت رہی۔ اُن کے فرزند سید غلام محی الدین المعروف بہ قبلہ بابو جیؒ (متوفی ۱۹۷۴ء) ہمیشہ اپنے مرشد کی خانقاہی روایات کی پاسداری کرتے تھے۔ اور اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے۔ اُن کے صاحبزادے سید غلام معین الدین شاہ گیلانی مشتاقؔ بھی شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ مثنوی سر توحید اُن کے صوفیانہ افکار کی ترجمان ہے۔ ان کے صاحبزادے میاں غلام نصیر الدین نصیرؔ جواں سال ہیں لیکن پختہ ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ درس نظامی کے فارغ التحصیل اور فن قرأت و تجوید کے ماہر ہیں۔ ان کی فارسی رباعیات "آغوش حیرت" کے نام سے شائع ہوئی ہیں اور اُن کے شاعرانہ کمالات کی آئینہ دار ہیں۔ خانقاہ گولڑہ کی اس آواز میں کتنا درد اور کیسی حسرت ہے ؎

عروج فکر انسانی کجا شد — سرور ذوق ایمانی کجا شد
نمی بینم بدلہا گرمی عشق — مسلماناں! مسلمانی کجا شد

باب دوازدہم

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ

نصف صدی کی اصلاحی اور تبلیغی جدوجہد کے بعد جب آفتاب تونسہ غروب ہونے لگا تو خواجہ اللہ بخش نبیرۂ شیخؒ نے قدموں میں سر رکھ کر عرض کیا:

"بابو! من از تو ہیچ چیز دیگر نمی خواہم
پس ہمیں می خواہم کہ نعلین فقیران ترا
راست کنم"

یہ جملہ سُن کر شیخ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ فرمایا: و نفخت فیہ من روحی، اور جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ شاہ غلام نظام الدین صاحبؒ فرزند کلاں صاحبؒ نے خواجہ اللہ بخشؒ کے سر پر دستار باندھ کر ان کو سجادۂ مشیخت پر بٹھا دیا۔ خواجہ اللہ بخشؒ مدت العمر اپنے دادا کی طرح روحانی اصلاح و تربیت کے کام میں سرگرم رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں چشتیہ سلسلہ کی رونق ان ہی کے دم سے تھی۔ وہ علم و عمل، لطف و کرم، زہد و اتقا کا مجسمہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کی بڑی خوبیوں سے نوازا تھا اور انھوں نے ان صلاحیتوں کو دم واپسیں تک سلسلہ کی نشر و اشاعت

میں استعمال کیا۔ غلام حسین نے ان کے متعلق سچ کہا ہے ؎

روشن از مہر جمالش برج دین
آفتاب آسماں فخر زمین

خواجہ اللہ بخشؒ، ماہ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء کو تونسہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مولوی محمد صالحؒ نے تاریخ کہی ؎ زہے بیدار بخت۔

جب تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہوئی تو خواجہ تونسویؒ نے مولوی محمد امین کے سپرد کر دیا۔ مولوی صاحب صاحبِ کمال عالم تھے۔ انھوں نے قرآن پاک کے علاوہ، فارسی نظم اور عربی صرف و نحو کی بھی تعلیم دی۔ پھر حدیث کا درس دیا۔ جب اس سے فارغ ہو گئے تو دادا نے سلوک و معرفت کی تعلیم کے لئے خود اپنے پاس بلا لیا۔

ابتدائی زمانہ میں خواجہ اللہ بخشؒ نہایت شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے، اچھے لباس کا شوق تھا۔ اچھی اچھی گھوڑیاں سواری میں رکھتے تھے۔ جب بڑے ہوئے تو ان سب چیزوں سے منہ پھیر لیا اور نہایت سادہ زندگی بسر کرنے لگے۔

خواجہ تونسویؒ نے نماز و روزے کا پابند تو بچپن ہی سے بنا دیا تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت کی طرف بھی دلچسپی بڑھتی گئی۔ مناقب المحبوبین میں حاجی نجم الدین صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صاحبزادہ صاحبؒ اکثر ہماری کوٹھری میں آکر کہا کرتے تھے: حاجی صاحبؒ ہمارے لئے دعا کرو۔ خواجہ تونسویؒ ان کے دینی جذبے سے بے حد خوش ہوتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں دلائل الخیرات عطا فرما کر کہا۔ اب مجھ سے یہ نہیں پڑھی جاتی اب تم پڑھا کرو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ شجروں پر میری طرف سے تم ہی دستخط کر دیا کرو۔ خواجہ اللہ بخشؒ نے اس ہدایت پر یہاں تک عمل کیا کہ خواجہ تونسویؒ کے وصال کے بعد بھی ان ہی کا نام شجروں میں لکھتے رہے ۔

خاکسار کے جد امجد مولوی فرید احمد صاحب مرحوم کے شجرہ پر تحریر فرماتے ہیں:

"الٰہی بکربت وغربت خاکراہ دردمنداں
سلیمان عاقبت، شیخ فرید بخش بخیر گرداں"

ہندوستان کا سفر

خواجہ تونسویؒ کے سجادہ پر بیٹھنے کے بعد خواجہ اللہ بخشؒ نے ہندوستان کا سفر کیا اور مشائخ سلسلہ کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ بیکانیر کی ایک مسجد میں تین چار دن تک قیام کیا اور کثیر تعداد میں لوگوں کو داخلِ سلسلہ کیا۔ نئے مریدوں کو ہدایت کی کہ نماز روزے کی پابندی کریں۔ راجہ سردار سنگھ والی بیکانیر نے حاضر خدمت ہونا چاہا فرمایا:

"با فقیریم از ملاقات ملایاں تراچہ
سود است دریں جا نیائی"

جب خواجہ صاحبؒ دہلی پہنچے تو بہادر شاہ ظفر نے خدمت میں حاضر ہونا چاہا خواجہ صاحبؒ، حضرت چراغ دہلیؒ کی درگاہ میں مقیم تھے۔ بہادر شاہ ملاقات کے لئے آئے تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ بہت منت سماجت کے بعد واپس آئے۔ بہادر شاہ نے شرفِ قدم بوسی حاصل کیا۔ اگلے دن خواجہ صاحب شاہ جہاں آباد تشریف لائے۔ وہاں امرا اور درباریوں نے کثیر تعداد میں اظہار عقیدت کیا۔ محلات کی بیگمیں مرید ہوئیں۔ بہادر شاہ نے بھی نذر پیش کی۔

تعمیر کا شوق

خواجہ اللہ بخشؒ کو تعمیر مکانات کا بڑا شوق تھا۔ خاتم سلیمانی کے مصنف کا اندازہ ہے کہ ان کی بنوائی ہوئی عمارات تقریباً نصف حصہ شہر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ فاربس نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے:

"ان میں (خواجہ اللہ بخشؒ) میں انتظام و تعمیر کے کام کی بڑی لیاقت تھی۔ انھوں نے لنگر خانے، سرائے، مکانات وغیرہ وغیرہ بنائے۔ جب کہ ان کے دادا کے پرانے خلفا کا انتقال ہو گیا تو انھوں نے کچے مکانات کو گرا دیا اور فراخ آستانہ درگاہ و مسجدیں بنائے اور ان کے اردگرد پختہ اینٹوں کے مدرسے اور درویشوں اور مولویوں کی رہائش کے لئے مکانات بنائے۔"

ان عمارات میں زیادہ تر مساجد، مدرسے، کنوئیں اور سرائیں تھیں اور ان کی تعمیر سے خواجہ صاحبؒ کا مقصد منسلکینِ خانوادہ اور دیگر زائرین کی سہولت کا سامان مہیا کرنا تھا۔

اخلاق

خواجہ اللہ بخشؒ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ انوار العارفین کے معاصر مصنف نے لکھا ہے:

"دریں زماں نبیرۂ ایشاں، خواجہ محمد سلیمان، میاں اللہ بخش بر مسند ارشاد نشستہ اند، طالبان را ارشاد می کنند و از آئندگان و روندگان آنجا معلوم گردید کہ کریم النفس و خوش اخلاق اند" لہ	آج کل ان کے (خواجہ محمد سلیمان کے) پوتے میاں اللہ بخش مسند ارشاد پر متمکن ہیں۔ اور طالبوں کو ہدایت و ارشاد فرماتے ہیں۔ وہاں آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ کریم النفس اور خوش اخلاق ہیں۔

خواہ دشمن ہو یا دوست، جو اُن سے ملتا ان کے اخلاق کا گہرا نقش دل پر لے کر اٹھتا۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ غریبوں اور بے کسوں کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا:

"در نظر خواجہ اللہ بخش صاحبؒ اہل دنیا را بمقدار یک ذرہ ہم وقعت و قدر نبود و بسیار غریب نواز بودہ اند دنیاداراں را بسیار حقیر و بے مقدار دانستہ، ہمچوں خواجہ اللہ بخش صاحبؒ ہیچ فقیر دیدہ و شنیدہ نشد" ٢ه	خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کی نظر میں اہل دنیا کی ذرہ برابر بھی وقعت اور قدر نہ تھی وہ بے حد غریب نواز تھے دنیا داروں کو بہت حقیر اور بے مقدار سمجھتے تھے اور اس معاملہ میں خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کے برابر کوئی فقیر دیکھا یا سنا نہیں گیا۔

لہ انوار العارفین۔ ص ۵۰، ۴ ٢ه ملفوظات طیبہ ص ۱۴۲

ہندو کثیر تعداد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے اخلاق سے متاثر ہوتے تھے۔ ایک ہندو آپ کی صحبت سے اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور آپ کی خدمت کرنے لگا۔ آپ نے اس کا نام غلام رسول رکھا۔ اس کے متعلق مصنف خاتم سلیمانی کا بیان ہے کہ وہ زہد و اتقا میں صوفیۂ وقت سے سبقت لے گیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد خواجہ صاحبؒ نے اس کو اسلامی تعلیم دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے تفسیر، حدیث اور فقہ میں مہارت پیدا کر لی حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ واپسی پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور خواجہ صاحبؒ کی خانقاہ میں بیٹھ کر دیگر اعلیٰ مریدین و خلفاء کی طرح درس میں مشغول رہنے لگا۔ لہ

اصلاحی کوششیں

خواجہ صاحبؒ نے مسلمانوں کے ہر طبقہ کی اصلاح و تربیت کی طرف توجہ کی۔ ان کے ملفوظات و حالات میں متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقہ علماء کی اصلاح پر خاص زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علماء کی اصلاح سے مسلم سوسائٹی کا بڑا طبقہ خود بخود صحیح راہ پر آ جائے گا۔ ایک مرتبہ ایک مسئلہ پر مختلف علماء نے مختلف فتوے دیئے اور گروہ بندی کے زیر اثر شریعت کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ خواجہ صاحبؒ کو علم ہوا تو بھری مجلس میں ان علماء کی مذمت کی۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اس وقت اپنے عقائد کی ترویج شروع کی اور اکثر علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنی جگہ بیٹھ کر نہایت سختی کے ساتھ ان فتنوں کی تردید کی اور کوشش کی کہ مسلمانوں کا مذہبی احساس اور وجدان ان گمراہ تحریکوں سے متاثر نہ ہو۔

سفرِ حج

خواجہ اللہ بخشؒ نے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ حج کیا تھا۔ تقریباً پچیس درویش اور دوسرے بزرگ رفیقِ سفر تھے۔ اس سفر کے حالات خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ملفوظات مرآت العاشقین میں درج ہیں۔

لہ خاتم سلیمانی۔ ص ۱۹۲ ٢ه خاتم سلیمانی۔ ص ۲۱۸ - ۲۱۹

خواجہ صاحبؒ کے خاندان کی ایک غیر معمولی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حفظ قرآن کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ چنانچہ اُن کے تینوں بیٹے حافظ تھے۔ بعد کو بھی اس روایت کو قائم رکھنے کا اہتمام کیا جاتا رہا۔

وصال خواجہ اللہ بخش ؒ نے ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۳ر ستمبر ۱۹۰۱ء کو وصال فرمایا۔ تاریخ ہے ـــــ

چراغِ جہاں بجھ گیا ہے

۱۳۱۹ھ

اولاد خواجہ صاحبؒ کے تین فرزند تھے۔

(۱) حافظ محمد موسیٰ

(۲) حافظ احمد

(۳) حافظ محمود

حافظ احمد کا انتقال خواجہ صاحبؒ کی زندگی میں ہوگیا تھا۔ ان کی موت عین جوانی میں ہوئی تھی۔ خواجہ صاحبؒ اس صدمہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ فرمایا کرتے تھے "احمد نے مجھے جینے کا نہیں چھوڑا"۔

خواجہ اللہ بخشؒ کے سجادہ پر اُن کے بیٹے حافظ محمد موسیٰ بیٹھے۔ وہ نہایت کم گو، منکسر مزاج بزرگ تھے ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء کو وصال فرمایا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد حامدؒ مسند نشین ہوئے۔ ان کے زمانہ میں خانقاہی لنگر کے لئے برف کا کارخانہ اور آٹا پیسنے کی مشین لگوائی گئی۔ ۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء کو وصال فرمایا۔ ان کے بعد حافظ سدید الدین صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حالات حاضرہ سے باخبر اور اصلاحی کاموں میں منہمک۔ خاکسار مصنف نے جب تاریخ مشائخ چشت کی ترتیب کا کام شروع کیا تو انھوں نے غیر معمولی ہمت افزائی کی۔ ۱۳ر شوال ۱۳۷۹ھ (مطابق ۱۱ر اپریل ۱۹۶۰ء) کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ چونکہ لاولد تھے اس لئے حقیقی بھائی خواجہ خان محمد صاحب سجادہ نشین قرار پائے۔ وہ مسلک مشائخ کے پابند اور دینی کاموں میں دلچسپی

لینے والے بزرگ تھے۔ ۴ر مئی ۱۹۰۹ء کو انتقال فرمایا اور ان کے صاحبزادے خواجہ عطاء اللہ صاحب مسند سلیمانیہ پر بٹھائے گئے۔

خواجہ اللہ بخشؒ کے دوسرے بیٹے حافظ محمد محمود بڑے عالم فاضل بزرگ تھے۔ عربی، فارسی، اردو، پشتو، بلوچی وغیرہ زبانوں پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مثنوی کا درس خاص انداز میں دیتے تھے۔ حافظ صاحبؒ نے ۱۵ر ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو وصال فرمایا۔ ان کے جانشین خواجہ حافظ نظام الدین صاحبؒ ہوئے۔ ان سے سلسلہ نظامیہ کا فیض پھیلا۔ وہ زہد و تقویٰ میں مشہور اور سلسلہ کی روایات پر سختی سے عامل تھے۔

خلفاء خواجہ اللہ بخشؒ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) حافظ محمد موسیٰؒ

(۲) حافظ محمودؒ

(۳) شاہ محمد عبد الصمد فخری دہلویؒ

(۴) سید احمد شاہ عرف کمبل پوش دہلویؒ

(۵) امیر احمد بساویؒ

(۶) میاں حافظ حبیب اللہ عرف حافظ بولاؒ

(۷) مولوی احمد خاں بیرویؒ

(۸) مولوی شرف الدین فیروزپوریؒ

(۹) خلیفہ غلام حسن خاںؒ

(۱۰) مولوی جان محمدؒ

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مریدین میں مولانا غلام احمد بریاں نے خاص طور پر تصوف کی خدمت انجام دی۔ ان کو تصوف سے بے حد دلچسپی تھی۔ بزرگوں کے حالات اور ملفوظات کی اشاعت میں جو کوشش انھوں نے کی، اس کی مثال ملنی مشکل ہے "ملفوظات خواجگان چشت"، فوائد الفواد، خیر المجالس، کشکول، اخبار الاخیار، اصول السماع وغیرہ کتابوں کو انھوں نے ترجمہ کر کے اپنے مسلم پریس دہلی سے شائع کیا۔ اور

اس طرح بہت سی ایسی کتابوں کو محفوظ کر دیا جو اگر اس وقت طبع نہ ہوتیں، تو ضایع ہو جاتیں۔

خواجہ محمد اکبر بصیر پوریؒ

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے خلفاء میں خواجہ محمد اکبر بصیر پوریؒ بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وہ ۹ شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۵۲ء کو بصیر پور ضلع ساہیوال (پاکستان) میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم لکھنؤ میں مولانا عبدالحیؒ اور کانپور میں مولانا احمد حسنؒ سے حاصل کی اور علی گڑھ میں استاد العلماء مولانا لطف اللہؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بصیر پور میں ایک مدرسہ قایم کیا اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ مثنوی کا درس بڑے ذوق شوق سے دیتے تھے۔ عشقِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ دونوں سے بہرہ یاب تھے۔ اُن کے تصنیف کئے ہوئے چودہ رسائل کے نام صاحبزادہ معین الحق نے ذکر اکبر میں درج کئے ہیں ___ تحفۃ النبی، تحفۂ محمدی، ثمرۃ الحیات، القول السدید فی اثبات تقلید وغیرہ۔ مریدین کی تعداد کافی تھی، درس اور تقریر میں بڑی دل کشی تھی۔ اتباعِ شریعت کا اتنا اہتمام تھا کہ بصیر پور کے جاگیرداروں شہامد خاں، مہمند خاں، جہانگیر خاں کی نذر اس بنا پر قبول نہ فرمائی کہ انھوں نے اپنے مال پر زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء کو وصال فرمایا۔ چونکہ لاولد تھے اس لئے چچازاد بھائی خواجہ محمد سعد اللہ سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی خواجہ اللہ بخشؒ سے بیعت تھے۔ ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۶ء کو ان کا انتقال ہوا۔ اب اُن کے بیٹے خواجہ محمد ظہور اللہ سجادہ نشین ہیں اور بزرگوں کی روایات کو قایم رکھنے میں کوشاں ہیں۔ اُن کے صاحبزادہ محمد معین الحق سعادت مند ہیں اور احوالِ بزرگان سے دلچسپی رکھتے ہیں۔[۱]

مولوی عبدالحق خیر آبادیؒ

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مریدین میں ایک نہایت معروف شخصیت مولوی عبدالحق خیر آبادیؒ کی تھی۔ خیر آباد میں سلسلہ سلیمانیہ حافظ محمد علی خیر آبادیؒ کے ذریعہ پھیلا تھا۔ مولوی عبدالحقؒ کے والد ماجد مولانا فضل حقؒ اُن کے درس میں شریک ہوئے تھے اور شیخ اکبرؒ کی فصوص الحکم کا درس لیا تھا۔ لیکن حافظ صاحبؒ ان کی معقولات میں دلچسپی اور فلسفہ میں انہماک کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔[۱]

مولوی عبدالحقؒ نے اپنے والد ماجد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ اور علوم عقلیہ میں غیر معمولی استعداد پیدا کر لی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں باپ کے ساتھ دہلی تھے، اس وقت اُنکی تقریباً ۳۰، ۲۹ سال تھی۔ (سنہ پیدائش ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء) مولانا فضل حقؒ کے جزیرہ انڈمان چلے جانے کے بعد کچھ عرصہ پریشانی میں گذرا۔ ٹونک، کلکتہ، حیدر آباد، رام پور میں بہ سلسلہ ملازمت قیام رہا۔ رام پور کی فضا، بالخصوص نواب کلب علی خاں کی قدردانی کے باعث وہاں زیادہ قیام رہا۔ وائسرائے کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ "باپ کو کالے پانی کیا اور بیٹے کی خطاب سے اشک شوئی کی"۔ ان کی تصانیف اُن کے تبحر علمی کی شاہد ہیں۔ بالخصوص حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ غلام یحییٰ، حاشیہ حمد اللہ، حاشیہ میرزا ہد امور عامہ، شرح ہدایۃ الحکمت شرح مسلم الثبوت، شرح کافیہ، شرح سلاسل الکلام، جواہر غالیہ، رسالہ تحقیق تلازم ___ یہ سب کتابیں، فلسفہ، حکمت اور علم کلام سے متعلق ہیں۔ خیر آباد کے جس علمی خانوادے سے وہ تعلق رکھتے تھے وہ فلسفہ و کلام کا شوقین تھا اور اس فن میں تمام ملک میں غیر معمولی امتیاز رکھتا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ ان کے فلسفی ذہن کو اماں ملی تو خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے دامن تربیت میں۔ کہا جاتا ہے کہ آخر عمر میں خواجہ تونسویؒ کے زیر اثر تصوف کی طرف توجہ ہو گئی تھی۔ ریاض خیر آبادی نے اپنے ایک مضمون میں جو ریاض الاخبار میں شایع

---

[۱] ذکر اکبر مرتبہ محمد معین الحق، بصیر پور، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

---

[۱] مناقب حافظیہ ص ۹۴؛

[۲] حالات کے لئے دیکھئے، تذکرہ کاملان رام پور، دہلی ۱۹۲۹ء ص ۲۰۱-۱۹۹؛ باغی ہندوستان (الثورۃ الہندیہ) لاہور ۱۹۴۷ء ص ۱۸۳-۱۹۷، ص ۲۶۰-۱۳۶ فہرست تلامذہ)؛ تذکرہ علماء ہند اردو ترجمہ محمد ایوب قادری ص ۲۸۰، ۲۷۹

ہوا تھا اُن کے "نورانی چہرہ، خندہ رُوئی، زندہ دلی، علمی سراپا، رعب کمال، شان ادب اور فضل وجلال" کی تعریف کی ہے۔

مولانا عبدالحق رحؒ کی وضع داری اور نازک مزاجی مشہور تھی۔ حافظ احمد علی خاں شوق نے لکھا ہے کہ اپنی وضع کے سخت پابند تھے۔ جب قدیمی وضع میں تغیر کرنے کا موقع آتا تو ترک تعلق کر دیتے تھے "نواب کلب علی خاں کے بعد رام پور چھوڑ کر خیرآباد چلے گئے تھے۔ بعد کو نواب حامد علی خاں کے اصرار پر رام پور آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزی لباس اور طرز سے سخت متنفر تھے۔[1]

۲۳ر شوال ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء کو وصال فرمایا اور احاطہ درگاہ مخدوم شیخ سعد میں اپنے دادا مولانا فضل امام رحؒ کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔ ریاض خیرآبادی نے اُن کے انتقال پر لکھا تھا

"سچ پوچھئے تو شمس العلماء مولوی عبدالحق کے ساتھ تمام زندہ نام علماء آج تہ خاک ہو گئے۔ ایک ذات واحد میں ایسے کمالاتِ غریبہ اور اوصاف عجیبہ کا جمع ہو جانا مرحوم مولانا کی ذات بابرکات کے ساتھ گیا۔"

منشی امیر احمد مینائی نے تاریخ کہی

شمس العلماء ز ظلمتِ دھر
چوں تیر ز ابر تیرہ برجست
بر لوح مزار او تیر بنویس
آرام گہ امام وقت است

۱۳۱۶ھ

مولوی عبدالحق رحؒ کا حضرت خواجہ تونسوی رحؒ سے تعلق بیعت، خواجہ صاحب رحؒ کی غیر معمولی روحانی کشش کا آئینہ دار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مدت تک ہندوستان کے علماء اور صوفیہ

[1] تذکرہ کاملان رامپور ص ۱۹۹، ۲۰۰

تونسہ کے آستانۂ فیض پر حاضر ہوتے رہے اور عارف وعامی سب کو وہاں ذہنی سکون اور روحانی مسرت حاصل ہوتی رہی۔

مولوی ارشاد علی صاحبؒ فریدی اور مولوی فرید احمد صاحب

خاکسار راقم الحروف کے دادا جناب مولوی فرید احمد صاحب مرحوم اور پر دادا مولوی ارشاد علی صاحب امروہی مرحوم حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحؒ کے مریدینِ خاص میں تھے۔ اور انھوں نے اپنے مخصوص اور محدود دائرے میں رہ کر سلسلہ کی روایات کی نشر واشاعت کے لئے پرخلوص جدوجہد کی تھی۔

مولوی ارشاد علی صاحب رحؒ یکم اگست ۱۸۲۵ء/۱۲۴۱ھ کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہویں پشت میں سلسلۂ نسب حضرت بابا فرید گنج شکر رحؒ سے جا ملتا ہے۔ مولانا حاجی محمد مہدی صاحب رحؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ حاجی صاحب موئی (ضلع بریلی) کے رہنے والے اور اپنے عہد کے جید عالم تھے۔ دربارِ مغلیہ میں ان کی بڑی قدر تھی۔ اکبر شاہ ثانی نے فصیح الشعراء اور ملک العلماء کے خطابات دیئے تھے۔ حاجی صاحب رحؒ نے بریلی سے امروہہ کا سفر خاص طور پر مولوی ارشاد علی صاحب رحؒ کی تعلیم کے لئے کیا اور بہت جلد ان کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

مولوی ارشاد علی صاحب رحؒ کے والد مولوی ابدال محمد صاحب مرحوم نے ان کے بچپن ہی میں سفر آخرت اختیار کیا اور مولوی ارشاد علی کو عسرت وتنگی میں دن گذارنے پڑے لیکن انھوں نے اس زمانہ میں بڑی محنت سے پڑھا۔ ابتدائی زمانہ میں انگریزوں سے نفرت تھی۔ ایک کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "در عہد نامسعود انگریز کہ ہنگام اشراف گردی است" اس کی کتابت ہوئی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد انگریزی ملازمت کرنے پر مجبور ہو گئے اور پنجاب چلے گئے جہاں عرصہ تک سرکاری ملازمتوں کے سلسلہ میں رہنا ہوا اس زمانہ کے مشہور انگریز حکام، سرجان لارنس، کرنل ہملٹن، کرنل فیرنگ ٹن وغیرہ کے ساتھ کام کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں وہ کرنل جی۔ ڈبلیو۔ ہملٹن کمشنر ملتان کے سررشتہ دار تھے۔ ہملٹن نے حکم دیا کہ پاک پٹن کی خانقاہ سے متعلق سب جاگیریں ضبط کر لی جائیں۔ مولوی ارشاد علی

صاحب نے اس حکم سے اختلاف کیا اور ہملٹن کو سمجھایا کہ پاک پٹن وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر تیمور نے بھی اپنی خون آشام تلوار نیام میں رکھ لی تھی۔ ہملٹن نے ان کے اصرار پر اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ مولوی ارشاد علی صاحب جب اپنی سرکاری ملازمت کا ذکر فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے اس طرف بھیجا تھا کہ میں بابا صاحبؒ کی درگاہ کی جاگیروں کی حفاظت کروں۔ صرف یہی ایک کام میری زندگی کا حاصل ہے۔ دیوان اللہ جوایا صاحب سجادہ درگاہ بابا فریدؒ سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مشائخ سلسلۂ چشت کی بعض اہم کتابیں جو مولوی ارشاد علی صاحب نے نقل کرائی تھیں ان کے مقابلہ و تصحیح کا کام حضرت دیوان صاحب نے خود انجام دیا تھا۔ مولوی ارشاد علی صاحب کے بہت عرصہ تک اولاد نہ ہوئی۔ کافی عرصہ بعد جب لڑکا پیدا ہوا تو حضرت اللہ جوایا صاحبؒ نے فرید بخش نام تجویز کیا۔ ارشاد علی صاحب نے فرید بخش کی جگہ فرید احمد نام رکھا۔ اور اس تبدیلی کی وجہ یہ بتائی کہ بخش سے شرک کی بو آتی ہے۔

مولوی ارشاد علی صاحب کو دینی لٹریچر بالخصوص تصوف کی کتابوں سے خاص دلچسپی تھی۔ انھوں نے زرِ کثیر صرف کر کے اپنا قلمی کتب خانہ جمع کیا تھا۔ آج اس کا عشر عشیر خاکسار کے پاس ہے، بیشتر حصہ ضایع ہو چکا۔ اگر یہ کتب خانہ باقی رہتا تو ہندوستان میں مشرقی علوم کے چند مخصوص کتب خانوں میں اس کا شمار ہوتا۔ مولوی ارشاد علی صاؔ کے علمی ذوق کی شاہد چند تصانیف بھی ہیں۔ جن میں تین شایع ہو چکی ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ہیں۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ کی چند مثنویاں انھوں نے شایع کیں۔ پھر سنہ ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء میں دو کتابیں بشیر المدایح اور بشیر النصایح لاہور سے شایع ہوئیں۔ انشاء ارشاد فرہنگ ارشاد کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء میں مولوی ارشاد علی صاحب نے اپنے وطن امروہہ میں وصال فرمایا اور پیر شاہ ابن صاحبؒ کے احاطۂ مزار میں سپرد خاک کئے گئے۔ سر شیخ عبدالقادر نے جو ان دنوں انگریزی اخبار Observer نکالتے تھے ان کے انتقال پر اپنے رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان کی خدمات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے

کہ "اہل کاروں کی وہ نسل اب ختم ہو رہی ہے جس نے حاکم و محکوم کے درمیان حقیقی ترجمان کی خدمت انجام دی تھی۔ ان کی زندگی یکسر فرض شناسی اور فیض رسانی کی زندگی تھی"۔[1] خواجہ اللہ بخش تونسوی کے ایک خط کا عکس یہاں شامل ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس طرح ان کو مخاطب فرماتے تھے اور اُن کا کتنا خیال کرتے تھے۔

مولوی ارشاد علی صاحب کے تین فرزند تھے۔ مولوی فرید احمد مرحوم مولوی فضل احمد مرحوم اور مولوی شریف احمد مرحوم۔ اول الذکر حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رح سے بیعت تھے۔ مولوی فضل احمد مرحوم، مولانا محمد حسن امروہوی رح کے حلقہ مریدین میں شامل تھے۔ ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

جناب مولوی فرید احمد صاحب مرحوم بشعبان ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں بمقام امروہہ پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد لاہور چلے گئے اور وہاں گورنمنٹ کالج میں بی اے تک پڑھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو اپنے بڑے لڑکے جناب قبلہ مولوی عزیز احمد صاحب نظامی وکیل (خاکسار کے والد ماجد) کے پاس میرٹھ میں قیام کر لیا اور وہیں ۲۲ر نومبر ۱۹۴۲ء کو داعی

---

[1] The Punjab Observer, Wednesday December 26, 1900.

[2] دادا مرحوم کے وصال کے ۱۶ سال بعد ۱۵ر مارچ ۱۹۵۸ء کو والد ماجد نے اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرمایا اور دادا مرحوم کے قریب ہی قبرستان شاہ ولایت رح میں ابدی نیند سو گئے۔ ان کی زندگی بھی قومی درد اور خدمت خلق کی زندگی تھی۔ فیض عام کالج کے سیکریٹری کی حیثیت سے تعلیمی کاموں میں نمایاں حصہ لیا تھا اور اس ادارہ کی فلاح و بہبود و ترقی کے لئے بڑے ناساعد حالات میں جد و جہد کی تھی۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

اجل کو لبیک کہا اور قبرستان شاہ ولایت رح میں سپرد خاک کئے گئے۔

یہ مختصر سا خاکہ ہے ایک ایسے شخص کی زندگی کا جسے اللہ نے علم و عمل کی بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جس کے احسانات کی گرانباری آج بھی دل محسوس کر رہا ہے۔

مولوی فرید احمد صاحب نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو حضرت خواجہ اللہ بخش رح تونسوی رح اور حضرت اللہ جوایا صاحب رح کی گود میں پایا۔ جوان ہوئے تو دیکھا کہ امروہہ کے گلشن علم میں بہار آ رہی ہے، ایک طرف حضرت مولانا احمد حسن صاحب رح کا ہنگامۂ درس و تدریس برپا ہے۔ تو دوسری طرف حضرت مولانا محمد حسن صاحب رح کے علمی فیوض جاری ہیں۔ تیسری طرف نواب وقار الملک قومی تعلیم و ترقی کے لئے بے چین اور سرگرداں نظر آ رہے ہیں۔ اس پورے ماحول نے ان کے ذہنی نشو و نما پر گہرا اثر ڈالا۔ خواجہ اللہ بخش رح اور حضرت اللہ جوایا رح سے ان کو تصوف کا شوق ملا، مولانا احمد حسن رح سے قرآن و حدیث کے مطالعہ کا ذوق حاصل ہوا، مولانا محمد حسن رح سے مذاہب عالم کے مطالعہ کی لگن اور وقار الملک کی صحبت سے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کا احساس۔[1]

علمی اعتبار سے مولوی فرید احمد صاحب کی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اپنا قصر علم مشرق و مغرب کے سنگم پر تعمیر کیا تھا۔ اگر ایک طرف دینی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے تو دوسری طرف مغرب کے علمی اور تحقیقی رجحانات سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ انگلستان اور امریکہ کے بعض اعلیٰ علمی رسائل ۴۰، ۵۰ سال تک مطالعہ کرتے رہے تھے۔ ان کے

---

[1] نواب وقار الملک ان کے علمی ذوق اور قومی جذبہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اہم مسائل پر ان سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ ۱۴ر اپریل ۱۹۰۲ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "جناب مخدومی مولوی فرید احمد صاحب سلامت۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ یونیورسٹی کمیشن میں میں بھی گواہی ادا کرنا چاہتا ہوں اور لکھنا شروع بھی کر دیا ہے، ترجمہ بھی ہوتا جاتا ہے۔ کیا مہربانی سے آپ اس کام میں کچھ مدد فرما سکیں گے۔ اگر کچھ فرصت ہے تو مہربانی سے آج چار بجے تکلیف فرمائیے اور مشکور کیجئے۔ والسلام۔ خاکسار۔ مشتاق حسین"۔

کتب خانہ[1] میں ایک طرف عربی و فارسی کی قلمی کتابیں نظر آتی تھیں تو دوسری طرف انگلستان کی جدید ترین مطبوعات۔ مسلمانوں کی ابتدائی دینی تعلیم پر بڑا زور دیتے تھے۔ ملازمت کے دوران میں مرزا پور، جھانسی وغیرہ میں متعدد مدارس جاری کئے۔ قرآن مجید کے مطالعہ پر بے حد زور دیتے تھے۔ گھر کے بچوں کو ترجمہ سے پڑھاتے اور سمجھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ جس نے قرآن سمجھ کر نہ پڑھا وہ بہت بڑی نعمت سے محروم رہا۔

مولوی فرید احمد صاحبؒ خلوص اور سچائی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ قومی معاملات میں ان کی دلچسپی کا یہ حال تھا کہ تنخواہ کا بیشتر حصہ مدرسوں، انجمنوں، اخبارات اور غریب طلبا کو دے دیتے تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ظاہری وضع سے علمی تبحر کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جب کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کرتے تو ایسا محسوس ہوتا گویا ایک سمندر میں تموج پیدا ہو رہا ہے۔ مولوی بشیر الدین نے ان کی وفات پر لکھا تھا:

"مولوی فرید احمد صاحب مرحوم امروہہ کے ایک نہایت معزز خاندان کے بزرگ تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ علمی مشاغل میں صرف ہوا تھا۔ وہ نہایت اعلیٰ علمی مذاق رکھتے تھے۔ دوران ملازمت میں بھی ان کی علمی سرگرمیاں اور تعلیم سے دلچسپی برابر جاری رہی۔ مرزا پور، جھانسی میں متعدد مدارس ان کی پر خلوص کوششوں سے وجود میں آئے۔ وہ مستثنیٰ قابلیت کے انسان تھے۔ علوم مشرق و مغربی میں یکساں کمال حاصل تھا۔ اسلامی تصوف میں دستگاہ خاندانی ورثہ میں ملی تھی اور یورپین رشنلزم پر ان کی معلومات برسوں کے بغور مطالعہ کا نتیجہ تھی حقیقت

---

[1] انگلستان کے ایک مشہور رسالے Literary Guide & Rationalist Review نے ان کی وفات پر رنج کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تیس سال سے زیادہ تک اس رسالے کا وہ شوق سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔

یہ ہے کہ مذاہب عالم کا مطالعہ جس بالغ نظری کے ساتھ انھوں نے کیا تھا وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔"[1]

خاکسار راقم الحروف نے اپنی ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی، ان کے احسانات کے اظہار کا یہ موقع نہیں۔ اس کتاب میں اگر کچھ خوبیاں ہیں تو ان کے فیضِ صحبت کا اثر ہیں جو خامیاں ہیں وہ میری کوتاہی کا نتیجہ ہیں۔

---

[1] "البشیر" مرتبہ خان بہادر مولوی بشیر الدین 'اٹاوہ' ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۲ء، مقالات مدیر

ماخذ

انتمام حجت اسلام در شرح کتاب دانیال علیہ السلام :
مولانا سید محمد حسن امروہوی
پرنٹنگ کمپنی، اجمیر

آثار الصنادید : سرسید احمد خاں
سید الاخبار پریس، دہلی ١٨٤٦ء
سنٹرل بک ڈپو، دہلی ١٩٦٥ء

احسن الشمائل : ملفوظات وحالات شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ از خواجہ کامگار خاں
قلمی نسخہ: شیفتہ کلکشن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

احترام الاصفیا : حالات خواجہ محمد اسلم خیرآبادی از مولانا دین محمد
١٣٣٥ء

اخبار الاخیار : شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
مطبوعہ: مطبع مجتبائی، دہلی ١٣٠٩ھ
ترجمہ اردو: مسلم پریس دہلی ١٣٣٢ھ

اردوئے معلیٰ : خطوط غالب
مطبع مفید عام آگرہ ١٣١٢ء

استاد العلماء : نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی
علی گڑھ ١٩٣٦ء

السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ : مولانا اشرف علی تھانویؒ
کتب خانہ اشرفیہ، دہلی ١٣٥١ھ

الافاضات الیومیہ : مولانا اشرف علی تھانویؒ

المجالس الحسنیہ : ملفوظات شیخ محمد چشتیؒ
قلمی نسخہ: سرشاہ سلیمان کلکشن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر : شاہ ولی اللہ دہلویؒ
لاہور ١٨٨٣ء

آفتاب عالمتاب : مولانا سید محمد حسن امروہویؒ
مطبع عالمتاب، مطبع میر حسن رضوی، دہلی

اقبال نامہ : خطوط علامہ اقبالؒ مرتبہ شیخ عطا اللہ
٢ جلد لاہور ١٩٥١ء

اقتباس الانوار : محمد اکرم براسوی
مطبع اسلامیہ، لاہور ١٨٩٥ء

التصریح فی شرح التشریح الافلاک : امام الدین ابن لطف اللہ
قلمی نسخہ، کولمبیا یونیورسٹی، نیویارک D. E. Smith MS. Or. 20

القول المستحسن فی فخر الحسن : مولانا احسن الزماں حیدرآبادی
مطبع عزیز دکن، ١٣١٢ھ

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ : شاہ ولی اللہ دہلویؒ
مطبع احمدی، ١٣١١ھ

انفاس العارفین : شاہ ولی اللہ دہلویؒ
مطبع مجتبائی، دہلی ١٣٣٥ھ

انوار الرحمٰن : حالات و ملفوظات شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی از مولوی نوراللہ پھپھوندی

لکھنؤ ۱۳۸۶ھ

انوار العاشقین : مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی

حیدرآباد ۱۳۳۲ھ

انوار شمسیہ المسمیٰ بہ خطبہ چشتیہ : مولانا امیر بخش

مفید عام پریس، لاہور ۱۳۳۵ھ

بارہ ماسیہ نجم : حاجی نجم الدین

باغستان : امام الدین ریاضی

قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی

برکات الاولیاء : مولوی سید امام الدین بن مفتی سید عبدالفتاح

افضل المطابع، دہلی ۱۳۲۲ھ

بیج گنت ترجمہ وبیجا گنیتا : از عطاء اللہ رشدی

E. Strachey انگریزی ترجمہ

لندن ۱۸۱۳ء

بہادر شاہ کا روزنامچہ : بمبئی کے احسن الاخبار اور دہلی کے سراج الاخبار کا اردو ترجمہ،

مرتبہ خواجہ حسن نظامی

پانچواں ایڈیشن، دہلی ۱۹۳۵ء

بزم آخر : منشی فیاض الدین

رحمانی پریس، دہلی ۱۹۳۰ء

پیو ملانی : (قلمی نسخہ)

تاریخ شاکر خانی : (قلمی نسخہ)

تاریخ فیروز شاہی : ضیاء الدین برنی مرتبہ سرسید احمد خاں

کلکتہ ۱۸۶۲ء

تاریخ ہند : مولوی ذکاء اللہ دہلوی

دس جلدیں۔ مطبع علی گڑھ انسٹیٹیوٹ ۱۹۱۷ء

تاریخی مقالات : خلیق احمد نظامی

دہلی ۱۹۶۶ء

تذکرہ اولیائے دکن : عبدالجبار خاں مطبع رحمانی، حیدرآباد

تذکرہ علمائے ہند : مولوی رحمان علی

نول کشور ۱۹۱۴ء

مترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

تذکرہ بسمل : حالات مولانا انوار الرحمٰن بسمل مرتبہ مولوی مصباح الرحمٰن

راجستان بک ڈپو، جے پور

تذکرہ کاملان رامپور : حافظ احمد علی خاں شوق

ہمدرد پریس ۱۹۲۹ء

تذکرہ گلشن بے خار : نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ

نول کشور، ۱۸۷۴ء

ترجمان القرآن : مولانا ابوالکلام آزادؒ

جلد اول، لاہور ۱۹۴۷ء

ترجمہ فیصلہ مقدمہ دیوانی : منفصلہ ایچ۔ ایف۔ فاربس ڈسٹرکٹ جج ملتان مقدمہ نمبر ۱۰۹

(۱۹۱۱ء) خواجہ حامد و محمود

یونین پرنٹنگ ورکس لودھیانہ ۱۹۱۳ء

ترجمہ فیصلہ عدالت چیف کورٹ بمقدمہ تونسہ شریف

گلزار محمدی سٹیم پریس، لاہور

تفسیر فتح العزیز : شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

فارسی مطبوعہ، مطبع مجتبائی ۱۳۲۸ء

اردو ترجمہ: از محمد حسن خاں، مطبع مجتبائی لکھنؤ ۱۳۶۱ھ

تفسیر حضرت شاہی الاسرار فی مکاشفات الاخبار: مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع میر حسن دہلوی ۱۲۹۵ھ

تفہیمات الٰہیہ: شاہ ولی اللہ دہلویؒ

دہلی ۱۹۰۶ء

تقریب التحریر: خیر اللہ

قلمی نسخہ، بانکی پور [۱۰۵۸]

تقریر التحریر: خیر اللہ

قلمی نسخہ، انڈیا آفس لائبریری

تقصار جیود الاحرار من تذکرہ جنود الابرار: نواب صدیق حسن خاں

بھوپال ۱۲۹۸ھ

تکملہ سیر الاولیاء: خواجہ گل محمد احمد پوریؒ

قلمی نسخہ: ذاتی

مطبوعہ نسخہ: مطبع رضوی، دہلی ۱۳۱۲ھ

تلخیص التواریخ ملقب بہ مفرح دلکشا معتدل: حکیم سید محمد حسن امروہویؒ

مطبع مطلع العلوم، اخبار نیر اعظم، مراد آباد

تنبیہ الضالین وہدایۃ الصالحین: (فتاویٰ جو علماء مکہ اور شاہ محمد اسحاقؒ نے بعض غلط نظریات کی تردید میں دیئے تھے۔)

مطبع سید الاخبار، دہلی ۱۲۶۴ھ

جواہر فریدی: علی اصغر چشتی

قلمی: ذاتی

مطبوعہ فارسی: وکٹوریہ پریس، لاہور ۱۳۰۱ھ

اردو ترجمہ: کریمی پریس، لاہور

جوامع الکلم: ملفوظات سید محمد گیسو درازؒ مرتبہ سید محمد اکبر حسینیؒ

مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج، حیدر آباد

حاشیہ بر شرح بست باب در معرفت اسطرلاب: خیر اللہ

قلمی، بانکی پور (۱۰۴۵)

حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ دہلویؒ

عربی: بہ تصحیح محمد احسن نانوتوی، بریلی ۱۲۸۶ھ

اردو ترجمہ: آیات اللہ الکاملہ، مولوی خلیل احمد، مطبع اسلامی، لاہور

عربی متن اور اردو ترجمہ: حمایت الاسلام پریس، لاہور ۱۳۲۳ھ

حدائق الحنفیہ: مولوی فقیر محمد جہلمی

نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۶ء

مرتبہ خورشید احمد خاں، لاہور

حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

جید پریس، دہلی

حقانیت اسلام: مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع رضوی، دہلی ۱۳۰۳ھ

حیات ولی: سوانح شاہ ولی اللہ دہلویؒ از مولوی محمد رحیم بخش

افضل المطابع، دہلی

حیات جاوید: سوانح سر سید احمد خاں از مولانا الطاف حسین حالی

مطبع رعد، کانپور ۱۹۲۲ء

حیوٰۃ العلماء: حالات علماء سہسوان از سید محمد عبد الباقی

نول کشور، لکھنؤ ۱۹۲۲ء

خاتم سلیمانی: حالات و ملفوظات خواجہ سلیمان تونسویؒ از مولوی اللہ بخش بلوچی

خادم التعلیم اسٹیم پریس، لاہور ۱۳۲۵ھ

خاتم سلیمانی : سوانح شاہ محمد سلیمان پھلواروی، مرتبہ سید شاہ غلام حسنین
قومی پریس، پٹنہ ۱۹۳۶ء

خاتمہ مرآۃ احمدی : مرزا محمد حسن
کلکتہ ۱۹۳۰ء

خزینۃ الاصفیاء : مولانا غلام سرور
مطبع ثمر ہند، لکھنؤ ۱۸۶۲ء

خزینۃ الاعداد : عطاء اللہ رُشدی
قلمی نسخہ بمبئی یونیورسٹی (۱۰۰)

خلاصۃ الحساب : لُطف اللہ
قلمی، انڈیا آفس نیز رامپور

خلاصۃ الفوائد : ملفوظات خواجہ نور محمد مہاروی
قلمی، ذاتی

خلاصہ راز : عطاء اللہ رُشدی
قلمی، برٹش میوزم Rieu ii, 451a
نیز بانکی پور [ج ۷، ۱۶۳]

خیر المجالس : ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، مرتبہ حمید قلندر
فارسی: تصحیح خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۹ء
اردو ترجمہ: سراج المجالس، دہلی ۱۳۱۵ھ

دُرِّ نایاب : مولانا سید محمد حسن امروہوی
مطبع چراغ، اجمیر

دستور الانشار : یار محمد

دیوان بے نیاز : دیوان شاہ نیاز احمد بریلوی
مطبع قطب الاخبار ۱۲۶۵ھ

مطبع آگرہ اخبار آگرہ ۱۳۳۸ھ

دیوان بہادر شاہ ظفر (کلیات ظفر)، نولکشور پریس ۱۸۸۶ء

دیوان غازی الدین خاں نظام
مطبوعہ: حیدر آباد ۱۸۸۳ء
قلمی: برٹش میوزیم Rieu ii 719b

دیوان مہندس : لُطف اللہ: قلمی نسخہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ذکر حبیب : حالات و ملفوظات پیر سید حیدر شاہ جلال پوری، مرتبہ ملک محمد الدین
پنڈی بہاء الدین ۱۳۴۲ھ

ذکر میر : خود نوشت سوانح میر تقی میر، مرتبہ مولوی عبد الحق
انجمن ترقی اردو ہند، دہلی

ذکر جمیع اولیاء دہلی: حبیب اللہ اکبرآبادی
قلمی: برٹش میوزیم

رسالہ آگہی نامہ: مولانا سید محمد حسن امروہوی
مطبع چراغ، اجمیر

رسالہ احمد معمار: قلمی نسخہ، کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

رسالہ خواص اعداد: لُطف اللہ
قلمی: برٹش میوزیم

رسالہ عین الیقین: مولانا فخر الدین
مطبع احمدی، دہلی

روضۃ اقطاب : محمد بلاق چشتی
مطبع محب ہند، دہلی

روضۃ اولیاء : غلام علی آزاد بلگرامی
مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

اورنگ آباد ۱۳۱۰ھ

ریاض الفصحا : غلام ہمدانی مصحفی

انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۳۴ء

سبع سنابل : میر عبدالواحد بلگرامی

مطبع نظامی، کانپور ۱۲۹۹ھ

سحر حلال : لطف اللہ

قلمی : بمبئی یونیورسٹی

سراج السالکین :

عکسی قلمی نسخہ مملوکہ انعام الحق صاحب جے پور

سر دلبران : ملفوظات مولوی خدا بخش ملتانی

مطبع مجتبائی، لاہور ۱۲۹۶ھ

سفینۃ الاولیاء : داراشکوہ

لکھنؤ ۱۸۷۲ء

سلسلۃ الذہب : شجرہ خواجہ علی محمد شاہ، از محمد احتشام الدین

گیلانی پریس، لاہور

سلک السلوک : مولانا ضیاء الدین نخشبی

مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۳ھ

سوانح احمدی : محمد جعفر تھانیسری

بلالی اسٹیم پریس، سادھوڑہ، ضلع انبالہ

سواء السبیل : شاہ کلیم اللہ دہلوی رح

قلمی : ذاتی، نیز کتب خانہ رام پور ۳۴۵

سید احمد شہید : مولانا غلام رسول مہر

لاہور ۱۹۵۲ء

سیر الاولیاء : میر خورد کرمانی رح

فارسی : مطبع محب ہند، دہلی ۱۳۰۲ھ

اردو ترجمہ : غلام احمد بریاں، مسلم پریس دہلی ۱۳۲۰ھ

سیر المتاخرین : غلام حسین خاں طباطبائی، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۳۱۴ھ

سیر المنازل : مرزا سنگین بیگ، فارسی متن مع اردو ترجمہ، ڈاکٹر شریف حسین قاسمی دہلی ۱۹۸۲ء

سیرۃ فریدیہ : حالات نواب فریدالدین خاں از سرسید احمد خاں

مطبع مفید عام، آگرہ ۱۸۹۶ء

شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات : مرتبہ خلیق احمد نظامی

دوسرا ایڈیشن، دہلی ۱۹۶۹ء

شجرۃ الانوار : مولانا رحیم بخش فخری

قلمی نسخہ : ذاتی کتابت ۱۲۸۱ھ

شجرہ چشتیہ سلیمانیہ فخریہ : مولانا غلام فرید خاں چشتی

مطبع الٰہی، آگرہ

شرح القانون : شاہ کلیم اللہ دہلوی رح

قلمی : کتب خانہ رام پور ۴۸۶

شرح سکندر نامہ : خیر اللہ

مطبع شرف المطابع، دہلی ۱۲۶۸ھ

شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح

شمشیر خالصہ : گیانی سنگھ گیلانی و بابو راجندر سنگھ

صبح صادق : حالات فرماں روایان بہاول پور : از عزیز الرحمٰن عزیز

عزیز المطابع، بہاول پور ۱۹۴۳ء

صور صوفی : عبدالرحمٰن صوفی کی کتاب صور الکواکب کا فارسی ترجمہ از لطف اللہ

نسخہ بخط مصنف : کتب خانہ مسلم یونیورسٹی،

عشرۂ کاملہ : شاہ کلیم اللہ دہلویؒ

قلمی : ذاتی

علمائے سلف : نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شروانی

عنوان اول المسمیٰ بہ نفحات المحبوب

بلالی اسٹیم پریس، ساڈھورہ

غایت البرہان فی تاویل القرآن : حکیم سید محمد حسن امروہویؒ

مطبع ریاضی، امروہہ ۱۳۲۳ھ

غبار خاطر : مولانا ابوالکلام آزاد

شمع بک ڈپو۔ کراچی

غزلیات نجم الدین : (قلمی)

فتح الرحمٰن : شاہ ولی اللہ دہلویؒ

دہلی ۱۲۸۳ھ

فتوحات مکیہ : شیخ محی الدین ابن عربی

بولاق

فخر الحسن : شاہ فخر الدین دہلویؒ

قلمی : مسلم یونیورسٹی ذخیرہ عبدالحئی ۲۶۶/۲۳۷

نیز یونیورسٹی عربیہ ۳/۸۴ (۲) ٥

فخر الطالبین : ملفوظات و حالات شاہ فخر الدین دہلویؒ از سید نور الدین حسینی فخری

قلمی : ذاتی مکتوبہ ۱۳۰۰ھ

مطبوعہ : مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ

فصوص الحکم : شیخ محی الدین ابن عربیؒ

عربی : بیروت

عربی معہ اردو ترجمہ : مطبع احمدی، کانپور ۱۳۰۵ھ

فوائد الفواد : مرتبہ امیر حسن سجزی

مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۳۱۲ھ

قران القرآن : شاہ کلیم اللہ دہلویؒ

مطبع احباب، میرٹھ ۱۲۹۰ھ

قول الجمیل : شاہ ولی اللہ دہلویؒ : مع اردو ترجمہ : شفاء العلیل۔ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱ھ

کشف الاسرار : مولانا سید محمد حسن امروہویؒ

مطبع دار العلوم، میرٹھ

کشف المحجوب : شیخ علی ہجویری

مطبع پنجابی، لاہور

لاہور ۱۹۶۸ء

کشکول کلیمی : شاہ کلیم اللہ دہلویؒ

قلمی : ذاتی

مطبوعہ : مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

معہ اردو ترجمہ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

کلمات طیبات : مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مرزا مظہر جان جاناںؒ وغیرہ

مطبع نامی گرامی، مفید عام، آگرہ ۱۹۱۳ء

کواکب دریہ : مولانا محمد حسن امروہویؒ

سید المطابع، امروہہ

گلزار ابرار : محمد غوثی شطاری

قلمی : ذاتی

اردو ترجمہ : اذکار ابرار از فضل احمد

مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۳۶ھ

گلشن بے خار : نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ

نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۴ء

گنجینۂ اسرار انبیاء : حکیم محمد حسن امروہوی

(مطبع نامی اجمیر)

مآثر الامراء : شاہ نواز خاں

تین جلدیں کلکتہ ۹۲-۱۸۸۸ء

مآثر عالمگیری : ساقی مستعد خاں

کلکتہ ۰۳-۱۹۰۰ء

مآثر الکرام : مولانا غلام علی آزاد بلگرامی

مفید عام پریس، آگرہ ۱۹۱۰ء

مجالس کلیمی : محمد کامگار حسینی

قلمی : سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد ۶۹۳/۱۵۶

مطبوعہ : باہتمام سید محمد محسن

مطبع برہانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ

مجموعۂ نغز : حکیم قدرت اللہ قاسم، مرتبہ حافظ محمود شیرانی

لاہور ۱۹۳۳ء

مخزن الاخلاق : درگا داس

مطبوعہ

مخزن الشعراء : تذکرہ شعرائے گجرات مؤلفہ قاضی نور الدین فائق

مرتبہ مولوی عبد الحق، جامع پریس، دہلی ۱۹۳۳ء

مرقع دہلی : نواب ذو القدر درگاہ قلی خاں، مرتبہ حکیم سید مظفر حسین

تاج پریس، حیدرآباد

مرقع کلیمی : شاہ کلیم اللہ دہلویؒ

مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۲ھ

مسالک الابصار : انگریزی ترجمہ از آٹو اسپیس علی گڑھ

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا : مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

مشاہیر اسلام : خواجہ عباد اللہ افسر ۱۹۵۸ء لاہور

مطلوب الطالبین : محمد بلاق چشتی

قلمی : ذاتی

معراج رسول : مولانا سید محمد حسن امروہوی

مطبع دبدبہ محبوبی

ملفوظات طیبہ : ملفوظات پیر مہر علی شاہ گولڑوی

ملفوظات شاہ عبد العزیزؒ : شائع کردہ قاضی محمد بشیر الدین

مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ

مکتوبات کلیمی : مکتوبات شاہ کلیم اللہ دہلویؒ

مطبع یوسفی، دہلی ۱۳۰۱ھ

مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ

قلمی نسخہ : ذاتی

مناقب فریدی : احمد اختر مرزا

مطبع احمدی، دہلی ۱۳۱۴ھ

مناقب حافظیہ : حالات و ملفوظات حافظ محمد علی خیرآبادیؒ مرتبہ غلام محمد ہادی خاں

فارسی : مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۰ھ

اردو ترجمہ : مشاہرہ حافظی از منشی نذر محمد، نظامی پریس، لکھنؤ ۱۳۵۴ھ

مناقب فخریہ : غازی الدین خاں نظام، در حالات شاہ فخر الدین دہلویؒ

قلمی : مکتوبہ ۱۳۰۰ھ مملوکہ مصنف

مطبوعہ، دہلی ۱۳۱۵ھ

مناقب المحبوبین : حاجی نجم الدین

مطبع محمد حسن، رامپور ۱۲۸۹ھ

مطبع محمدی، لاہور ۱۳۱۲ھ

منتخب الحساب : لطف اللہ

قلمی : ذاتی

منتخب اللباب : خافی خاں، مطبع مظہر العجائب کلکتہ ۱۸۶۴ء

نافع السالکین : ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ از مولانا امام الدین

لاہور ۱۲۸۵ھ

نقش آزاد : مرتبہ غلام رسول مہر

کتاب منزل، لاہور

نظام القلوب : شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ

نظام العقائد : شاہ فخر الدین دہلویؒ

اردو ترجمہ موسومہ ظرف الفوائد

مطبع رضوی، دہلی ۱۳۱۲ھ

نظامی بنسری : سوانح عمری شیخ نظام الدین اولیاءؒ مرتبہ خواجہ حسن نظامی

دہلی ۱۹۲۵ء

نگینۂ حکمت در شرح فصوص الحکم حضرت شیخ اکبر : مولانا سید محمد حسن امروہوی

نول کشور، لکھنؤ

واقعات دار الحکومت دہلی : مولوی بشیر الدین احمد دہلوی

تین جلد، آگرہ ۱۹۱۹ء

وصیت نامہ : شاہ ولی اللہ دہلویؒ مطبع مسیحی کانپور ۱۲۷۳ھ

وقائع عالم شاہی : روزنامچہ پریم کشور فراقی، مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی

رامپور ۱۹۴۹ء

وقائع راجپوتانہ : بابو جوالہ سہائے ساکن بھرت پور

مفید عام پریس، آگرہ ۱۸۷۸ء

یادِ پیر : (منظوم) سوانح حضرت محمد شاہ ہوشیار پوری

از محمد عمر خاں

دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۳۰ء

ہمیشہ بہار : کشن چند اخلاص مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی

اردو سہ ماہی، اکتوبر ۱۹۶۷ء

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں : مولوی ابو الحسنات ندوی

وکیل بک ڈپو، امرتسر ۱۹۴۱ء

رسائل

البشیر، اٹاوہ

الندوہ، لکھنؤ

برہان، دہلی

معارف، اعظم گڑھ

منادی، دہلی

وکیل، امرتسر

الفرقان، بریلی، لکھنؤ

اشاریہ

شخصیات

ابدال محمدؒ، مولوی ۴۴۲،
ابراہیم خلیل اللہ، علیہ السلام حضرت، ۳۶۶،
ابراہیم ذوق، شیخ ۲۴۶،
ابراہیم کردیؒ، شیخ: ۲۲۹،
ابن حجرؒ، پیر شاہ ۴۴۳،
ابن تیمیہؒ ۲۰۱، ۲۱۲، ۲۱۳،
ابوبکر صدیقؓ حضرت، ۷۵، ۱۵۲
ابوبکر مولوی، ۲۷۷
ابوجہل ۲۶۶
ابوالخیر المعروف بہ خیر اللہ، ۷۹، ۸۷
ابوالرضا الہندیؒ، شیخ ۶۶، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱،
ابوسعید شاہؒ: ۵۲،
ابوالحسن لانگھوی ۳۸۲،
ابوالکلام آزاد، مولانا ۲۱۱،
اتم چند ۲۳۲،
اچھاؒ، شیخ ۹۳،
احسن اللہ بیان، خواجہ، ۲۴۳،
احمد بن حامد، شیخ ۷۵،
احمد الدین، صوفی ۴۲۲،
احمد بخش حمیدی، شیخ ۳۰۲،

احمد تونسویؒ، مولانا ۳۸۱،
احمد، حافظ ۴۴۰،
احمد، حاجی ۲۴۳،
احمد حسن مودودی، مولانا: ۱۴۵
احمد حسنؒ، مولانا ۴۴۵، ۰۰۰
احمد خاں، مولوی خواجہ ۲۸۱
احمد خاں میردی، مولوی ۴۴۱
احمد دودی والا، شیخ: ۲۵۴
احمد سعیدؒ، شاہ ۵۴
احمدؒ، سید (خلیفہ شاہ فخر الدینؒ) ۲۴۲،
احمد، سید مولانا ۲۴۱
احمد شاہ ابدالی، ۳۱، ۳۵، ۳۷، ۴۹،
احمد شاہ، بادشاہ ۴۳، ۶۴،
احمد شاہ عرف کمبل پوش دہلویؒ ۴۴۱
احمد شاہ مجذوب الٰہی ۳۸۲،
احمد صوفی (دیرہ شریف) ۳۸۳،
احمد علی خاں، سید نواب رامپور ۲۴۷،
احمد علی خاں سندیلوی: ۸۴،
احمد علی سہارنپوری، مولانا ۴۲۸
احمد علی شاہ آبادی، سید ۲۹۰
احمد علی، میاں (صاحبزادہ قاضی محمد عاقل) ۳۱۰، ۳۱۳،

احمد قوال، میاں ۳۴۷
احمد مدنی، شیخ ۳۸۱
احمد معمار ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۸۸
احمد، مولوی ۳۴۰،
احمد نان بائی، سید ۲۳۴
احمد یار خاں، محی الدولہ ۳۹۳
احمد یار، مولوی ۲۵۹
احمد یار، میاں ۴۱۹
اختیار خاں ۲۷۳، ۳۷۷
ارادت اللہ نقشبندی، شاہ، ۴۰۲
ارادت خاں ۶۲، ۲۹۶،
ارجن، گرو ۲۴، ۲۵
ارشاد علی فریدیؒ، مولوی، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴،
۴۴۴،
آزاد بلگرامی، مولانا ۵۵، ۶۳، ۱۶۳،
آزردہ ۵۴، ۵۵
اسپرنگر، ڈاکٹر ۸۲،
اسپیر، پروفیسر، ۴۳،
اسٹریچی ۸۱،
اسد اللہ بیگ بریلوی، مرزا ۲۹۰،
اسد خاں ۳۶۷، ۳۷۷،
اسد اللہ شاہ ۱۵۰،
اسد اللہ، مولوی ۲۵۹،
اسد اللہ، میاں ۱۱۴،
اسد الانصاری، حافظ، ۱۸۸،
اسلم، میاں ۱۰۳، ۳۸۸
اسمٰعیل، مولانا، ۴۳۳،
اشرف علی تھانویؒ، مولانا ۱۳۸،
اشرف علی، سید حکیم ۴۱۲،
اصالت خاں ۲۷۳،
آصف جاہ نظام الملک ۱۴۲، ۱۶۵
اعظم شاہ ۱۶۶، ۱۷۰
آفتاب پٹھان ۷۰
اقبالؒ علامہ ۹۱، ۳۲۹، ۴۲۷، ۴۳۰،
۴۳۱
اکبر، ۲۴، ۳۲، ۶۵، ۸۲، ۲۳۴،
اکبر الہ آبادی، ۴۲۷
اکبر شاہ ۴۳، ۲۴۶
اکبر شاہ ثانی ۸۰، ۲۳۵، ۲۴۵، ۳۰۸، ۴۴۲،
اکرام الحق شاہ ۲۹۳،
اکرام شاہ سید ۴۲۲،
آل رسول مارہرویؒ، شاہ، ۳۸۹،
الٰہ بخش، شاہ سید ۴۲۲،
اللہ بخشؒ ۲۶۲، ۳۳۲، ۳۳۹، ۳۴۰
اللہ بخش تونسویؒ، خواجہ ۴۲۱، ۴۲۷،
۴۳۲، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷،
۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱،
۴۴۲، ۴۴۴، ۴۴۵،
اللہ جوایاؒ، ۴۴۵،
اللہ غنی ۶۰،
الٰہی بخش سیکر، خان جی، ۴۱۲،
الٰہی بخش، مولوی ۳۴۰
الیاسؒ، مولانا محمد ۴۳۳،
امام الدین ڈھڈی، مولوی، ۳۸۱،

امام الدین دہلوی، حکیم
امام الدین ریاضی ۶۹، ۸۳، ۸۴، ۸۶،
امام الدین ساکن سرسہ ۴۱۲،
امام الدین، شیخ ۴۱۳،
امام الدین، مولوی ۴۱۲،
امام الدین، مولانا ۲۴۵،
امام الدین، مولوی (مصنف نافع السالکین)
۳۸۲،
امام الدین، میاں ۱۷۷، ۱۷۹،
امام شاہ، سید ۴۲۴،
امتیاز حسین، میاں ۳۹۹،
امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حاجی مولانا، ۴۲۸،
امرداس، گرو ۲۴، ۲۵
امیر احمد سالوی ۴۳۱،
امیر الدین بن فضل شاہ کشمیری، ۳۸۱
امیر کلو ۲۰۲
امین الدین ۲۳۹،
انعام الحق ۲۹۳،
آنند رام ۵۵،
آنند کشور، کنیز ۴۴،
انوار الحق دہلوی، مولوی، ۱۳۸،
انوار الحق، مولانا ۳۹۲،
انوار الرحمٰن بسمل، سید، ۲۹۲،
انور شاہ، سید، ۴۳۱،
اورنگ زیب، ۲۰، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۲،
۳۵، ۳۶، ۳۹، ۴۷، ۵۱، ۶۲، ۶۸،
۸۳، ۸۵، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۱۰۵، ۱۱۴،
۱۵۱،
ایبک ۱۸۳
التمش ۱۸۳
باجی راؤ ۲۹
باراں، میاں ۳۳۴،
بارکر، جنرل ۳۷
باقر محتسب مرزا ۹۳
باقی باللہؒ، خواجہ ۸۹
بالاجی وشوناتھ ۲۹
بایزید بسطامیؒ، شیخ ۳۵۰، ۳۵۱،
بختاور، حاجی ۳۸۱،
بخش اللہ بیگ، مرزا ۲۴۸،
بخش اللہ شاہ آبادی ۲۹۰،
بدر الدین سلیمانؒ، شیخ ۲۶۹،
بدر الدینؒ، مولانا ۳۸۱،
بدھن، شیخ ۱۵۰،
بدیع الدینؒ، سید ۲۴۲، ۲۴۴
بدیع الدینؒ شیخ (عرف شیخ مداری ناگوری) ۱۳۹،
بدیع الدین، میر ۱۹۹،
بدیع الزماں ۴۲۷،
برج لال، لالہ ۵۹،
برخوردار جی، حافظ ۲۵۵، ۲۵۷
برخوردار، حاجی ۳۸۱،
برخوردار خاں چاچی ۳۴۲،
برہان الدین غریبؒ، شیخ ۱۵۶، ۱۶۹،
برہان الدین المعروف شیخ بہلولؒ، ۸۸،
بشیر الدین، مولوی ۲۲۵، ۳۱۴، ۴۴۶،
بصیر، حافظ ۸۹،
بلال حبشیؓ، حضرت ۲۶۶،

بلبن (غیاث الدین بلبن)، ۱۳۱،
بلند خاں ۲۰۸،
بسنڈادیو ۳۲،
بہادر شاہ، ۴۲، ۵۰، ۶۲، ۶۳، ۶۸،
بہادر شاہ ظفر، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۴،
۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۵، ۲۴۶،
۳۰۸، ۳۹۴، ۴۳۷،
بہاء الدین زکریاؒ، شیخ، ۱۰۹، ۱۵۰، ۳۱۷،
۳۱۸، ۳۷۰،
بہاء الدین عاملی، ۸۲، ۸۵،
بھاسکر آچاریہ، ۸۰
بھاول خاں اول، ۲۵۴، ۳۳۸، ۳۶۴،
۳۷۵،
بھاول خاں ثانی، نواب، ۲۷۶، ۳۹۴، ۳۹۵
بھاول خاں ثالث، ۳۷۶،
بھگوان داس، ۲۴،
بہلولؒ، شیخ، ۸۴
بھوپال سنگھ، راجہ، ۴۱۵،
بی بی صاحبہ، حضرت، ۳۸۷،
بینی پرشاد، ڈاکٹر ۲۵،
پردل خاں ۳۷۸،
پریم کشور فراقی، کنور، ۵۶،
پوران، حضرت ۴۱۵
پیارا، جنیا مودی ۳۴۴، ۳۴۵،
پیرا (خاکروب)، ۲۰۴،
پیر بخش، میاں ۴۲۲،
پیر بیگھ ۴۴۹،
پیر قصاب، شیخ ۴۱۳،
پیر محمد، میاں ۲۰۵،
تاج الدین سرور ۲۶۹،
تاج سرور ۲۶۹،
تاج محمود ۲۶۳، ۳۱۰، ۳۱۳،
تاراچند، ڈاکٹر ۲۵،
تانتیا ٹوپے ۲۶،
تراب علی، حافظ ۳۸۷،
تفتازانی ۸۴،
تقی، محمد ۳۸۲،
تلوک چند، لالہ، ۵۹،
توشاہ صاحب ۲۷۴،
تھارو، شیخ مخدوم ۱۴۹،
تیغ بہادر، گرو، ۲۶
تیمور ۴۴۳
ٹیک چند ۵۵
جادوناتھ سرکار، سر ۲۱، ۲۵، ۲۶، ۳۱، ۳۲،
۳۳،
جارج فاسٹر ۳۴،
جاراللہ، حافظ ۳۳،
جامیؒ، مولانا ۱۱۴، ۳۲۰، ۳۹۲،
جانکی داس، منشی ۲۷۴،
جان لارنس، سر ۴۴۲،
جان محمد، مولوی ۴۴۱
جان محمد خاں اخون، ملا، ۲۹۰،
جعفر، میر ۳۷،
جگل کشور ۳۲، ۴۴،
جلال، سید ۳۳۳،
جلال الدین، مولانا شاہ، ۱۳۹

جلال الدین، میر ۲۴۶،
جلیل قادری، شاہ ۱۵۰،
جمال الدین جے پوریؒ، شاہ ۱۳۹،
جمال الدین، حافظ، ۳۸۷،
جمال الدین ملتانیؒ، شیخ ۲۷۴،
جمال الدین، مولانا ۲۴۱، ۲۴۷،
جمال چشتی فیروزپوری، شیخ ۲۷۳،
جمال ملتانیؒ، حافظ ۹۱
جمعہ شاہ، سید ۴۲۳
جنڈوڈا شاہ، سید ۴۲۲
جہاندار شاہ ۶۳
جہانگیر بادشاہ ۲۵
جے سنگھ، راجہ ۲۹، ۸۷
جیو حافظ ۲۲۹،
جیون، ملا ۸۴
چاک، گرو ۲۴
چراغ الدین، حاجی ۳۴۲
چندر لال، راجہ ۳۹۶
چندو وہ، مولوی ۳۱۳
چندولال، راجہ ۵۹
چھٹہ کسب دار، میاں ۴۲۰
چھیدا میاں (سید محمد مشتاق) ۳۸۴
حاجی لعل صاحب ۲۴۱، ۲۴۸،
حاجی میاں صاحب ۲۴۰، ۲۴۱،
حافظ شیرازی، ۱۶۰
حامد استاد ۱۷۹،
حامد، خواجہؒ (بن شاہ کلیم اللہ) ۱۴۷،
حامد، مولوی ۳۲۵، ۳۳۹
حبیب اللہ شاہ ۳۸۲،
حبیب اللہ قادری ۴۰۲
حبیب اللہ میاں (عرف حافظ بولا) ۴۳۱،
حسن ابدال ۸۰
حسن بصریؒ، خواجہ ۲۰۰، ۲۶۶
حسن الزماں حیدرآبادیؒ، مولانا، ۲۰۱، ۳۹۸،
حسن شاہ، سید ۱۴۸، ۴۲۲،
حسن شاہ قندھاری ۳۸۱،
حسن عسکری دہلوی ۳۸۱،
حسن علاء سنجریؒ، امیر ۱۵۶، ۴۰۹
حسن علی، مولوی ۲۴۲، ۲۴۳
حسن علی، میاں ۳۳۱، ۳۳۲
حسن میاں ۲۹۲،
حسن نظامیؒ، خواجہ، ۱۵۳، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۲، ۴۴۴
حسن نظامی ثانی، خواجہ، ۴۳۳، ۴۳۴،
حسین اکبرآبادی، مرزا، ۱۹۳
حسین، امام ۴۰
حسین بخش فخری، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۶۷،
حسین بن منصور ۲۸۶
حسین علی فتحپوری، مولوی، ۳۷۹،
حسین علی، سید ۲۹، ۱۸۱،
حسین قلیخاں ۸۴،
حشمت علی، سید شاہ آبادی، ۲۹۰
حفیظ ماہی، مولوی ۴۲۲،
حکیم محمد حسنؒ، سید ۴۱۲
حمید الدین ناگوریؒ، شیخ ۴۰۲، ۴۱۰

حیات ۱۹۱،
حیات شاہؒ، سید ۴۲۲،
حیات علی دہلوی ۳۴۷،
حیدر بخش ۳۱۲،
حیدر شاہؒ، سید پیر، ۳۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵،
۴۲۷،
حیدر علی شاہ ۳۳۸،
خادم حسین ۳۹۹،
خاقانی ۱۶۰،
خالد کردی ۵۰۲،
خان آرزو ۵۸،
خان محمد اعظم پوری ۴۴۳
خاوند محمودؒ، خواجہ ۱۷۹
خجستہ بخش، مرزا ۲۴۵، ۲۴۶،
خدا بخش جاہل ۴۱۳
خدا بخش چوڑی گڑھ ۴۱۳
خدا بخش، حاجی، ۲۴۲، ۲۷۰، ۲۷۲، ۳۶۰،
۳۱۲، ۳۱۸، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۷،
۳۴۳، ۳۲۲،
خدا بخش لانگری ۳۳۵
خدا بخش ملتانی ۱۸۸
خردؒ، خواجہ ۸۹
خسروؒ، امیر ۵۰
خسرو شاہزادہ ۲۵، ۳۰۶
خلیفہ محمد پناہ ۲۴۳
خواجہ خان محمد ۴۳۰
خواجے محمود میاں ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲،
خوشحال (ملازم) ۲۵۶
خوشگو، ۸۳
خوشنود، ۴۲۲
خیالی ۳۰۰
خیر اللہ ۸۳، ۸۷،
خیر محمد، خواجہ ۳۱۳،
خیر النساء بیگم (ہمشیرہ شاہ عالم) ۲۰۸، ۲۲۳،
داراشکوہ ۲۶، ۴۲، ۸۱، ۸۳،
درویش محمد، خواجہ ۳۸۰،
دلاور ۳۳۳،
دلراس بانو بیگم ۸۰
دلیل خان پوری، میاں، ۳۸۲
دوست محمد ۳۷۸، ۳۷۹،
دولت شاہ سمرقندی ۸۲
دھنو کی داس ۲۶
دیارام ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۱،
دیوان اللہ جوایاؒ ۴۳۳،
دیوان شرف الدینؒ ۴۰۳،
ذوالفقار ۵۶
رابعہ بی بی ۱۳۷
رام داس گرو ۲۵
راون ۶۳
رابندر ناتھ ٹیگور، ڈاکٹر، ۲۳
رتن سنگھ زخمی، راجہ ۲۸۱
رحمت شاہ ۲۸۰
رحمت اللہ کیرانوی، مولانا، ۴۱۳
رحیم بخش فخری، مولانا، ۱۷۵، ۲۳۳، ۲۳۴،
رحیم اللہ بچھرایونی، خلیفہ ۲۹۰
رحیم یار خاں، نواب ۳۷۶

رستم علی شاہ ۴۲۲
رشید رضا (مصری)، مولانا ۴۸
رفیع الدرجات، بادشاہ ۱۳۴
رفیع الدین خاں ۲۴۳
رفیع الدین، شاہ ۵۲، ۱۰۱، ۲۰۱،
رکن الدین ملتانیؒ، شیخ ۳۱۸
رمضان معمار، شیخ ۴۱۳
روشن بخش، مرزا ۲۴۶
روشن علی، مولوی ۲۴۲
رومیؒ، جلال الدین، مولانا، ۲۰۸، ۳۹۱، ۳۹۲،
ریاض الدین، سید ۴۱۲
ریاض خیرآبادی ۴۴۳، ۴۴۴،
ریسنر، ڈبلیو ایس ام، ۲۷
زاہد شاہ سنبھلی ۳۲۳، ۳۲۴،
زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خاں، ۳۳۰
زیب النساء بیگم ۸۵
زینب بی بی (بی بی مصری)، ۱۳۷، ۱۳۸،
زینب بی بی (دختر شاہ نور محمد) ۲۶۹۔
سادات بارہہ ۶۸
سالار صاحب ۶۷
سبو کے والے ۴۲۳
سجادہ بیگم ۴۲۳
سجل خاں ۳۸۲
سدید الدین، حافظ ۴۴۰
سر جیمس ڈولی ۲۴
سردار بیگ، مرزا ۳۹۸
سردار خاں ولایتی ۳۸۱
سردار سنگھ، راجہ ۴۳۷
سر سید احمد خاں، ۴۳، ۵۹، ۶۰، ۱۵۳،
۱۹۸، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۴۷، ۴۱۳،
سرفراز چشتی، مولوی ۳۸۱
سرور ۵۹
سعادت علی خاں ۳۲
سعد اللہؒ، حافظ ۲۴۲
سعد خیرآبادیؒ، شیخ ۳۸۳
سعدیؒ، شیخ ۳۳۱، ۳۷۲،
سعیدؒ بن کلیم اللہؒ ۱۴۷،
سعید، حافظ ۱۵۰،
سکندر علی، مولانا ۲۹۳،
سکھانی، مرزا ۳۱۳،
سلطان شاپور، شیخ ۴۱۳،
سلطان محمود ۲۸۲، ۴۲۳
سلطان مخدوم ۲۹۸
سلیم اللہ ۳۰
سلیم چشتیؒ، شیخ ۲۲۴
سلیم، شہزادہ ۲۴۶
سلیم، مرزا (خلف اکبر شاہ ثانی)، ۲۳۵،
سند ھیہ مرہٹہ ۲۳۳
سنہا، ڈاکٹر ۲۶، ۲۹
سودا (شاعر) ۲۴۴
سید احمد ۲۰۸
سید احمدؒ (شہید) مولانا، ۳۷، ۱۹۵، ۱۹۶،
۳۲۸، ۳۲۹، ۱۸۶
سیدہ بیگم ۱۸۶
سید رسول نما ۲۶۶
سید سلیمان ندویؒ، مولانا ۸۳

سید صاحب شہزادہ (اکبر ڈورہ) ، ۲۹۰
سید محمد غوثؒ گوالیاری، شیخ ، ۸۸ ، ۱۳۵
سید محمد گیسودرازؒ، حضرت ، ۷۲ ، ۱۵۱ ، ۱۵۶ ،
۱۶۸ ، ۱۸۶
سیف چشتیانی ۳۲۹
سیف الدین شہید، مولانا ۴۱۲
سیف الدین، میاں ۲۳۰
شاکر خاں ۳۵
شاہجہاں بادشاہ ، ۳۵ ، ۳۹ ، ۶۱ ، ۶۷ ، ۷۷ ،
۸۱ ، ۹۵ ، ۲۹۶
شاہ حبیب علی شاہ ۳۹۸
شاہ روح اللہ ۲۴۳
شاہ عالم (بادشاہ) ، ۳۵ ، ۳۷ ، ۴۳ ، ۱۹۳ ،
۲۰۸ ، ۲۲۳ ، ۲۴۶ ،
شاہ عالم (ثانی) ۶۴
شاہ قمر الدین ۲۴۳ ، ۲۴۴ ،
شاہ محمد اعظم ۲۴۳
شاہ مراد ۲۴۲
شاہو، راجہ ۳۱
شجاع الدولہ (نواب) ۳۷
شجاع الدین، خواجہ ۴۲۱
شجاع، شاہ ۳۴۶ ، ۳۷۸ ، ۳۷۹ ،
شجاعی ۳۲
شرف الدین ۲۵۹ ، ۲۹۰
شرف الدین سنوتری، مولوی ، ۳۸۱
شرف الدین فیروزپوری، مولوی ، ۴۴۱
شرف الدین گردستانی ۳۸۲
شرف الدین یحییٰ منیری ۴۱۰

شریف شاہ، سید ۱۶۸
شریف احمد، مولوی ۴۴۴
شریف، میاں ۳۱۴
شمس الحق، شاہ ۲۹۱
شمس الدین سیالویؒ، خواجہ ، ۳۸۲ ، ۴۱۶ ،
۴۱۸ ، ۴۱۹ ، ۴۲۰ ، ۴۳۹ ،
شمس الدین، مولوی ۳۸۲ ، ۳۸۳ ،
شمس الدین، میر ۲۴۱
شوق، حافظ احمد علی خاں ، ۴۴۴
شہاب الدین، بھائی ۴۰۲
شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ ۱۳۶ ، ۱۵۲ ،
۳۶۳
شہوار مولوی ۳۸۱
شیر شاہ، پاک پٹن، سید ، ۳۸۱
شیر محمد، خواجہ ۳۱۳
شیر محمد ۸۴ ، ۱۷۹
شیریں ۲۸۲
شیفتہ ، ۵۵ ، ۲۴۳ ، ۲۴۴ ، ۲۸۴ ،
صاحب بی بی (دختر شاہ محمد نور) ، ۲۷۹ ،
صادق ۳۷
صادق علی، ڈاکٹر ۴۱۳
صادق علی شاہ ۲۳۹ ، ۲۹۳ ،
صالح شاہ، سید ۴۲۲
صالح محمد تونسوی، مولوی ، ۳۸۱
صالح محمد شاہ، سید ۲۷۳
صبغۃ اللہ، قاری ۲۷۳
صدرا ۱۸۷
صدر الدین عباسی، مولوی ، ۴۱۲

صدر الدین، مولوی، مفتی ، ۴۱۳
صدیق محمد کاسبی ۳۴۴
صہبائی ۵۵
صہیب ۲۶۶
ضابطہ خاں ۲۲۵
ضیاء الدین، سید ۲۹۰
ضیاء الدین شاہ صاحبؒ جے پوری ، ۴۱۱ ،
ضیاء الدین، مولانا ۲۴۶
ضیاء الدینؒ، مولانا شاہ ۱۴۹
ضیاء الدین، میر ۲۳۱ ، ۲۴۶ ،
ضیاء اللہ (ضیاء الدین) میاں ، ۱۱۵
ضیاء نخشبیؒ ۱۷۶
طارق (بن زیاد) ۳۰
ظہور اللہ ۲۴۳
ظہیر الدین شاہ ۲۹۳
ظہیر الدین کیرانوی، مولانا ۴۴۳
عاقل بی بی ۲۵۳ ، ۲۵۹ ،
عاقل محمدؒ، قاضی ۲۷۰ ، ۲۷۳ ، ۳۷۳ ،
عالم بخش میاں ۲۷۲
عالمگیر بادشاہ ، ۳۰ ، ۴۲ ، ۷۱ ، ۲۹۲ ،
عبدالجبار خاں ۳۷۳
عبدالجلیل، شیخ ۴۲۰ ، ۴۲۱ ، ۴۲۵ ،
عبدالحق محدث دہلویؒ، شیخ ، ۷۷
عبدالحق خیرآبادی، مولوی ، ۴۴۲
عبدالحکیم، مولانا ۱۸۷
عبدالحی فرنگی محلیؒ، مولانا ۱۷۹
عبدالرب، سید ۴۱۴
عبدالرحمٰن ۸۲

عبدالرحمٰن چھراونی، مولوی ۲۹۱
عبدالرحمٰن جادرہ ، مولوی ۲۹۰
عبدالرحمٰن، سید ۲۴۳
عبدالرحمٰن مودی ۳۸۲
عبدالرحمٰن موحد لکھنویؒ، مولانا ، ۱۹۷
عبدالرحمٰن مکی، قاری ۴۳۲
عبدالرحمٰن، مولانا ، ۲۶۷ ، ۲۷۲ ، ۲۷۶ ،
۳۹۳
عبدالرحمٰن، مولوی ۲۹۰
عبدالرحیمؒ، شاہ دہلوی، مولانا ، ۶۳ ، ۶۴ ،
۸۹
عبدالرحیم، شیخ ، ۱۵۰ ، ۱۹۷ ، ۲۷۲ ،
عبدالرحیم، مولانا ۲۷۷
عبدالرسول، خلیفہ ۲۹۱
عبدالرشید ۱۰۵ ، ۱۳۱
عبدالرؤف خاں شروانی ۴۰۰
عبدالستار ۲۷۲
عبدالسلام، میاں ۲۴۰
عبدالسلام نیازی دہلویؒ، مولانا ، ۲۹۱ ،
عبدالشکور خیرآبادی، میاں ، ۳۸۱
عبدالشہید یار [illegible]، مخدوم ، ۲۹۰
عبدالصمد ۲۴۰
عبدالصمد، حافظ ۳۹۹
عبدالصمد خاں، نواب ۳۷۷
عبدالصمد، مولانا ۱۳۹
عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ ، ۲۸ ، ۳۰ ، ۴۹ ، ۵۲ ،
۵۳ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۱۸۳ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۱۴ ، ۲۱۵ ،
۲۲۰ ، ۲۲۱ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳ ، ۲۳۶ ، ۲۴۳ ، ۲۴۴ ،
۲۷۶

عبدالعزیز، مولوی سکنہ رقبہ بڑھیاران، ۳۲۴، ۳۲۵،
عبدالعلی بحرالعلومؒ، مولانا، ۳۰۰،
عبدالغفار، مولوی ۳۳۲
عبدالغفور ۲۷۲
عبدالغنی، شاہ ۵۲
عبدالقادر ۱۸۰
عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ ۱۹۹، ۳۲۸،
عبدالقادر، شاہ، ۲۳۰، ۲۸۴، ۲۹۳،
عبدالقادر، شیخ سر ۴۴۳
عبدالکریم، شیخ ۴۱۱
عبدالکریم، مخدوم ۲۷۳
عبداللطیف چیناپٹنی، میاں، ۲۸۱
عبداللطیف، خواجہ ۱۵۹
عبداللطیف سمرقندی ۲۹۰
عبداللطیف، شاہ ۴۱۱
عبداللطیف، شیخ (دولت سندالی) ۱۴۸، ۱۴۹،
عبداللہ پشاوری، مولانا ۴۱۵
عبداللہ پکڑوی ۴۲۴
عبداللہ خاں ۲۷۷
عبداللہ دین دار ۴۲۰
عبداللہ، مولانا ۱۰۴، ۲۷۲،
عبداللہ، میاں ۲۴۲، ۳۱۳، ۳۱۴،
عبدالملک، سید ۳۱۵
عبدالواحد ۲۱۳
عبدالوالی، قاضی ۱۵۰
عبدالوالی، مولانا ۳۸۴
عبدالوہاب ۳۳۰
عبدالوہاب اوچی ۲۷۳
عبدالوہاب بیکانیری، مولوی، ۲۴۲
عبیداللہ جی پھلی ۲۹۰، ۲۹۱،
عبیداللہ ملتانی ۳۲۵
عثمان غنی رض حضرت ۹۳
عراقی ۴۳۱
عرفان الحق ۱۰۱
عزیز احمد نظامی، مولوی ۴۴۴
عزیز اللہ، قاری ۲۷۳
عزیز میاں صاحبؒ، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲
عشق اللہ، شاہ ۱۷۸
عصمت اللہ، میاں ۲۴۳
عطارؒ، (فرید الدین شیخ) ۲۸۸
عطاء اللہ ۷۸
عطاء اللہ، خواجہ ۴۴۱
عطاء اللہ رشیدی (رشدی)، ۷۹، ۸۰، ۸۱،
عظمت بی بی ۲۶۹
عظمت علی طفیروی، حافظ ۳۸۲
عظمت اللہ، مولوی ۲۰۲، ۲۳۴، ۲۴۳
عظمت میرن شاہ، حافظ ۲۷۳
عظیم الدین ۲۴۳
علاء الدین، مولوی ۲۴۲
علی حیدر صاحب، میاں ۴۲۲
علی الدین بہاول پوری ۳۷۱
علی شاہ، سید ۳۸۲
علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، حضرت، ۴۳، ۷۰، ۲۰۰،

علی محمد امام ۳۸۱
علی محمد جراح ۳۷۲
علی محمد، حاجی، ۳۱۵، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۲،
علی محمد، شاہ، خواجہ ۲۴۹
علی محمد ہوتانی، میاں ۳۴۴
علی وردی خاں ۲۲
عماد الدین، سید محمد ۲۳۵
عمر خاں ۳۳۰
عنایت، شاہ، مخدوم ۳۱۲
عنایت اللہ، حجام ۲۴۴
عوض محمد بدخشانی ۲۹۰
عیسیٰ جعفر، میاں ۳۳۵
عیسیٰ خان پوری، قاضی ۳۲۵
عیسیٰ خیل ۴۲۲
عیوض علی، میر ۲۴۴
غازی الدین خاں نظام (مصنف مناقب فخریہ) ۱۹۶،
غازی الدین خاں، نواب (فیروز جنگ)، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۶، ۲۵۵، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۷، ۳۰۳، ۳۰۸،
غالب ۵۳، ۵۹، ۱۰۰، ۱۳۵، ۲۳۸،
غزالیؒ، امام ۱۳۶
غلام احمد بریاں، مولانا ۴۳۱
غلام احمد قادیانی، مرزا ۴۳۹
غلام بہاء الدین ۱۷۸
غلام حسن خاں، خلیفہ ۴۳۱
غلام حسن شہید ملتانی، منشی ۳۲۴، ۳۲۵،
غلام حسین ۳۳۶، ۴۳۱،
غلام حسین بھٹی ۲۷۳
غلام حسین، مرزا ۲۰۴
غلام حسین، مولوی، حافظ ۲۷۷
غلام حسین یار، میر ۲۴۴
غلام حیدر، شاہ ۴۲۱، ۴۲۳،
غلام حیدرؒ، مخدوم ۲۹۸
غلام حیدر، میاں ۳۳۵، ۳۳۶،
غلام دستگیر ۲۷۲
غلام رسول ۲۶۲، ۲۷۷، ۴۳۹،
غلام رسول، حافظ ۳۸۲
غلام رسول خاں، شاہ ۲۴۷
غلام رسول طفیروی، مولوی، ۳۸۲
غلام رسول کوافغاں ۳۸۲
غلام سرور، ۱۷۹، ۲۵۱، ۲۶۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۳۰۸ - ۳۰۹، ۳۱۶، ۴۲۰،
غلام، شاہ ۳۷۵
غلام شاہ، سید ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴،
غلام صدیق ۲۷۲
غلام علی آزاد بلگرامی
غلام علی، شاہ، ۴۹، ۵۲، ۵۴، ۲۹۲، ۳۴۶، ۳۹۳
غلام فخر الدین ۲۷۲، ۳۱۲،
غلام فرید چشتی ۲۳۱، ۲۴۳، ۴۳۲،
غلام فریدؒ، حافظ ۲۴۰، ۲۷۲، ۳۱۲،
غلام قادر خاں ۱۷۸
غلام قادر روہیلہ ۱۰۵

غلام قطب الدین خاں، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸،
۲۴۲
غلام کبریا، مولوی ۳۱۲
غلام کلیم اللہ ۱۷۸
غلام محمد اوجینی ۳۸۲
غلام محمد چشتی ۳۸۲
غلام محمد حاجی ۴۱۶، ۴۲۲
غلام محمد رسول پوری ۳۸۲
غلام محمد سکندر میرا والی ۲۷۳
غلام محمد شیرانی ۳۸۱
غلام محمد کرڈی ۲۷۳
غلام محمد ملتانی ۳۸۲
غلام محمد (میاں سمجھو) ۵۹
غلام محمد نجم الدین ۴۱۵
غلام محی الدین ۲۷۲
غلام محی الدین، مفتی ۴۲۴
غلام مرتضیٰ ۲۷۷
غلام مصطفیٰ، شیخ ۲۷۰، ۲۷۲
غلام معین الدین ۱۷۸، ۲۳۹، ۲۴۰
غلام مولوی اکبرآبادی ۲۹۰
غلام نبی، شیخ (بن شیخ نور الصمد) ۲۷۰، ۲۷۲،
غلام نصیر الدین عرف کالے صاحبؒ ۳۸۱،
غلام نظام الدین، ۲۳۹، ۲۴۰
غلام نظام الدین، ۴۳۵
غوث بخش، خواجہ ۳۱۳
فارس ۳۳۹، ۳۷۶، ۴۳۷
فاضل شاہ کشمیری ۳۸۱
فاضی کرمانی ۸۳

فتح دریا نیکوکارہ ۲۵۳
فتح محمد صاحب، مولوی، ۴۲۲
فتح محمد ملتانی، قاضی، ۳۱۲
فخر الدین دہلویؒ ۳۰
فخر الدین مزوریؒ، مولانا ۷۵
فخر الدین دہلویؒ، شاہ، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۴،
۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹،
۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶،
۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴،
۲۴۵، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۱،
۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸،
۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۶،
۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۷۹،
۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۷، ۲۹۹، ۳۰۱،
۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸،
۳۰۹، ۳۱۸، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۴،
۳۹۸،
فخر الدین میاں صاحب، ۲۹۰
فخر النساء بی بی، ۱۳۷
فرخ سیر، ۲۹، ۳۶، ۳۲، ۴۳، ۶۳، ۹۳، ۹۷، ۹۸،
فرید احمد نظامی، مولوی، ۴۳۶، ۴۳۵،
(فرید بخش) ۴۴۶، ۴۴۷،
۴۴۸، ۴۴۹۔
فرید خواجہ، چاچڑاں والے، ۲۲۹
فرید الدین خاں، نواب دبیر الدولہ، ۵۹،
فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت بابا، ۲۳، ۱۳۱،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۶، ۱۷۵، ۱۹۳، ۲۵۱،
۲۵۷، ۲۶۲، ۲۷۹، ۴۳۳، ۴۴۲، ۴۴۳،

فرید الدین عطارؒ، خواجہ، ۱۱۳، ۳۳۱،
۳۴۳، ۳۴۳، ۴۴۳،
فرید الدین، مولوی، ۲۴۴
فریدوں ۳۷۹
فرینگ ٹن، کرنل ۴۴۵
فضل احمد فریدی، مولوی، ۴۱۴، ۴۳۷،
فضل احمد قریشی، میاں، ۴۴۰
فضل حق شاہ، مولانا (خیرآبادی)، ۲۹۳، ۲۹۴،
۳۱۳، ۴۴۳
فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا، ۳۲۹
فضل الدین، خواجہ ۴۲۱
فضل الدین، مولوی ۴۲۱
فضل شاہ کشمیری، مولوی، ۲۸۱، ۳۸۲،
فضل علی جھجوی، میر ۳۸۱،
فضل علی خاں، میاں ۳۱۳،
فضیلت النساء ۴۱۱
فیاض الدین، منشی ۵۰
فیروز، شیخ، ۹۳
فیض، شاہ ۴۲۳
فیض اللہ شاہ ۱۱۱، ۲۹۳
فیض اللہ شاہ جھجوی، ۳۸۲
قادر بخش، حافظ ۲۷۰، ۲۷۳
قادر بخش، مولوی، ۳۸۱
قاسم ۱۹۱
قاسم چاندپوری، ۳۶
قائم الدین شاہ، ۴۲۷
قدرت اللہ قاسم ۲۸۱
قشیریؒ امام ۱۳۶

قطب صاحب، حضرتؒ ۲۰۳، ۲۱۰، ۲۳۷، ۳۸۵،
قطب الدین ۳۸۱
قطب الدین باطن، کلیم سیر، ۵۶، ۲۳۹،
قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ، ۱۹۳،
۲۳۵، ۲۳۸، ۲۵۸، ۳۹۴،
قطب الدین، مولانا ۲۴۱
قلندر بخش ۲۵۶
قمر الدین، خواجہ ۴۲۱
قمر الدین ۲۴۲، ۲۴۴،
قمر الدین، مولانا، شاہ ۴۱۲
قمیص قادری، شاہ ۲۷
قیام اصدق شاہ ۲۴۹
قیام الدین دہلوی، امیر ۳۸۱
قیس ۲۸۲
کالے صاحبؒ (میاں نصیر الدین)، ۵۴، ۲۳۸،
۲۳۹، ۲۴۰، ۳۴۷، ۳۹۴،
کامگار حسینی، خواجہ، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱،
۱۸۶،
کامگار خاں، ۱۳۴، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳،
۱۶۸، ۱۶۷،
کاؤس شکوہ ۲۰۸، ۲۱۰،
کرم علی شاہ ۱۷۹
کریم حیدر ۳۱۲
کریم الدین، قاضی ۱۰۹
کسل سنگھ ۵۳
کشن چند اخلاص ۸۳، ۸۶
کلب علی خاں، نواب ۴۴۴

کلیم اللہ، شاہؒ، حضرت، ۵۲، ۶۵، ۶۹، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۷، ۷۹، ۸۳، ۸۸، ۸۹، ۹۱، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۴۳، ۳۱۴، ۴۱۰،

کمال (قوم چھٹ) ۲۵۳

کمال الدین ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۷۲،

کمال الدینؒ، علامہ ۷۲، ۹۲

کندن لال اشکی ۲۸۱

کنگال شاہ ۲۹۳

کہن دل خاں ۳۷۸

گلاب شاہ ۴۲۲

گل حسن، مولوی، ۳۱۳

گل محمد احمد پوری، خواجہ، ۱۰۴، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۷۰، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۷۴، ۳۸۰

گل محمد مفتی، مولانا ۴۱۵

گل محمد، ملا ۲۳۲، ۲۴۹، ۲۹۳،

گنج بخش، حافظ ۲۷۰، ۲۷۲

گنگا رام ۳۰

گوبند گرو ۲۶

گوپی ناتھ ۳۲

گوہر اونچا، حافظ ۳۸۷

لال شاہ، سید ۳۱۲

لطف خاں ۴۱۱

لطف اللہ، استاد العلماء مولانا

لطف اللہ خاں، نواب ۲۷۳

لطف اللہ مہندس، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳،

لطیف الزماں، شاہ عرف بادشاہ میاں، ۳۹۸،

لطیف النساء، ۴۱۱،

لعل بیگ مرزا، ۴۱۵،

لعل خاں نکالی ۳۷۶، ۳۷۷،

لعل شاہ میاں ۴۱۳

لعل کنور ۴۲، ۶۳

لعل محمد، مولانا حاجی ۳۳۸

لعل محمد قصاب سوکھی فتح پوری، ۴۱۴،

ماجد حسین، سید ۳۹۹،

مادھو سنگھ راؤ ۴۱۵،

مبارک شاہ ۴۲۲،

مٹھن خاں بلوچ ۲۹۸،

مجدد الف ثانیؒ، حضرت، ۶۲، ۶۵، ۶۹،

مجد الدولہ بہادر، ۲۲۲

محب اللہؒ، خواجہ ۲۴۹

محبوب عالم، مولوی، ۳۸۲

محبوب عالم خاں، نواب ۳۱۸

محبوب علی شاہ ۲۹۳

محبوب اللہ احمد ۲۹۶،

محکم دین سیلانی ۲۵۵،

محکم الدین، میاں ۳۱۴،

محمد آفاق شاہ ۵۲،

محمد ابراہیم کردی، شیخ ۱۸۸،

محمد احسان اللہ، ۱۴۷،

محمد اسحٰق، حاجی، ۲۹۸،

محمد اسحٰق، شاہ، ۵۴،

محمد اسلم، حافظ، ۳۹۸، ۳۹۹،

محمد اسمٰعیل، ۱۷۸، ۱۸۱

محمد اسمٰعیل، شاہ ۵۲

محمد اشرف، قاضی ۴۱۵

محمد اعظم شاہ ۳۸۲

محمد اکبر شاہ ۲۳۶، ۲۳۷،

محمد اکبر بصیر پوریؒ، خواجہ، ۴۴۲،

محمد اکرم، مولوی ۲۷۳

محمد امین، ۲۳۵، ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۳۶،

محمد باقر (محمد میاں) ۲۳۱

محمد بخش چشتی ۲۷۳

محمد جان خاں شیروانی، مولوی، ۴۰۰،

محمد جان گھوسی ۸۹

محمد جان میاں ۱۸۷

محمد جعفر ۱۷۸

محمد جمال، حافظ، ۲۶۵، ۳۰۲، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۳۲، ۳۶۴،

محب جہانیاں، مخدوم ۲۷۳

محمد حافظ، ۲۷۶

محمد حامد ۳۱۳، ۴۲۰، ۴۲۱،

محمد حسن، مولانا سید، ۴۱۳، ۴۲۴، ۴۳۵،

محمد حسن، مولوی ۲۷۷

محمد حسین ۳۱۹، ۳۳۳، ۳۹۹،

محمد حسین، چوبان مولوی ۳۸۲

محمد حسین، مکہ معظمہ، مولوی، ۲۹۰،

محمد حسین، نواب ۲۷۳

محمد حیات دہلوی ۳۷۰، ۳۸۱،

محمد خان بنگش ۳۳

محمد خاں، نواب حاجی ۴۱۲

محمد خواجہ بن شاہ کلیم اللہؒ، ۱۴۶، ۱۴۷،

محمد دین، خواجہ ۴۳۰، ۴۳۱،

محمد رسول شاہ ۴۲۷

محمد رمضان قادری مہمی، ۴۰۳

محمد زماں، شیخ ۲۴۲

محمد سعد اللہ ۴۱۵، ۴۲۱

محمد سعید شاہ ۴۲۲

محمد سلیمان پھلوارویؒ، شاہ، ۲۹۱، ۴۳۳،

محمد سلیمان تونسویؒ، شاہ، ۲۶۲، ۲۷۳، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۹۴، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۸، ۴۱۹، ۴۳۹،

محمد سمیع بدخشانی، میر ۲۹۰

محمد شاہ ، ۵۰، ۵۲، ۶۴، ۸۶، ۱۸۳،
۲۱۵،
محمد شاہ خیرآبادیؒ ۳۹۳
محمد شاہ غزنوی ۴۲۲
محمد شاہ کشمیری ، حکیم ۲۹۲ ، ۲۹۳
محمد شریف مخدوم ۲۹۸ ، ۲۹۹ ، ۳۱۳،
محمد صادق خاں ، نواب (پسر بہاول خاں)
۳۷۵، ۳۷۶،
محمد صالح ملتانی ۳۱۲
محمد صالح ، مولوی ، ۲۴۲، ۲۵۶، ۲۵۹،
۳۷۷، ۴۳۶،
محمد ضیاء الدین ۴۲۱
محمد طاہر ، شیخ ۴۲۹
محمد طیب ساکن جلیل پری ۴۲۳
محمد ظہور اللہ
محمد عاقلؒ ، خواجہ ، ۱۰۴، ۱۴۳، ۱۵۲، ۱۵۳ ،
محمد عاقل ، خواجہ (کریکہ) ۲۶۸ ، ۲۹۵، ۲۹۶،
۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۶،
۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۱،
۳۳۶،
محمد عاقل ، قاضی ، ۲۹۸، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۰،
۳۱۴، ۳۳۲،
محمد عبدالصمد فخریؒ دہلوی ، ۴۳۱
محمد عبدالصمد مودودی ، ۳۹۹
محمد عبداللہ ۔ ۴۱۵ ، ۴۲۱
محمد عبداللہ خاں ۲۹۰
محمد عبداللہ شاہ ، حافظ ۱۳۹
محمد عثمان وزیر خیلی کابل ۲۹۰
محمد عجیب ، مولوی ۲۷۳
محمد عظیم بن عبدالرحمٰن ، میر ، ۴۴۳،
محمد علی ، ۸۶، ۱۷۸،
محمد علی خوشنویس ۱۷۴
محمد علی خیرآبادیؒ ، حافظ ، ۱۰۳، ۳۸۱ ،
۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۴۰۲،
۴۰۴،
محمد علی ریاضی ۷۹
محمد علی ، سید ۱۵۰
محمد علی ، مرید شاہ نظام الدین اورنگ آبادی
۱۰۸ ،
محمد علی مکھڈی (صاحب زادہ نور بخش)
۳۸۱ ،
محمد علیؒ ، مولانا شاہ ۱۳۹
محمد علی ، میر ۳۹۰
محمد عمر ، حکیم قاضی ۱۶۶
محمد عمر سید پوری ، قاضی ، ۲۶۲ ، ۲۸۳،
محمد غوث (بھتیجہ شاہ کلیم اللہؒ) ، ۲۴۲،
محمد غوث بجیلانہ ۲۷۳
محمد غوث گرت پوری ۲۴۲
محمد غوث ، میاں ۳۱۴
محمد فاضل ۹۳
محمد فاضل نیکوکارہ ، میاں ، ۲۷۳،
محمد فتح اللہ ۲۴۲
محمد فخر عالم شاہ جہاں پوری ۲۹۰
محمد فضل شاہ ۴۲۷
محمد فضل اللہ ۱۴۷
محمد قاسم ، حافظ ۱۹۴

محمد قاسم نانوتویؒ ، مولانا ، ۱۰۱
محمد قطب الدین شرقی ۲۴۲
محمد کامل ، قاضی ۴۲۴
محمد کفایت اللہ ۲۹۰
محمد گہلوی ۲۶۲ ، ۲۷۷،
محمد لطف اللہ مفتی ۴۲۸
محمد مسعود جہانگہ والا ۲۷۳
محمد مسعود ، حافظ ، ۲۰۳، ۲۵۴، ۲۵۸،
۲۵۹، ۲۶۰، ۳۳۷،
محمد مشتاق عرف بھید ، میاں ، ۳۸۴
محمد موسیٰ ، حافظ ۴۴۰ ، ۴۴۱،
محمد مولانا ۱۰۵ ، ۲۷۶،
محمد مہدی ، حاجی ۴۳۵
محمد میاں ۳۱۳
محمد میاں (محمد باقر) ۲۴۱
محمد میر ، سید ۲۴۳
محمد نجم الدین ۳۱۵
محمد نصیر الدین ، مولانا ۴۱۵
محمد واصل ۴۴۴ ، ۳۷۹،
محمد واصل ، حاجی ۲۱۳ ، ۴۴۳،
محمد ہاشم ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹،
محمد یاران کلاچوری ۴۸۱ ، ۴۰۳،
محمد یار بیگ میاں ۱۷۸
محمد یار جہنادی ، مولوی ۳۸۲
محمد یار میاں ۴۱۷
محمد یحییٰ ، مولانا ۴۳۴
محمد یوسف ، خواجہ ۲۷۱
محمد یوسف ، شیخ ۱۹۴
محمد یوسف ، مولانا ۴۳۳
محمود ۲۷۲
محمود بخش ، میاں ۲۷۱
محمود ، حافظ ۱۵۰ ، ۴۴۰ ، ۴۴۱ ،
محمود ، خواجہ ۳۳۹
محمود شاہ درویش ۴۱۳
محمود شاہ ، مرزا ۳۱۰
محمود ، شیخ ۱۷۹ ، ۴۱۲،
محمود عالم بھچرایونی ، مولوی ، ۲۹۰،
محی الدین ابن عربی ، شیخؒ ، ۱۸۷، ۳۹۲،
۴۱۰، ۴۳۰،
محی الدین ابو یوسف یحییٰ الحبشی ، شیخؒ ، ۹۳،
محی الدین ، شاہ ۲۹۱
مخدوم جہانیاںؒ ، حضرت ، ۴۲۳،
مخدوم جی بدخشانیؒ ۲۹۱
مخدوم محمد یعقوب ۲۹۸
مدار صاحب ۷۶
مرزا خاں ۴۲۶
مستان خاں ، مولوی ۲۹۱
مستان شاہؒ خراسانی ۳۸۲
مسکین شاہؒ ، ۲۸۶، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۳،
مصباح الحسن ، مولانا ۳۹۹
مصحفی ۵۹ ، ۲۸۱، ۲۸۲،
مصدق الدین شیخ ۲۱۴
مصطفیٰ خاں ۵۴
مصطفیٰ مرادآبادی ، خواجہ ۱۳۹ ، ۱۵۰،

مصلح الدین، نواب ۱۵۳
مظفر علی، شاہ ۳۲۷
مظہر جان جاناںؒ، مرزا ، ۳۰، ۳۳، ۳۴،
۵۲، ۵۸، ۵۹، ۶۹، ۲۰۵،
۲۲۰، ۲۴۳
مظہر الحق، شاہ ۲۹۳
معظم الدین، مولوی ۴۲۱
معین الدین چشتیؒ، خواجہ ۱۸۷
معین الحق، صاحبزادہ ۳۳۲
مکرم، مولوی ۲۴۲
ملک سلطان برہان ۲۶۰
مینا لکھنویؒ، شاہ ، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۹۶،
منوں لال، راجہ ۲۸۱
منو، مرزا ۵۰
منیر خاں، صاحبزادہ ۴۱۲
مودود، حافظ ۱۷۹
موسیٰ علیہ السلام، حضرت ۳۰۵
مولا بخش سنگتراش ۴۱۳
مولا داد خاں ۲۹۰
مومن ۵۳، ۹۸،
مہجو خاں جی قائم خانی رسال دار ، ۴۱۲،
مہر علی شاہ گولڑویؒ، پیر ، ۴۲۱، ۴۲۸، ۴۳۲،
۴۳۸،
میاں پیر محمد ۲۰۵
میاں محمد، خواجہ ۲۳۹
میاں میر لاہوریؒ، حضرت ۱۳۹
میاں نصیر الدین عرف کالے صاحبؒ ، ۲۳۸،
۲۳۹،
میڈھو خاں ۲۳۳
میر تقی میر ، ۳۶، ۴۱، ۴۴، ۵۱، ۵۶،
میران شاہ محمد (ابن بہادر شاہ ظفر)، ۲۴۶،
میر حسن، حکیم ۳۰۵
میر شاہ ۱۴۸
میر کلو ۲۰۸، ۲۳۴،
میر محمدی ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶،
میر ہاشم ۳۰۰
میران بخش معمار، شیخ ، ۴۱۳
میکالے، لارڈ ۳۷۰
مینائی، منشی امیر احمد ۴۴۴
نادر شاہ ، ۲۷، ۳۵، ۳۹، ۴۰، ۴۳،
۱۸۳
نارو والا صاحبؒ ، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۷۴،
۲۷۵، ۲۷۶، ۳۰۶، ۳۳۱،
ناصر جنگ نظام الدولہ ، ۱۹۰، ۱۹۳،
ناصر، حافظ ۲۷۳
نانک، گرو ۲۳، ۲۴، ۲۵،
نبی بخش، حافظ ۲۷۰، ۲۷۲
نبی، حافظ ۲۷۳
نپولین ۳۷۷
نتھو ۲۰۲
نجف خاں ۲۱۵
نجم الدینؒ، حاجی، مولانا ، ۱۳۵، ۲۹۸، ۲۹۹،
۳۳۵، ۳۵۲، ۲۹۵، ۳۷۹،
۳۸۲، ۳۹۳، ۴۰۱، ۴۰۲،
۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۳،
نجم الدین نسفی، امام ۱۳۶

نجم الہدیٰ ۴۱۱
نجیب الدولہ ۳۴، ۴۰
نجیب الدین متوکلؒ، شیخ ، ۲۷۲،
نصیر بخش ۲۷۳، ۳۱۲،
نصیر خواجہ ۵۲
نصیر الدین شاہ ۲۹۱، ۳۱۱،
نصیر الدین چراغ دہلیؒ، شیخ ، ۷۲، ۱۳۶،
۱۶۶، ۱۸۷، ۴۱۰،
نصیر الدین، مولانا ۴۱۶
نصیر طوسی ۷۷
نظام بخش ۲۷۳
نظام الدین اپسر کالے صاحب ۳۴۷،
نظام الدین اولیاءؒ، حضرت شیخ، ۱۳۶، ۲۲۶،
۲۵۸، ۳۲۶، ۳۷۲، ۴۰۹،
نظام الدینؒ تاج الاولیاء شاہ، ۲۹۰، ۲۹۱،
نظام الدین تونسویؒ، خواجہ ۲۷۱،
نظام الدینؒ، شاہ (اورنگ آبادی)، ۶۹، ۸۳،
۹۶، ۹۹، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰،
۱۱۱، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹،
۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۵۲، ۱۵۳،
۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹،
۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵،
۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳،
۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱،
۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۲
نظام الدین، مولوی ۳۸۳
نظام الدین، میاں ۵۴، ۱۳۵، ۳۸۲،
نظام الدین نارنولی، شیخ ۱۳۰
نظام شیخ ۹۳
نظام الملک ۲۳
نظیر الدین شاہ، سید ۲۲۸
نعمت اللہ خاں بخاری ۲۹۰
نوازش علی، مولوی ۲۴۶
نوبہار اجی مخدوم ۲۷۳
نوبہار، شاہ ۴۲۲
نور احمد، شیخ ، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱،
۲۷۲، ۳۷۵، ۴۱۱،
نور احمد، مولانا ۴۱۱
نور بخش ۲۷۱
نور بخش، صاحبزادہ ۳۸۱
نور جہاں ۶۹
نور جہانیاں، میاں ۲۷۱، ۲۷۲، ۳۸۱،
نور حسین، شیخ (ابن نور الصمد)، ۲۷۰، ۲۷۳،
نور خاں کرمانی ۳۴۴
نور الدین، خواجہ ، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۷۸، ۱۷۹،
۱۸۰، ۱۸۱
نور الدین ڈھنڈی، حافظ ، ۳۸۱
نور الدین، سید ۲۲۹
نور الدین فخری، سید (مصنف فخر الطالبین)
۲۱۵، ۲۱۶، ۲۳۲،
نور الصمد، شیخ (ابن شاہ نور محمد)، ۲۶۹، ۲۷۰،
۲۷۳،
نور عالم سکنہ مکھند ۳۸۱
نور قطب عالمؒ ۷۲
نور الحسن، شیخ (ابن شاہ نور محمد)، ۲۶۹، ۲۷۰،
نور الحق ۲۷۳

نورالعین ۲۸۹
نوراللہ، مولوی ۷۸، ۷۹، ۲۴۳،
نوراللہ احمد ۷۹
نور محمد ۳۴۰
نور محمد بڈرہ ۲۷۷
نور محمد پانی پتی، مولانا ۳۱۳
نور محمد سکندنوا ۲۷۳
نور محمد سندھی ۳۸۱
نور محمدؒ، شاہ، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۱، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸
نور محمد، قاضی (بن محمد شریف)، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۳،
نور محمد، مخدوم ۲۹۶
نور محمد، مرید شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، ۱۰۹،
نور محمد ملتانی ۳۰۱
نور محمدؒ مہاروی، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۷۲، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۹، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۷، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۴۳،
نور محمد میاں (برادر خواجہ محمد عاقل)، ۳۰۱، ۳۱۸،
نور محمد نارووالہ ۳۸۳
نیاز احمد بریلویؒ، شاہ، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳،
نیاز احمد، شاہ ۲۴۱
واحد علی خاں ۳۸۷، ۳۹۵، ۳۹۶،
واصل، حاجی ۱۶۷
وجیہ الدین ۲۳۹، ۲۹۰،
وجیہ الدین شہید، شیخ، ۸۸
ورڈسورتھ ۱۹
وزیر خواجہ کامل، حافظ ۲۹۰
وصی احمد، مولانا ۳۹۶
وقار الملک، نواب ۳۳۵
ولی اللہ خراسانی ۳۸۱
ولی اللہ شاہ دہلویؒ، شاہ، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۶، ۴۰، ۴۳، ۴۵، ۴۹، ۵۲، ۶۵، ۶۶، ۸۸، ۹۰، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۸۸، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۵، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۴۸، ۳۳۵، ۳۴۷، ۳۸۴، ۳۲۹
ولی اللہ منیروالہ ۳۸۱
ولی محمد، شاہ ۲۹۳
ولی محمد، مولوی ۳۳۲
ویشنی ناٹ ۳۷
وبشور ودیا شنکر ۳۰، ۳۱
ہادی علی خاں کشمیری، مولوی، ۳۹۹
ہاشم، حاجی، (کابل) ۲۹۰
ہاشم علی ۱۰۱
ہدایت اللہ خاں رامپوری ۳۹۹
ہرچرن داس ۳۲، ۴۰
ہرگووند سنگھ، گرو ۲۵

ہمت یار خاں ۱۹۰
ہملٹن، کرنل ۳۴۲، ۳۴۳،
ہندال جاٹ ۲۵۲، ۲۵۳،
ہندوراٹے، راجہ ۳۷
ہنری ایلیٹ ۵۵
ہوت میاں ۳۱۳
یار محمد پشاوری، مولانا ۳۱۲
یار محمد، صوفی ۶۳، ۲۳۱، ۲۴۳،
یار محمد کابلی، مولوی ۲۹۰
یارن والی ۳۰۱
یحییٰ مدنیؒ، شیخ، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۱۳۹، ۱۵۵
یوسف خواجہ (برادر شاہ سلیمان تونسویؒ) ۳۳۰، ۳۳۱،
یوسف، شاہ ۳۸۸
یوسف علیہ السلام، حضرت، ۳۶۶،

مقامات

اٹک ۳۷، ۳۸۲
اجمیر، ۲۹، ۱۹۳، ۲۴۱، ۲۹۰، ۳۸۵، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴
اجمیری دروازہ کا مدرسہ، ۵۱، ۵۲، ۱۸۴، ۱۹۳، ۱۹۶
اجین ۸۷، ۳۱۶
احاطہ کالے صاحب، ۲۳۹
احمد آباد ۶۳، ۹۲
احمد پور، ۲۵۲، ۲۹۵، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۴۱، ۳۵۷، ۳۶۷، ۳۹۵
آرہ ۲۴۹
اسکندریہ ۳۲۸
افغانستان، ۳۲۷، ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۱۸
اکبرآباد، ۲۰۴
آگرہ، ۳۲، ۴۲، ۸۰، ۱۰۵
الہ آباد، ۱۴۸، ۲۹۳
امروہہ، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۳۵، ۳۳۹
اوچ، ۳۰۱، ۳۳۲، ۳۳۳
اودھ، ۲۲، ۸۲، ۳۸۳، ۳۸۶
اودے پور ۳۱۲
اورنگ آباد، ۸۰، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۵۵،
ایبٹ آباد ۳۸۲
ایران ۱۹
بازار خانم ۷۳، ۹۵
بازار خانم کا مدرسہ، ۵۱، ۵۲،
باغستان ۸۵، ۸۶
بیلانہ موضع ۲۵۴
بجیدانہ ۲۷۳
بخارا ۳۷، ۳۵۴
بدایوں ۲۹۱
بدخشاں ۲۷۹
بڈھیراں ۲۵۴
برٹش میوزیم ۸۲

۴۳۶، ۴۳۸، ۴۳۹،

امریکہ ۱۹، ۴۳۸

اندور ۴۱۶

انڈمان ۴۴۳

انڈیا آفس ۸۲

انگلستان ۱۹، ۳۶، ۴۳۸، ۴۳۹،

بڑھیاران ۳۲۳

بصرہ ۲۶۶

بصیر پور ۳۲۲

بغداد ۳۷

بچی مسجد ۳۳۱

بلبل پڑی ۳۲۳

بلوچستان ۳۳۰

بلی ماران ۳۳۸

بمبئی ۲۳۹، ۳۸۲، ۴۱۲،

بمبئی یونیورسٹی ۸۳

بنارس ۸۷

بنت قصبہ ۲۴۴

بندرابن ۳۲

بندیل کھنڈ ۲۹

بنگال ۲۱، ۲۲۷، ۳۰۰، ۳۳۶،

بوبک خیل ۳۲۲

بہار ۲۴۹

بہاول پور ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۷۳، ۳۱۱،
۳۱۲، ۳۱۵، ۳۳۸، ۳۶۷، ۳۷۹،

بہبل ۲۵۳

بھٹنڈہ ۳۳۶

بہر تھہ ۳۲۲

برج نظامی ۲۵۹

برطانیہ ۳۷۷

برلن ۸۲

برہان پور ۲۸، ۱۵۸، ۱۵۹، ۳۰۶،

بریلی ، ۳۳، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۹۱،
۴۴۵،

پاک پٹن ۲۳، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۹، ۲۵۷،
۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱،
۲۶۶، ۲۷۶، ۳۸۵، ۴۰۳، ۴۳۵، ۴۴۶

پانی پت ۳۱، ۳۷، ۴۱۳

پریم گنج ۳۰۹

پنجاب ۲۳، ۲۷، ۳۷، ۱۹۳، ۲۳۱،
۲۵۱، ۲۵۲، ۲۷۳، ۲۸۱، ۲۹۵،
۳۳۱، ۳۴۷، ۳۳۰، ۳۷۶، ۳۸۶،
۴۰۱، ۴۱۷، ۴۲۳، ۴۳۵

پنچھ ۳۲۲

پنڈی گھیپ ۳۱۷

پولیر ۶۲

پہاڑ گنج ۲۳۴

پھلیل کڑہ ۱۹۲، ۱۹۳

پھنڈی ۳۸۲

پھولرہ (قصبہ) ۲۵۳

تاپتی ۷۲

تاج محل ۷۷، ۸۰

ترکستان ۳۳۰

تغلق آباد ۷۱

تونسہ ۱۸۱، ۲۵۲، ۲۷۳، ۳۲۹، ۳۳۱،
۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۳، ۴۳۳

بہرون ۲۹۸

بھیرہ ۲۵۶، ۳۲۱

بیت المقدس ۴۲۸

بیجاپور ۱۵۸

بیروت ۴۲۸

بیکانیر ۴۱۲، ۴۳۷

جمنا ۲۷، ۳۷، ۷۱

جموں ۲۷

جودھ پور ۳۳۳، ۴۱۱، ۴۱۲،

جہاں آباد ۷۱

جھانب ۳۲۳

جھانگر والا ۲۷۳

جھانسی ۴۴۹

جہلم (دریا) ۳۲۳

جہلم (ضلع) ۲۷، ۳۲۲

جھنگ ۳۲۲، ۴۳۳

جھوجھنوں ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۱۱،

جے پور ۸۷، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۹۳، ۳۳۳،
۴۱۳

جے نگر (جے پور) ۲۳۶

چاچڑاں ، ۲۵۲، ۲۷۳، ۲۹۵، ۳۱۰، ۳۲۳،
۳۲۹

چاندنی چوک ۵۱

چتلی قبر ۲۳۵

چتوڑ ۲۲

چشت ۴۱۰

چکوڑی ۴۲۱

چناب ۳۲۲

چھچھڑ ۴۲۲

۳۳۶، ۳۳۷، ۳۵۴، ۳۶۶، ۳۶۷،
۳۷۸، ۳۸۵، ۳۹۵، ۴۴۱، ۴۰۲،
۴۱۹، ۴۳۵، ۴۳۶

ڈونک ۴۴۳

جلال پور ۲۵۲، ۳۲۹، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۳۳،
۴۳۴

حجاز ۹۳، ۹۴، ۳۲۸، ۴۳۳

حضرت پور ۳۱۳

حیدرآباد ۵۴، ۸۱، ۲۳۰، ۳۲۹، ۳۸۶،
۳۸۸، ۳۹۳، ۳۹۶، ۳۹۸،

خانقاہ بہاء الحق ۳۱۸

خانم کا بازار ۷۱، ۷۳، ۲۵۶،

خجند (خجند) ۷۵، ۷۶، ۷۷،

خراسان ۱۷۳، ۳۵۴، ۳۸۰، ۳۸۱،
۴۲۲

خیرآباد ، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۹۳، ۳۹۸،

درگاہ مخدوم شیخ سعد ، ۴۴۴

دادون ۳۹۹

دجلہ ۳۷

دکن ۲۱، ۲۳، ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۳۷،
۴۲، ۹۹، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۲،
۱۳۳، ۱۴۱، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴،
۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۳،
۱۷۷، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۳،
۱۹۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۵۶، ۲۵۹،
۲۶۶، ۳۸۳

دلی یا دہلی ۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۵،
۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۴۷،
۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴،

چوبالہ ۲۵۲، ۲۵۳
چوک سعد اللہ خاں ۵۱
چین ۳۹
حاجی پور ۲۴۳، ۲۴۹، ۲۷۷، ۳۲۲،
حبش ۳۹، ۳۶۶
دلی یا دہلی ۱۹۷، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۰۹،
۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۳۲، ۲۳۵،
۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱،
۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۵،
۲۵۶، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱،
۲۶۶، ۲۸۰، ۲۸۱، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۱۸،
۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۷،
۳۸۰، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۹۳، ۳۹۴،
۳۹۶، ۴۰۲، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۲۲،
۴۲۷، ۴۳۱
دمشق ۴۲۸
دواب ۲۷
دیڈوانہ ۴۱۳
ڈھاکہ ۲۵
ڈیرہ غازی خاں ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۷۳،
۲۷۷، ۲۹۸، ۳۰۳، ۳۱۱، ۳۳۸،
۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۷، ۳۸۱، ۴۲۲،
۴۲۳
راجپوتانہ ۳۲۹، ۳۳۰، ۴۰۱، ۴۰۸، ۴۱۲
راجستان ۴۱۴
راجن پور ۲۷۷
رام پور ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۹۷، ۲۴۱، ۴۲۷،
راول پنڈی ۴۲۲
رتلام ۴۱۶

۴۱، ۴۲، ۴۳، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۸۷،
۹۱، ۹۳، ۹۵، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶،
۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۳۳، ۱۴۸، ۱۵۳،
۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۸۱، ۱۸۳،
۱۹۴، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴،
روہیلکھنڈ ۲۷
ریواڑی ۳۳۳
زینت محل نواب ۲۲۳
ساہیوال ۳۸۲
سراندیپ (جزیرہ) ۳۳۰
سرائے عرب ۲۰۲
سرائے معالی خاں ۳۹۹
سرہند ۲۷، ۱۳۳، ۲۸۰،
سلطان پور ۳۷۵، ۴۲۲
سلہیانہ ۴۲۲
سنجر (مقام) ۴۲۲
سندھ ۲۵۲، ۲۹۸
سنگھانہ ۱۳۹، ۱۵۰
سنگھڑ ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۷۶، ۳۸۲،
سوکڑ ۳۳۱، ۳۳۳
سہادہ ۳۸۲
سہسرام ۲۳۹
سیال ۳۲۹، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۲۳، ۴۳۵،
سیت پور ۳۱۳
سیکر ۲۹۳
شاپور ۴۱۳، ۴۲۱
شام ۳۸، ۴۹، ۲۶۶، ۴۳۳،
شاہجہاں آباد ۳۳، ۴۱، ۷۱، ۷۲، ۷۶،
۹۵، ۱۸۶، ۲۳۵، ۲۸۲، ۳۳۷،

ردولی ۲۹۰
رسول نگر ۴۲۲
روس ۳۷۷، ۳۷۸
روضہ ممتاز محل ۷۷
شیراز ۲۷۹
عدن ۳۳۰
عراق ۴۸، ۱۶۳
علی گڑھ ۱۳۸، ۳۹۹،
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، ۷۸، ۸۲،
غزنی ۳۷۸
غور ۱۵۳
غیاث گڑھ ۲۱۷، ۲۲۳، ۲۲۴،
فتح پور ۲۹۳، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۳،
۴۱۵
فرات ۴۷
فرخ آباد ۳۳
فرید (شہر) ۳۰۳
فیروز آباد ۷۱
فرانس ۱۹
کابل ۳۱، ۲۵، ۲۷۹، ۲۹۰، ۲۹۱،
۳۷۸، ۴۱۸، ۴۲۲
کاکوری ۱۵۳
کلکتہ
کپورتھلہ ۴۱۳
کشاواڑہ ۴۲۲
کرنال ۲۷، ۲۹۳
کسل پوری (محلہ) ۵۳
کشتوار ۲۹۳
کشمیر ۳۱، ۲۶، ۲۰۸، ۲۲۳، ۲۹۳،

شاہجہاں پور ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۸۴،
شمشیر گڑھ ۸۰
شولاپور ۱۵۹
شیخاواٹی ۳۲۹، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۴،
کوٹ کالا ۴۲۲
کوٹ مٹھن ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۱،
۳۰۸، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۳۲، ۴۲۲،
کلور ۴۲۲
کھیوہ (موضع) ۴۲۳
کیلوکھیڑی ۷۱
کیمل پور ۴۲۲، ۴۲۳
گجرات ۲۸، ۲۹، ۳۰۰، ۲۹۴، ۴۲۲،
۴۲۳
گڑگوجی ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۳۸، ۳۴۳،
گڑھ ۶۳
گڑھی ۲۷۳، ۳۷۷
گلی قاسم جان ۲۳۹
گوالیر ۲۹
گولڑھ ۲۵۲
گوڑھلہ ۴۱۷، ۴۲۱
لال قلعہ ۷۶، ۷۷، ۸۰، ۱۳۵
لاہور ۲۷، ۶۳، ۸۰، ۱۰۵، ۱۵۰،
۲۳۷، ۲۵۵، ۳۷۶، ۳۸۱،
۴۲۲، ۴۳۱، ۴۳۶، ۴۳۷،
لکھنؤ ۸۵، ۱۵۲، ۲۷۶، ۳۸۳،
۲۹۱، ۲۹۳، ۳۸۷، ۳۹۳،
۳۹۶، ۳۹۹، ۴۱۳،
لندن ۸۱
لونی پارک ۶۳

۴۲۲،
کشن گڑھ ۴۱۳
کعبہ ۵۷
متھرا ۳۳
محل نواب آصف خاں ، ۸۵
محمد پور ۲۷۷
مدرسہ رائے بہادر رام کشن داس ۵۴،
مدرسہ رحیمیہ ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۱۸۵،
مدرسہ ضیاء العلوم ۲۲۷
مدرسہ محمد عمر ۳۴۰
مدرسہ محمدی ۸۳
مدراس ۸۳
مدینہ منورہ ۹۱، ۹۲، ۹۳/ ۱۳۹،
مراد آباد ۱۵۰، ۴۱۴،
مرزا پور ۴۴۵
مسجد فیروز آباد ۸۹
مصر ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۴۲۸، ۴۳۲،
مغل پورہ ۱۵۰
مکراؤں ۱۵۳
مکہ معظمہ ۲۶۶، ۲۹۰، ۴۰۲، ۴۲۸
مکھڈی بنگلہ ۳۴۰
مکھنڈ ۳۸۱
ملتان ۲۷، ۲۵۳، ۲۹۶، ۳۱۷،
۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲،
۳۳۹، ۳۶۳، ۳۷۱، ۴۴۵،
ممالک متحدہ ۳۳۰
منگوٹ پرگنہ ۲۹۶
منصورہ ۳۱۷
موہان قصبہ ۳۸۷

مارواڑ ۳۱۵
مالوہ ۲۹، ۳۰
ماوراء النہر ۱۷۳
مہاراشٹر ۳۱
مہاران ۲۶۰
مہرولی ۲۳۹
میاں والی ۴۲۲
میرپور ۳۸۲
میرٹھ ۱۰۱، ۴۱۴، ۴۴۴،
میکی ڈھوک ، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹
میواڑ ۴۱۳
نارو ۲۷۳
نذیریہ پبلک لائبریری (دہلی) ، ۱۰۴،
نربدا ۲۹، ۴۲
نظام الدین (مقبرہ) ۲۰۲
نئی دہلی ۲۳۰
نین وال ۴۲۴
وانگہ ۲۵
ہرن پور ۴۲۲ ، ۴۲۴،
ہندوستان ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۴۳،
۲۷، ۳۱، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۷،
۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۳، ۴۵، ۴۶،
۴۷، ۴۸، ۵۲، ۶۵، ۷۳، ۱۰۵،
۱۳۸، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۳،
۲۲۰، ۲۲۸، ۲۸۱، ۲۹۰، ۳۲۸
۳۴۶، ۳۵۴، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۴،
۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۴، ۴۲۸، ۴۳۰،
۴۳۳، ۴۳۴، ۴۴۶
ہوشیارپور ، ۴۴۹

بہار، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۶،
۳۰۲، ۳۰۳، ۳۱۹، ۳۲۵، ۳۳۲، ۳۴۷،
۳۸۱، ۳۸۲، ۴۰۳، ۴۱۹
یورپ ، ۱۹ - ۲۳
یوپی ، ۲۴۱ - ۲۸۱

کتابیات

اپنیشد ۶۶
اتمام حجت اسلام ۴۱۴
آثار الصنادید ۱۵۳
احسن الاخبار ۲۳۹
احسن الشمائل ۱۵۱، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۷،
۱۸۰
احسن العقائد ۳۱۰
احسن القصص ۳۱۰
احیاء العلوم ۱۱۴، ۳۰۰، ۳۳۱، ۳۳۲،
اخبار الاخیار ۳۴۱
آداب الطالبین ۳۳۲
ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۶۹،
اسرار الکمالیہ ۲۰۹، ۲۷۴، ۳۲۴،
اسماء الابرار ۳۰۳
اصول السماع ۳۴۱
آفتاب عالمتاب ۴۱۴
افضل الطاعت ۴۰۹
اقوسہ مقدسہ ۶۴
القول السدید فی اثبات تقلید ، ۴۴۲
الہامات حلیمی ۱۰۰
انتباہ ۱۹۹
انجیل ۴۱۳

انشاء ارشاد ۴۴۳
انفاس العارفین ۹۱، ۱۸۸،
انوار جمالیہ ۳۲۴
انوار شمسیہ ۴۲۰
انوار العارفین ۱۵۳، ۴۲۸، ۴۳۸،
انیس العارفین ۴۰۲
ایساغوجی ۴۱۴
بارہ ماہیہ نجیم ۴۰۸
برکات الاولیاء ۱۵۳
بشیر المدائح ۴۴۶
بشیر النصائح ۴۴۶
بوستان ۳۳۱
بیان الاولیاء ۴۰۹
بیجاگنیتا (بیج گنت) ۸۰
بیج گنت ۸۰
پند نامہ ۳۳۱
پیوسلانی جیجیو سلانی غیر بھلانی) ۳۹۳،
۴۰۵، ۴۰۸،
تاریخ احمد شاہی ۲۱
تاریخ اسلام ذہبی ۲۰۰
تاریخ خطیب بغدادی ۲۰۰
تاریخ صغیر بخاری ۲۰۰

تاریخ ہند ۵۵
تتمہ (بر تکملہ سیر الاولیاء) ۳۱۵،
تحریر اقلیدس ۷۷
تحفہ نیازیہ ۲۸۸، ۲۸۹،
تحفۃ النبی ۴۴۲
تحفہ محمدی ۴۴۲
تحقیق الحق فی کلمۃ الحق ۴۲۹
تدریب الراوی ۲۰۰
ترجمہ منظوم کیدانی ۸۵
ترشیح ۸۵
تذکرہ آسمان سخن ۸۱، ۸۲
تذکرۃ الاولیاء ۱۱۱، ۱۱۴،
تذکرہ باغستان ۸۴
تذکرۃ السلاطین ۳۱۰
تذکرہ کاملان رام پور ۲۴۸
تذکرۃ الواصلین ۳۰۹
تسنیم ۱۰۰، ۱۰۴، ۲۷۴، ۳۰۰، ۳۱۴، ۱۱
تشریح الافلاک ۸۵
تصریح ۸۵
تصویب (شرح تہذیب) ۸۴
تفسیر بیضاوی ۹۰
تفسیر عزیزیہ ۲۱۴
تفسیر القرآن ۴۱۴
تفہیمات ۶۷، ۶۸
تقریب (شرح تہذیب) ۸۴
تقریب التحریر ۸۷
تقریب نووی ۲۰۰
تقریر التحریر ۸۷
تکملہ سیر الاولیاء ۸۸، ۹۶، ۹۷، ۱۱۶،
۱۴۲، ۱۵۳، ۱۷۶، ۱۸۷، ۲۵۸،
۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۵،
تلخیص التواریخ ملقب بہ مفرح دل کشا،
۴۱۴،
تنسیم ۱۰۴، ۳۱۴،
تہذیب الاسماء واللغات نووی ۲۰۰،
تہذیب الکمال مزی ۲۰۰
تہذیب المنطق والکلام ۸۴
ثمرۃ الحیاۃ ۴۴۲
جلالین ۱۰۰
جواہر خمسہ ۱۳۰۵
جواہر غالیہ ۴۴۳
چہار گلشن ۳۲
چہل ناموس ۱۷۶
حاشیہ اخلاق ناصری ۸۵
حاشیہ بر شرح بیست باب در معرفت اصطرلاب
۸۷،
حاشیہ بر شرح چغمینی ۸۵، ۲۸۵
حاشیہ بر شرح خلاصہ ۸۴
حاشیہ بر شرح مطالعہ ۸۴
حاشیہ فارسی ہیئت ۸۴
حاشیہ ملا جلال ۲۸۹
حاشیہ قاضی مبارک ۴۴۳
حاشیہ غلام یحییٰ ۴۴۳
حاشیہ حمد اللہ ۴۴۳
حاشیہ میرزاہد امور عامہ ۴۴۳
حجۃ اللہ البالغہ ۴۴

حقانیت اسلام ۴۱۴
حلیۃ الاولیاء ۲۰۰
حیات العاشقین فی لقاء رب العالمین ۳۰۹
حیات العلماء ۳۹۹
خزینۃ الاصفیاء ۱۵۳، ۲۸۰، ۲۹۳،
خزینۃ العادات ۸۰، ۸۱
خلاصۃ الحساب ۸۳، ۸۵،
خلاصہ راز ۸۰، ۸۱
خلاصۃ الفوائد ۱۴۲، ۲۶۲،
خیر الاذکار ۲۷۴، ۲۷۷،
خیر الافکار ۲۶۲، ۲۷۶،
خیر المجالس ۴۴۱
درایۃ الزماں ۴۳۱
در نایاب ۴۱۴
دلائل الخیرات ۲۱۲، ۲۱۳، ۳۳۴،
دیوان حافظ ۳۳۷، ۴۴۰،
دیوان مہندس ۸۱، ۸۲
دیوان نیاز ۲۸۰
دیوان نجم (اردو) ۴۰۹
دیوان نجم (فارسی) ۴۱۱
دیوان نور ۴۱۲
ذکر اکبر ۴۴۲
راحت العاشقین ۴۱۰
رسالہ احمد مختار ۷۸
رسالہ آگہی نامہ ۴۱۴
رسالہ بیانیہ ۸۵
رسالہ تحقیقات آداب وضو ۸۵،
رسالہ تحقیق تلازم ۴۴۳
رسالہ تسمیۃ المراتب ۲۸۸، ۲۸۹،
رسالہ تشریح الافلاک آملی ۱۰۰، ۱۰۴،
رسالہ توفیقیہ ۳۲۵
رسالہ خواجہ عبید اللہ احرارؒ ۳۰۶،
رسالہ خواص اعداد ۸۱، ۸۲
رسالہ در علم موسیقی ۸۳
رسالہ راز و نیاز ۲۸۸، ۲۸۹،
رسالہ رد روافض ۷۹
رسالہ عین الیقین ۱۹۸، ۳۰۱،
رسالہ الغیبیہ ۸۴
رسالہ کاشف الاسرار ۲۹۱،
رسالہ مجمع البحرین ۸۵
رسالہ مرآۃ ۸۵
رسالہ مرجیہ ۱۹۸، ۱۹۹،
رسالہ منظوم النجوم ۸۵
رسالہ نسبت ثمنات و مثلث بالتصریح ۸۵
رسالہ یعرفون یعبدون ۲۸۹
رشحات ۱۱۴، ۳۰۳،
رشک گلستان ارم ۱۷۴، ۱۷۵،
ریاض الفصحاء ۲۸۱، ۲۸۲،
ریاض الاخبار ۴۴۳
زبور ۴۱۳
سحر بلال ۸۱، ۸۳،
سراج الاخبار ۲۳۹
سراج السالکین ۲۹۳
سفر السعادت ۱۹۷
سلسلۃ الذہب ۱۵۳
سلک السلوک ۳۳۹

سماع السامعین فی رد المنکرین ۳۰۹،
سنن دارقطنی ۲۰۰
سنن کبریٰ ۲۰۰
سواء السبیل ۱۰۰، ۱۰۲، ۲۷۳، ۲۹۹،
۳۰۰، ۳۰۲
سورۂ فاتحہ ۲۹۱
سورۂ یٰسین ۲۲۸
سیر المتاخرین ۶۲
شجرۃ الانوار ۹۵، ۹۶، ۱۵۳، ۱۵۹،
۱۶۷، ۱۷۸، ۱۸۱، ۲۲۳، ۲۲۵،
۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۴۴،
۲۴۷، ۳۱۰
شجرۃ العارفین ۳۱۰
شجرۃ المسلمین ۳۱۰
شفائی ۳۰۰، ۳۰۹، ۳۱۳،
شرح رباعیات جامی ۳۰۲
شرح حافظ ۸۷
شرح زلالی ۸۷
شرح زیج جدید محمد شاہی ۸۷
شرح سکندر نامہ ۸۷
شرح سلاسل الکلام ۴۴۳
شرح خلاصۃ الحساب ۸۵
شرح عبدالحق ۳۹۹، ۴۰۲،
شرح عقائد ۳۰۰
شرح قانون ۱۰۰، ۱۰۳،
شرح عقائد عربیہ ۲۸۹،
شرح قصیدہ ۳۰۰
شرح کافیہ ۴۴۳
شرح کتاب دانیال علیہ السلام ۳۱۴،
شرح لمعات ۱۱۱
شرح ملا ۳۵۲
شرح مسلم الثبوت ۴۴۳
شرح مناظر اقلیدس ۸۵
شرح مواقف ۳۰۰
شرح وقایہ ۹۳، ۱۸۸، ۳۰۰، ۳۸۴،
شرح ہدایۃ الحکمۃ ۸۴، ۳۰۰
شروط الائمہ حازمی ۲۰۰
شمس بازغہ ۱۸۷
شمس العین ۲۸۸، ۲۸۹،
شوارق المعرفت ۹۱
صحیح بخاری ۹۶، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۳۵،
۳۰۰، ۳۸۴، ۳۹۹،
صحیح مسلم ۱۹۵، ۱۹۶، ۳۸۴،
صور الکواکب ۸۲
صور صوفی ۸۱، ۸۲
عشرہ کاملہ ۱۰۰، ۱۰۲، ۳۳۲، ۴۰۴،
عوارف المعارف ۱۹۸، ۲۰۳،
۳۱۴، ۳۴۳، ۳۵۰، ۳۶۳،
۳۹۰،
غنیۃ الطالبین ۱۹۹
فتوحات مکیہ ۳۴۲، ۳۶۳، ۴۰۳،
فرہنگ ارشاد ۴۴۶
فخر الحسن (رسالہ) ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰،
۲۹۸
فخریۃ النظام ۱۹۲
فخر الطالبین ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۹۸،

فخر الطالبین ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۲۲،
۲۳۲، ۲۶۷
فصوص الحکم ۱۸۷، ۳۰۰، ۳۲۲، ۳۸۳،
۳۹۲، ۴۰۳، ۴۱۴، ۴۳۱،
فوائد الفواد ۱۰۳، ۱۹۸، ۲۰۲، ۴۰۹،
۴۱۰، ۴۴۱
قرآن پاک ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۶۵، ۱۹۸،
۲۲۸، ۲۳۳، ۲۵۳، ۲۵۴،
۳۰۶، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۸،
۳۳۱، ۳۴۲، ۳۵۳، ۳۶۳،
۳۶۵، ۳۸۴، ۳۸۵، ۴۰۳،
۴۱۷، ۴۳۶، ۴۰۴، ۴۲۸، ۴۲۹،
قرآن القرآن ۱۰۰،
القول المستحسن فی فخر الحسن ۲۰۱، ۳۹۸
کافیہ ۲۵۵، ۳۴۲،
کتاب الثقات ابن حبان ۲۰۰
کتاب الکرہ والمخروط والاسطوانہ ۸۵،
کشف الاسرار ۳۱۴
کشف العین ۲۸۹
کشف المحجوب ۱۰۴
کشکول ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۳۶، ۱۳۸،
۱۴۰، ۳۱۴، ۴۰۴، ۴۱۰، ۴۴۴،
۴۴۱،
کنز ۳۳۲، ۴۴۴،
کیمیائے سعادت ۱۱۴
گلستان ۳۳۱
گلشن بے خار (تذکرہ) ۵۵، ۲۸۴،
گزشتہ اگروا ۲۴
گلزار وحدت ۳۰۸
گنجینۂ اسرار انبیاء ۳۱۴
لمعات ۱۱۱، ۱۱۴، ۳۰۳،
لوائح ۱۱۱، ۱۱۴، ۲۷۴، ۳۰۰، ۳۰۲،
۳۳۲، ۴۰۴
ماحی الغیریت ۳۰۸
مثنوی مولانا روم ۱۵۰، ۱۹۱، ۲۰۲، ۲۳۳،
۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۶، ۴۴۱
مجالس کلیمی ۹۳، ۱۸۰، ۱۸۱،
مجسطی ۷۷
مجمع الفرائض ۳۱۵
مجموعۂ رویائے صادقہ ۳۱۴
مجموعۂ قصائد عربیہ ۲۸۸
مخزن الشعراء ۵۹
مرقع ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۳۵،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۰، ۴۲۳،
مرآۃ الجنان یافعی ۲۰۰
مرآۃ العاشقین ۴۲۲، ۴۳۹،
مشارق الانوار ۱۸۸
مشکوٰۃ شریف ۹۰، ۱۶۲، ۱۹۵، ۳۰۰،
۳۸۴
مطالع الانوار ۸۳
مطول ۳۰۰، ۳۰۲
معارج الولایت فی مدارج الہدایت ۹۳،
معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخیار ۳۱۴،
مفاتیح ۸۵
مفتاح الکرامات ۹۳
مقصود العارفین ۳۱۰

مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ۳۰۲،
مکتوبات کلیمی ۹۳، ۱۰۳، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۵۷، ۱۶۶
ملفوظات خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ ۱۸۱،
ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ ۳۱۱
ملفوظات مسکین شاہؒ ۲۹۲
ملفوظات نفحات المحبوب ۳۲۶
منادی (رسالہ) ۲۳۰
منازل السائرین ۱۱۳
مناقب التارکین ۳۱۰
مناقب حافظیہ ۲۰۱، ۳۲۳، ۳۳۸، ۳۸۱، ۳۸۶، ۳۸۹، ۳۹۱، ۳۹۵، ۳۹۶،
مناقب الحبیب ۳۱۰
مناقب فخریہ ۱۰۱، ۱۵۳، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۴۶، ۲۴۸، ۳۲۰، ۳۲۵
مناقب فریدی ۱۰۰، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۱۱
مناقب المحبوبین ۷۵، ۱۰۰، ۱۳۳، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۷، ۱۹۱، ۲۰۱، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۶۵، ۳۰۲، ۳۸۲، ۳۹۱، ۳۹۳، ۴۱۰، ۴۲۶، ۴۳۶
منتخب الحساب ۸۱، ۸۳،
منہاج السنۃ ۲۰۱
مآثر الکرام ۷۳
مرآۃ احمدی ۹۳
میزان ۱۹۶، ۲۸۳،
نام حق ۳۱۷
نافع السالکین ۲۶۱، ۳۳۹، ۳۵۹، ۳۸۳
نجم الآخرہ ۳۰۳، ۳۰۹
نجم الارشاد ۳۱۵
نجم الواعظین ۳۱۰
نجم الہدایۃ ۳۱۰
نظام العقائد ۱۹۸
نظام القلوب ۱۷۳
نغمۂ عندلیب ۵۶، ۳۳۹،
نفحات الانس ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۸۸،
نگینۂ حکمت ۳۱۳
نہایۃ الحکمہ ۸۳
ہدایت نامہ ۳۱۰
ہدایہ ۱۸۷، ۳۰۰، ۳۱۸،

RS.: 200 /=